تفسیرِ فاضلی

منزل ششم

الصّٰفّٰت۔ الحجرات

بیان :

امام العارفین، سراج السالکین، راحت العاشقین

حضرت فضل شاہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ

تحریر :

ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی

۱۴۱۸ھ

فاضلی فاؤنڈیشن، لاہور

فہرست

ابتدائی کلمات

منزل ششم میں تیرہ (13) سورتیں ہیں، اور اس میں 842 آیات ہیں۔

(1) سورہ الصافات میں 182 آیات ہیں۔
(2) سورہ ص میں 88 آیات ہیں۔
(3) سورہ الزمر میں 75 آیات ہیں۔
(4) سورہ غافر میں 85 آیات ہیں۔
(5) سورہ فصّلت میں 54 آیات ہیں۔
(6) سورہ شوریٰ میں 53 آیات ہیں۔
(7) سورہ الزخرف میں 89 آیات ہیں۔
(8) سورہ الدخان میں 59 آیات ہیں۔
(9) سورہ الجاثیہ میں 37 آیات ہیں۔
(10) سورہ الاحقاف میں 35 آیات ہیں۔
(11) سورہ محمد میں 38 آیات ہیں۔
(12) سورہ الفتح میں 29 آیات ہیں۔
(13) سورہ الحجرات میں 18 آیات ہیں۔

یہ منزل تیئسویں (23) پارے میں سورۃ الصافات سے شروع ہوتی ہے اور چھبیسویں (26) پارے میں سورہ الحجرات پر ختم ہوتی ہے۔

کسی بدعت سیۂ کی ابتدا کے وقت علم والے ضرور ان حالات سے آگاہ کرتے ہیں، جو اس راستے کو اختیار کرنے سے لازماً پیش آنے والے ہوتے ہیں۔ مگر جب علم والوں کو لاعلموں کے برابر ٹھہرا لیا جائے تو پھر رخ درست نہیں رہ سکتا، اور رخ درست نہ ہو تو خرابیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔

اصلاح حال کی صورت یہ ہے کہ جن کی بات حق کے حوالے سے ہو، ان کی بات کو ادب سے مان لیا جائے اور اس معیار کو اس قدر روشن کر دیا جائے کہ من مانی کرنے والوں سے کراہت کا اظہار لوگوں کا طبعی رویہ بن جائے۔

ہدایت یافتہ بھی خواہوں کی بے قدری سے پیدا ہونے والے نتائج ختم ہو جائیں تو احساس ندامت انتہائی درجے کا ہو گا۔ تب گریہ بھی ہو گا، اور محسنین کی شان بھی واضح ہوتی جائے گی۔

مستقبل کے حوالے سے بھی اپنا حق پہنچانے اس حق کو حال پر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ آپ کو رحمت و برکات سے نوازے اگر آپ معلم ہیں تو آپکی قدر و منزلت ہو اور اگر آپ متعلم ہیں تو آپ علم والوں کی قدر و منزلت کریں۔

اشرف فاضل

22 محرم الحرام 1418ھ

آیاتہا ۱۸۲ — سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ — رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ قسم ان کی جو صف باندھے حاضر رہتے ہیں۔

قسم، بیان کی شان کو بڑھانے کے لئے بھی ہوتی ہے اور شہادت کے لئے بھی ہوتی ہے۔ فرشتوں کا مقام یہ ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں امر دیا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کا مقام معلوم ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے حضور صف بستہ رہتے ہیں، تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

حاصل : شاہد کے حضور تعمیل ارشاد کے لئے حاضر رہنا بڑی قابل قدر بات ہے کہ شاہد کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ پھر ان کی کہ جھڑک کر ڈانٹیں۔

فرشتوں کو جس کام پر بھی مامور کیا گیا ہو وہ امر الٰہی کی تعمیل بصد ادب کرتے ہیں۔ شیاطین جب ملاء اعلیٰ کی طرف رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کو جھڑکنا، ڈانٹنا اور انہیں مار کر بھگانا، فرشتوں کا کام ہوتا ہے۔

حاصل : من مانی کرنے والوں کو ایسے مقامات تک آنے سے روکنا چاہئے، جہاں پہنچ کر وہ اپنی معلومات کے حوالے سے لوگوں کے لئے زیادہ دکھ دینے والے بن جاتے ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ پھر تلاوتِ ذکر کرنے والوں کی۔

یہ تیسری قسم بھی فرشتوں کی ہے، کہ وہ ادب سے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہیں، تسبیح پڑھتے ہیں۔ فرمان الٰہی کی تلاوت ان کے لئے باعث راحت ہوتی ہے۔

حاصل : قرآن پاک کی تلاوت بڑے ادب سے کرنی چاہئے، اور تعمیل ارشاد کے ارادے سے کرنی چاہئے۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ﴿۴﴾ بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

فرشتوں کی تین صفات کو واضح فرمانے کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے، کہ بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ فرشتے کسی بھی مقام پر من مانی نہیں کرتے۔ وہ امرالٰہی کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اپنی جہالت کی بنا پر فرشتوں کی بندگی کرنے لگتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ فرشتے ان کی شفاعت کریں گے، وہ محض اپنے ظن کا اتباع کرتے ہیں اور ان کے ظن کا اتباع ان کو خسارے میں ہی ڈال سکتا ہے۔

حاصل : عملاً معبود کو ایک اور لاشریک ماننے کا ثبوت پیش کرنے والے، ہر مقام پر اللہ کی رضا کو مقصود ٹھہراتے ہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾

رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اور رب مشارق کا۔

اللہ جو ایک ہے اور لاشریک ہے، آسمانوں میں بھی ربوبیت وہی کرتا ہے، زمین میں بھی ربوبیت اسی کی شان ہے اور آسمانوں اور زمین کے مابین تمام مقامات پر اپنی مخلوق کو علم سے پالنا اسی کا کام ہے۔ مشرق کی طرف سورج کے تمام مقامات طلوع اپنا اپنا کام رکھتے ہیں اور اپنے اپنے کام کے حوالے سے اپنی ضروریات بھی رکھتے ہیں۔ ان ضروریات کو پورا کرنا اور کائنات میں ایک نظم کو قائم رکھنا، اللہ کی شان ہے۔ مقامات طلوع کے دو انتہائی مقامات مشرقین ہیں۔ اسی طرح مقامات غروب کے دو انتہائی مقامات مغربین ہیں۔ اور مغربین کے درمیان سورج کے غروب ہونے کے سب مقامات مغارب ہیں۔

حاصل : رب العالمین ایک ہے اور لاشریک ہے۔ ربوبیت کائنات کی جان ہے، اور کائنات کا نظم یہ ثابت کرتا ہے کہ ربوبیت ساری کائنات میں صرف اللہ ہی کر رہا ہے۔ طلوع آفتاب کے سب مقامات پر لوازماتِ حیات کو جاننے کا دعویٰ اللہ ہی کو زیب دیتا ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾

بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو کواکب کی زینت سے مزین فرمایا ہے۔

غروب آفتاب کے بعد ربوبیت کے تقاضے اور ہوتے ہیں۔ ستاروں کی روشنی کائنات میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ تمام اشیاء اس روشنی سے اثر پذیر ہوتی ہیں، اور یہ روشنی دینے والے کواکب، اللہ نے سماء دنیا پر سجائے ہیں۔ ان کا سجانا بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے، کہ یہ صرف اپنے افعال سے ہی کائنات میں اہم نہیں ہیں، بلکہ اپنی سجاوٹ کے حوالے سے بھی اہم ہیں۔ اللہ نے ان کو بڑے علم سے سجایا ہے۔

حاصل : سماء دنیا کو کواکب سے سجانا بھی ربوبیت کا حصہ ہے۔ اس میں لوگوں کے لئے بہت منافع ہیں۔ سمت کا تعین بھی انسانی ضرورت ہے اور سمت رات کو ستاروں سے ہی متعین کی جا سکتی ہے۔

وَحِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ اور اس کو ہر شیطان سرکش سے محفوظ کیا ہے۔

سماء دنیا کی زینت کواکب سے کی گئی ہے، اور اس کو شیطان سے محفوظ رکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اس مقام تک شیطان کی رسائی کو ناممکن کر دیا گیا ہے، جس سے حاصل ہونے والے علم کو بنیاد بنا کر وہ لوگوں کو اپنے اتباع کی بڑی دعوت دے سکتا ہے۔

حاصل : اجتماعی بھلائی کے فیصلے ان مقامات پر کرنے چاہئیں جو بالکل محفوظ ہوں اور خلاف حق کرنے والوں کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔ حکم کے نفاذ سے پہلے اس کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے۔

لَا يَسَّمَّعُوۡنَ اِلَى الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى وَيُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ وہ ملاء اعلیٰ کی طرف کان نہیں لگانے پاتے کہ ان پر ہر طرف سے مار پھینکی جاتی ہے۔

شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ملاء اعلیٰ سے خبر پا کر وہ انسان دشمنی کی استعداد کو بڑھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ جب بھی شیطان ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگانے کی کوشش کریں ان کو دھتکار دیا جاتا ہے، ان پر ہر طرف سے مار پھینکی جاتی ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ انہیں حق کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کا موقع ملے۔ ایسے لوگوں کو ان مقامات سے دھتکارنے کا پورا بندوبست ہونا چاہئے، جہاں سے معلومات لے کر یہ بڑا فساد برپا کر دیتے ہیں۔

دُحُوۡرًا وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ دھتکارنے کے لئے، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

ملاء اعلیٰ سے شیطانوں کو دھتکارنے کا خدائی انتظام موجود ہے۔ وقتِ معلوم تک شیطان کے لئے مہلت ہے۔ اس مہلت میں انسان دشمنی سے بڑا اس کے لئے کوئی کام نہیں ہے۔ انسانوں کو بھی ذاتی اور اجتماعی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ جو فرمان خداوندی کی خلاف ورزی کو اپنی شناخت بنالے وہ شیطان ہے اور اس کے لئے دائمی عذاب رکھا گیا ہے۔

حاصل : شیطانوں کو پاک جگہوں سے دھتکارنے کا انتظام، اللہ کی سنت ہے، دائمی عذاب آخرت میں ہو گا۔

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝۷

اور اس کو ہر شیطان سرکش سے محفوظ کیا ہے۔

سماء دنیا کی زینت کواکب سے کی گئی ہے۔ اور اس کو شیطان سے محفوظ رکھنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ اس مقام تک شیطان کی رسائی کو ناممکن کر دیا گیا ہے۔ جس سے حاصل ہونے والے علم کو بنیاد بنا کر وہ لوگوں کو اپنے اتباع کی بڑی دعوت دے سکتا ہے۔

حاصل : اجتماعی بھلائی کے فیصلے ان مقامات پر کرنے چاہئیں جو بالکل محفوظ ہوں اور خلاف حق کرنے والوں کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔ حکم کے نفاذ سے پہلے اس کی حفاظت بہت ضروری ہوتی ہے۔

لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝۸

وہ ملاء اعلیٰ کی طرف کان نہیں لگانے پاتے کہ ان پر ہر طرف سے مار پھینکی جاتی ہے۔

شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ملاء اعلیٰ سے خبر پا کر وہ انسان دشمنی کی استعداد کو بڑھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ جب بھی شیطان ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگانے کی کوشش کریں ان کو دھتکار دیا جاتا ہے۔ ان پر ہر طرف سے مار پھینکی جاتی ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ انہیں حق کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کا موقع ملے۔ ایسے لوگوں کو ان مقامات سے دھتکارنے کا پورا بندوبست ہونا چاہئے، جہاں سے معلومات لے کر یہ بڑا فساد برپا کر دیتے ہیں۔

دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝۹

دھتکارنے کے لئے، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

ملاء اعلیٰ سے شیطانوں کو دھتکارنے کا خدائی انتظام موجود ہے۔ وقتِ معلوم تک شیطان کے لئے مہلت ہے۔ اس مہلت میں انسان دشمنی سے بڑا اس کے لئے کوئی کام نہیں ہے۔ انسانوں کو بھی ذاتی اور اجتماعی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ جو فرمان خداوندی کی خلاف ورزی کو اپنی شناخت بنا لے وہ شیطان ہے اور اس کے لئے دائمی عذاب رکھا گیا ہے۔

حاصل : شیطانوں کو پاک جگہوں سے دھتکارنے کا انتظام، اللہ کی سنت ہے، دائمی عذاب آخرت میں ہو گا۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

مگر جو کچھ اچک ہی لے تو ایک شہاب ثاقب اس کے پیچھے لگتا ہے۔

اچکا ہونا، شیطانی صفت ہے۔ ملاء اعلیٰ سے اگر کوئی شیطان کچھ سن بھی لے، تو وہ اسے انسان دشمنی کے لئے ہی استعمال کرے گا۔ شیطان اپنی بڑائی کے دعوے کے ساتھ اس حقیقت کو کبھی بیان نہیں کرے گا، کہ ملاء اعلیٰ تک رسائی اس کے بس میں نہیں ہے اور وہ غیب کی باتیں جاننے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جب شیطان ملاء اعلیٰ سے کچھ اچک ہی لے تو ایک لپکتے ہوئے شعلے کے ساتھ اس کا تعاقب کیا جاتا ہے۔ چور کا کام اندھیرے سے تعلق رکھتا ہے، روشنی چور کو منظر پر لاتی ہے، اس لئے بڑائی کا دعویٰ کرنے والے شیطان کا تعاقب لپکتے ہوئے شعلے سے کیا جاتا ہے۔

حاصل : عالم بالا سے خواہش کی پیروی کرنے والوں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اچکوں کو روشنی میں لانا، ان کے لئے بڑی سزا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

ان سے پوچھئے کیا ان کی تخلیق اشد ہے یا ان چیزوں کی جو ہم نے پیدا کی ہیں۔ ان کو تو ہم نے چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

بعث بعدالموت کا انکار کرنے والوں سے یہ پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں بحث کرنے سے پہلے کچھ حقائق کو بھی دیکھو۔ آسمان اور زمین سے ان کا تعلق ہے۔ ان چیزوں کی تخلیق یقیناً انسان کی تخلیق سے بڑا کام ہے، اور یہ کام کرنے کے لئے اللہ کو کسی مددگار کی احتیاج نہیں ہوئی، کسی سامان کی فراہمی مشکل نہیں ہوئی، کوئی دوسرے مسائل پیدا نہیں ہوئے۔ انسان کی تخلیق میں کام آنے والا مادہ تو ہے ہی چپکتی مٹی۔ خالق کل کے لئے انسان کی تخلیق پہلے بھی کوئی بڑا کام نہیں تھا، دوبارہ بھی یہ کوئی بڑا کام نہیں ہوگا۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کی تخلیق، انسان کی تخلیق کے مقابل بڑا کام ہے، اور یہ بہت بڑی چیزیں ہیں جن کی تخلیق انسان کی تخلیق کے مقابل بڑا کام ہے۔ خالق کل، قادر مطلق ہے، اس کے لئے انسان کو جزا کے لئے اٹھانا کچھ مشکل نہیں ہوگا۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور وہ تمسخر کرتے ہیں۔

تبلیغ حق کرنے والے کو تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ اس قدر روشن بیان، لوگوں پر واضح نہیں ہو رہا اور وہ اللہ کی قدرت کو موضوع بحث بناتے ہوئے، اپنے مقام کو بھی نہیں دیکھتے، اللہ کی قدرت کے مظاہر کو بھی نہیں دیکھتے۔ اور وہ لوگ ہیں کہ حقائق کو

سن کران کا مذاق اڑاتے ہیں، اور بعث بعد الموت کو انھونی بات کہہ کر ہنس دیتے ہیں۔

حاصل : روشن بیان سے استفادہ نہ کرنے والوں پر پاک لوگوں کو تعجب ہوتا ہے، اور طلب ہدایت نہ رکھنے والے حقائق کو سن کر ان کا مذاق اڑایا کرتے ہیں۔

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ اور جب انہیں نصیحت کی جائے، وہ دھیان نہیں کرتے۔

طلب ہدایت نہ رکھنے والے لوگوں کو جب نصیحت کی جائے تو وہ اس کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ حق کے مقابل ان کی پسند ان کے نزدیک بڑی وقعت رکھتی ہے، اس لئے وہ حق کو سن کر اپنے زاویہ نگاہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ حق کو سن کر، ان سنا کر دینا اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے والی بات ہوتی ہے۔

حاصل : حق کا مذاق اڑانے والے کبھی نصیحت کے قدردان نہیں ہوتے۔

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تمسخر کرتے ہیں۔

نصیحت کی قدر نہ کرنے والوں کے سامنے بھی حق کی نشانیاں ضرور آتی ہیں، کہ اتمامِ حجت، اللہ کا طریقہ ہے۔ مگر وہ لوگ حق کی نشانیوں کو دیکھ کر قادر مطلق کو ماننے کی بجائے، ان نشانیوں کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ حق کو جان کر اسے اختیار نہ کرنا استکبار ہے اور حق کا تمسخر اڑانا، استکبار کی ایک صورت ہے۔

حاصل : حق کا تمسخر اڑانے والے اللہ کی قدرت کو دیکھتے ہیں مگر قادرِ مطلق کی طرف نہیں بڑھتے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اور کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

منکرین حق کے مشاہدے میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں آتی ہیں۔ تبلیغ حق کرنے والے صاحب جب منکرین حق کو دعوتِ مشاہدہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں، یہ دیکھو اللہ کی قدرت کی نشانیاں، اور غور کرو کیا تم قادرِ مطلق کی قدرت کا احاطہ کر سکتے ہو۔ جب یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ کی قدرت کا احاطہ کیا جا سکے تو پھر اس بات کے انکار کا جواز کیا رہ جاتا ہے کہ اللہ لوگوں کو جزا کے لئے قیامت کے دن اٹھائے گا۔ تو منکرین حق اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ تو جادو کے کرشے ہیں، جو ہمیں دکھائے جا رہے ہیں۔

حاصل : ناصحین سے محبت ہو تو اللہ کی قدرت کی نشانیاں ایمان کو بڑھاتی ہیں، ورنہ منکرین حق تو انہیں کھلا ہوا جادو کہہ دیا کرتے ہیں۔

ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۱۶﴾

کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو پھر اٹھائے جائیں گے۔

منکرین حق یہ کہتے ہیں، کہ اتنی بڑی بات کیسے مان لی جائے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر ہم کو اٹھایا جائے گا، اور ہم کو ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ مٹی اور ہڈیاں ہو جانے سے پہلے اور موت کے بعد جب تک جسم اپنی شکل میں موجود رہتا ہے، تو مردہ جسم میں جان پڑ جانا بھی بڑی بات ہے، کہ حرکات کے ختم ہو جانے کے بعد ان کا لوٹ آنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے، مگر جسم مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو چکا ہو اور پھر وہ زندہ ہو جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

حاصل : خلق اولیٰ، عدم سے وجود میں لانے کی صورت ہے، خلق آخر منتشر اجزاء کو جوڑ کر زندہ کر دینے کی صورت ہو گی۔ خالق کل خلق اولیٰ پر بھی قادر ہے، خلق آخر پر بھی قادر ہے۔ ہمارا سوال ہمیشہ حقائق کو جاننے کی نیت سے ہونا چاہئے۔

اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۱۷﴾

اور کیا ہمارے اگلے آباء بھی۔

منکرینِ حق کا یہ سوال کہ کیا ہم مٹی اور ہڈیاں ہو کر پھر اٹھائے جائیں گے، ازراہ تمسخر تھا۔ اس تمسخر کو بڑھانے کے لئے ان کی طرف سے یہ کہا گیا، کیا ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی اٹھایا جائے گا۔ جس نے پہلے پیدا کیا ہے، وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اس کا علیم مطلق ہونا، اس کا قادر مطلق ہونا ہی ثابت کرتا ہے، کہ اس کے علم کا احاطہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس کی قدرت کا احاطہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : علم والوں سے سوال کیا جائے، تو ارادہ حصول علم ہونا چاہئے۔ علم والوں کا مذاق اڑانا بڑی جہالت ہے۔

قُلۡ نَعَمۡ وَاَنۡتُمۡ دَاخِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾

فرما دیجئے ہاں اور تم ذلیل ہو گے۔

آخرت کا انکار کرنے والے، جزا کا انکار کرنے والے جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو وہ دن ان کے لئے بہت بھاری ہو گا۔ جس دن کے انکار پر وہ سب کچھ لگا چکے ہوں گے وہ دن ان کے سامنے ہو گا، تو اس سے بڑی ذلت ان کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ذلت سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ جزا کا انکار نہ کیا جائے، مقصدیت حیات کو مان لیا جائے اور اپنی پسند کو معیار ثابت کرنے کی بجائے، اللہ کی رضا کو معیار مان لیا جائے۔

حاصل : حق کا مذاق اڑانے والے کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا بھی تبلیغ حق کا حصہ ہے۔

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنظُرُونَ ﴿١٩﴾

بس وہ تو ایک جھڑک ہی ہے جبھی وہ دیکھنے لگیں گے۔

صور پھونکنے کی آواز لمبی نہیں ہو گی۔ بس یہ ایک جھڑک ہی ہو گی، اور دفعتہً وہ بیداری کی حالت میں ہوں گے، اور ایک سراسیمگی ان پر طاری ہو گی۔ وہ تبدیلی جس کو منکرین آخرت ناممکن کہتے ہے سب کچھ خلاف حق کرنے پر لگاتے رہتے ہیں، اچانک واقع ہو جائے گی۔

حاصل : بعث بعدالموت کو واقع ہوتے دیر نہیں لگے گی، بس ایک جھڑک کے ساتھ ہی حال، مستقبل میں بدل جائے گا۔

وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾

اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری، یہ تو یوم الدین ہے۔

منکرین آخرت قبروں سے اٹھتے ہی، یوم الدین کو دیکھ لیں گے۔ اسی دن کے انکار پر وہ سب کچھ ضائع کر چکے ہوں گے، اس لئے انہیں اس دن اپنی خرابی میں کچھ شک نہ ہو گا۔ جو بعث بعدالموت انہیں ناممکن نظر آتی تھی، وہ اس وقت واقع ہو چکی ہو گی، اور یہ جزا کا دن ہو گا۔ یوم الدین کے انکار کو طریق زندگی بنانے والے جس خرابی کی طرف جا رہے ہیں وہ آخرت میں بالکل واضح ہو گی، اور اس وقت حق کو مان لینا کسی کو نفع نہ دے گا۔

حاصل : یوم الدّین کے پہچاننے میں منکرین حق کو دیر نہیں لگے گی، وہ قبروں سے اٹھتے ہی اسے دیکھ لیں گے۔ حال پر جزا کا یقین رکھنا یقیناً عقل مندی ہے۔

هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾ ع

یہ ہے فیصلے کا دن، جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔

منکرین حق یوم الدّین کو دیکھ لیں گے تو ملائکہ کی طرف سے کہا جائے گا، یہ وہی فیصلے کا دن ہے، جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ حال پر ملی ہوئی مہلت میں اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا بہت بڑی بات ہے۔ جزا کے دن اصلاح حال کا موقع نہیں ہو گا۔

حاصل : توفیق بھی اللہ نے دی ہے، معیار حق بھی اسی کا مقرر کردہ ہے، جزا بھی وہی دے گا۔

فیصلے کے دن کو جھٹلانا انتہائی غفلت ہے۔

شہادت : اس دن کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے۔
فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٥٧﴾
تو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت نفع نہ دے گی اور نہ ان سے کوئی راضی کرنا مانگے گا۔

اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾

جمع کرو ظالموں کو اور ان کے جوڑوں کو اور ان کو جن کی یہ بندگی کرتے تھے۔

یہ حکم مالک یوم الدّین کی طرف سے ملائکہ کو دیا جائے گا، کہ خلافِ حق کرنے والوں کو، ان کے ہم مشرب لوگوں کو اور جن کی یہ پرستش کرتے رہے ہیں، سب کو جمع کرو۔ یہ سب شرک کے عمل میں شامل تھے۔ شرک کی ترغیب دینے والے، ان کی ترغیب کو ماننے والے اور جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، یہ سب حال پر بالفعل یکجا ہوتے ہیں، آخرت میں یہ سب جزا کے حوالے سے جمع کیے جائیں گے۔

حاصل : اپنا حال دیکھنا چاہیے۔ جن کے ساتھ ہمارا بالفعل تعلق ہے، وہ ظالم ہوں گے تو ہمارا انجام اچھا نہیں ہو گا، کہ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔

مِن دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾

اللہ کے مقابل، پھر ان کو دوزخ کا راستہ دکھاؤ۔

جو لوگ خلافِ حق کرتے کرتے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، یہ اللہ کے مقابل شیطان کی بندگی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن جب یہ قبروں سے اٹھیں گے تو فرشتوں کو حکم ہو گا، کہ ان کو دوزخ کا راستہ دکھا دو، اور اس کی طرف ان کو ہانکو۔

حاصل : شیطان کی بندگی کرنے والے، دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔

وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾

اور انہیں ذرا ٹھہراؤ، ان سے سوال ہو گا۔

فرشتوں کو جو منکرینِ حق کو دوزخ کی طرف ہانک رہے ہوں گے، حکم ہو گا: ان ظالم لوگوں کو ٹھہراؤ۔ یہ خلافِ حق کرتے ہوئے جو دعوے کرتے تھے، وہ دعوے کدھر گئے۔ یہ کہا کرتے تھے، ہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اب یہ دوزخ کی

طرف بلاچون وچرا چل رہے ہیں۔

حاصل : جب کوئی اپنے دعوے کے حوالے سے جھوٹا ثابت ہو جائے تو پھر اس سے سوال کرنے کا مقام آتا ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ تمہیں کیا ہوا، کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کر رہے۔

دوزخ کی طرف ہانکے جانے والے لوگوں کو روک کر پوچھا جائے گا: تم یہ دعویٰ کیا کرتے تھے، کہ ہم ایک جمعیت ہیں، اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اور جس انجام سے ہمیں ڈرایا جا رہا ہے، ہم اس سے نہیں ڈرتے۔ یہی وقت تھا جب تم کو اپنے دعوے کے مطابق ایک دوسرے کی مدد کرنی تھی، مگر تم ایک دوسرے کی مدد کر نہیں رہے۔

حاصل : منکرینِ حق کو ان کے دعوے کے حوالے سے وہ وقت یاد دلانا جس وقت ایک دوسرے کی مدد کرنے کا وہ زعم رکھتے تھے، اللہ کی شان ہے۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بلکہ یہ تو آج پیکر تسلیم بنے ہوئے ہیں۔

منکرینِ حق کو جب یہ یاد دلایا جائے گا، کہ جس انجام سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا اور تم بے پرواہی کرتے ہوئے یہ کہتے تھے، ہم ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں، ہمیں انجام کا ڈر کیوں ہو، وہ انجام تم پر واقع ہو چکا ہے۔ تم دوزخ کی طرف جا رہے ہو، اور پیکر تسلیم بنے ہوئے ہو۔ اطاعت و نیاز مندی تمہاری حرکات سے ظاہر ہو رہی ہے۔

حاصل : حال پر تسلیم حق نفع بخش ہے۔ آخرت میں تسلیم حق کے علاوہ چارہ ہی نہیں ہو گا، اس لئے اس وقت حق کا ماننا نافع نہ ہو گا۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور ان کے بعضوں نے بعض کی طرف منہ کرتے ہوئے، پوچھنا شروع کیا۔

زبردست اور زیردست جب دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے، اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کے دعوے میں جھوٹے ثابت ہو جائیں گے، تو ان سے پوچھا جائے گا، تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کر رہے، تو وہ سر تسلیم خم کئے ہوئے ہوں گے۔ پھر وہ لوگ اپنے ماضی کے حوالے سے ایک دوسرے سے پوچھنے لگیں گے، اور سابقہ دوستی کا انجام دشمنی کی صورت میں ظاہر ہونے لگے گا۔

حاصل : جس دوستی کی بنا تقوے پر نہ ہو، اس کا انجام بھلا ہو ہی نہیں سکتا۔

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ کہنے لگے تم ہی تو تھے کہ ہم پر دائیں طرف سے آتے تھے۔

زیردست، زبردستوں سے کہیں گے کہ تم لوگ ہی تو ہماری گمراہی کا سبب بنے ہو۔ تم ہی تو تھے کہ ہم کو حق کی طرف آنے نہ دیتے تھے اور ہمیں استکبار میں مبتلا کر دیتے تھے۔

حاصل : حال پر دیکھنا چاہئے، ہمارے ساتھ دوستی کا دعویٰ کرنے والے ہمیں حق کو ماننے میں مدد دے رہے ہیں، یا ہماری خواہشات نفس کو ابھار رہے ہیں۔ مسلم اور مجرم کبھی مساوی نہیں ہوتے۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ جواب دیں گے، بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔

زیردستوں کو یہ جواب ان کی طرف سے دیا جائے گا، جو انہیں برائی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے دن ان سے کہیں گے، تم یہ الزام ہم پر نہ رکھو کہ ہم نے تمہیں ماننے سے روکا ہے بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔ تمہیں ہدایت کی طلب ہی نہ تھی۔

حاصل : برائی کی ترغیب دینے والے، اپنے پیروؤں کی بات کا جواب فوراً دیں گے، اور ان کے الزام کو رد کرتے ہوئے کہیں گے، تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ اور ہمارا تم پر کچھ قابو نہ تھا، بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔

برائی کی ترغیب دینے والے، اپنے پیروؤں سے یہ کہیں گے کہ ہمارا تم پر کچھ زور تو تھا نہیں۔ ہم نے تمہیں خلافِ حق کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ تمہارے اندر سرکشی موجود تھی۔ یہی سرکشی تمہیں ہمارے قریب لائی اور تم وہ کچھ کرتے رہے، جس کا انجام آج تمہارے سامنے ہے۔

حاصل : حق کے مقابل من مانی کرنا سرکشی ہے۔ سرکش کو کوئی برائی پر مجبور نہیں کرتا۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾ تو ہم پر ہمارے رب کی بات پوری ہوئی، ہمیں اس کا مزا چکھنا پڑے گا۔

شیطان کے اس دعوے کے بعد کہ وہ اللہ کے مخلص بندوں کے علاوہ سب کو گمراہ کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمایا گیا تھا کہ یقیناً تم سے اور تمہارا اتباع کرنے والوں سے جہنم کو بھردوں گا۔ برائی کی ترغیب دینے والے اس وقت یہ کہیں گے کہ ہمارے رب کی بات ہم پر پوری ہو چکی ہے، اور ہمیں ضرور جہنم کا عذاب ملے گا، کہ یہ اللہ کا فرمان ہے۔

حاصل : شیطان، انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اپنی پیروی کرنے والوں کو خسارے تک پہنچا کر حقیقت ان کے سامنے بیان کر دیتا ہے۔

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ اور ہم نے تمہیں گمراہ کیا جیسے خود گمراہ تھے۔

بھلائی سے منع کرنے والے اور برائی کا امر کرنے والے، قیامت کے دن، اپنی پیروی کرنے والوں سے یہ کہیں گے کہ ہم نے تمہیں گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ تھے۔ تمہیں گمراہی عزیز تھی تو تم نے ہمارے ساتھ تعلقات استوار کئے، اور ہم جس گمراہی میں پڑے تھے اسی کی طرف تمہیں بلاتے رہے۔

حاصل : جو ہمیں خواہشات کی پیروی کی ترغیب دیتا ہے، وہ گمراہ ہے اور گمراہی پھیلا رہا ہے۔ گمراہ کی پیروی سے صراطِ مستقیم نہ کسی کو ملا ہے نہ مل سکتا ہے۔

فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ تو وہ سب اس دن عذاب میں مشترک ہوں گے۔

بُرائی کی طرف بلانے والے اور ان کے پیروکار سب قیامت کے دن عذاب میں شریک ہوں گے۔ حیاتِ دنیا میں ان کا اشتراک خلافِ حق کرنے کے حوالے سے تھا، عذاب میں اشتراک جزا کے حوالے سے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری جزا دی جائے گی۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے حال پر اپنے اندر ایک اشتراک رکھتے ہیں، جزا کے وقت ان کو عذاب میں مشترک رکھا جائے گا۔ پوری پوری جزا دینے والا، مالک یوم الدین کسی پر ظلم تو کرتا ہی نہیں۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾

مجرمین کے ساتھ ہم ایسے ہی کرتے ہیں۔

مسلمین حق کو مانتے ہیں، مجرمین حق کے خلاف کرتے ہیں، حق کو ماننے والے اور حق کا انکار کرنے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ مجرمین کو ان کے اعمال کی جزا دیتے وقت سزا کے طور پر بھی اکٹھا رکھا جاتا ہے کہ یہ ان کے درجہ بدرجہ استکبار کا بدلہ ہے۔ مجرمین کو سزا میں اکٹھا رکھنا اللہ کا طریقہ ہے۔

حاصل : جرم ہمیشہ اپنی خواہش کی پیروی سے ہوتا ہے۔ خواہشات کا اشتراک مجرمین کو اکٹھا رکھتا ہے۔ جزا کے وقت اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں اکٹھا رکھتا ہے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾

بے شک جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ استکبار کرتے تھے۔

مجرمین کا حال بیان فرمایا گیا ہے، کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ لوگ غرور کرتے تھے اور اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے۔ اللہ کو معبود ماننے والے یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا خالق، اللہ ہے۔ اللہ نے ان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ان کو اللہ نے توفیق بھی دی ہے، مہلت بھی دی ہے اور وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے تو انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ مجرم نہ مقصدِ حیات کو مانتے ہیں، نہ عطائے الٰہی کو مانتے ہیں، نہ جزا کو مانتے ہیں۔

حاصل : جو اللہ کو معبود مانتا ہے وہ استکبار نہیں کرتا۔ جو شرک کرتا ہے وہ استکبار کا مرتکب ہوتا ہے۔ جرم کی ابتدا استکبار سے ہی ہوتی ہے۔

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ ﴿٣٦﴾

اور کہتے تھے کیا ہم ایک شاعر، مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو ترک کر دیں۔

استکبار کرنے والے یہ کہتے تھے، کہ دعوتِ حق کے نام سے جو کلام ہمیں سنایا جارہا ہے، یہ کلام بہت اچھا ہے، الفاظ بہت موزوں ہیں، باتیں ایک خاص انداز سے کی گئی ہیں، مگر ہیں یہ باتیں تصوراتی اور شاعر لوگ ایسی ہی تصوراتی زندگی کے نقشے کھینچتے رہتے ہیں، مجنون اس لئے ہیں کہ یہ اپنی ذاتی غرض کو کبھی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کے کہنے سے ہم اس طریق زندگی کو کیسے ترک کر دیں جس میں ہماری پسند کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جس میں ہمیں شان و شوکت نظر آتی ہے، اور یہ طریق زندگی ہماری شناخت ہے۔

حاصل : استکبار کرنے والے، دعوت حق دینے والے کو شاعر اور مجنون کہتے ہیں، اور اس طرح

اپنے طریق زندگی کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۷﴾ بلکہ وہ حق لے کر آئے اور مرسلین کی تصدیق فرمائی۔

علیم مطلق نے یہ سند نازل فرمائی ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق لے کر آئے ہیں۔ ماضی میں مرسلین اپنے اپنے حال پر ان کی بشارت دیتے رہے ہیں اور یہ حال پر مرسلین کی تصدیق کرتے ہیں۔ ماضی حال کی تصدیق کرے اور حال ماضی کی تصدیق کرے تو شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خاتم النبیین کو ماننا ہی پہلے انبیاء کرام کو ماننے کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ جو لوگ آپ کو شاعر اور مجنون کہہ کر استکبار کرتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیان کے حق ہونے کی شہادت دی ہے، اور آپ کے مقام کے بارے میں یہ شہادت دی ہے کہ یہ مرسلین کے مصدق ہیں۔

حاصل : خاتم النبیین کے بیان کو حق ماننا اور آپ کو مرسلین کا مصدق ماننا، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا جزو لازم ہے۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ بے شک تمہیں المناک عذاب پانا ہے۔

جو لوگ حق کو سن کر دعوتِ حق دینے والے کو شاعر اور مجنون کہہ دیتے ہیں، ان مجرموں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ ان کو المناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یقیناً ان کو ان کے کیے کی جزا ہی دی جائے گی۔ دعوت حق دینے والے کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے، اس کا انکار اللہ کا انکار ہوتا ہے۔ مجرم استکبار کرتے ہوئے اللہ کا انکار کرتا ہے، اور جرم اس کائنات میں استکبار سے ہی شروع ہوا ہے۔

حاصل : جرم کی ابتداء استکبار سے ہی ہوتی ہے۔ دعوتِ حق دینے والے کی شان میں گستاخی اس کی انتہا ہے، اور المناک عذاب اس کی سزا ہے۔

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اور تمہیں وہی جزا دی جائے گی جو عمل تم کرتے رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو توفیق دی ہے، مہلت دی ہے، شعور کے ساتھ حق اور ناحق میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا وقت دیا ہے۔ حق کو مانتے ہوئے جو سچے ثابت ہو جاتے ہیں وہ صادق ہیں جو جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں وہ کاذب ہیں۔ جزا ہر ایک کو وہی ملے گی جو عمل اس نے کیے ہوں گے۔

حاصل : ہمارے اعمال کو حق کے حوالے سے ہونا چاہئے اور اسوۂ حسنہ کے مطابق ہونا چاہئے، ورنہ

جزا کا یقین ہمارے اعمال سے ظاہر نہیں ہو گا۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ مگر جو اللہ کے مخلص بندے ہیں۔

جن بندوں کو اللہ مخلص ہونے کا مرتبہ عطا کرتا ہے، ان کی صفات کو دیکھنا چاہئے۔ وہ خلوت میں پاک رہتے ہیں، اور جہاں صرف اللہ ہی ان کو دیکھ رہا ہو، وہاں بھی حق کے مطابق رہتے ہیں۔ جلوت میں بھی پاک رہتے ہیں کہ ناصح سے محبت ان کو راہ راست پر رہنے کے لئے استقامت عطا کرتی ہے۔ ان کا قول پاک ہوتا ہے، ان کے اعمال صالح ہوتے ہیں۔ یہ اپنے علم سے اللہ کی مخلوق کو فیض یاب کرتے ہیں اور نتائج کو باذن اللہ مانتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت سے نوازا جائے گا۔ ان کی حسنِ نیت، ان کا حسن عمل، حق کی احسن ادائیگی کے بعد یہ نہ دیکھنا کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا ہے، ان کے مرتبے کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جس طرح نوازا جائے گا، وہ اللہ کی شان ہے۔

حاصل : اللہ کے مخلص بندوں کے ساتھ کو مقصود بنا لیا جائے، تو بہت آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال ہو جاتی ہے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ یہ لوگ ہیں جن کے لئے رزق معلوم ہو گا۔

مخلصین کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ انہیں جو رزق دیا جائے گا وہ ان کی پسند کے مطابق ہو گا، ان کے لئے نیا نہیں ہو گا اور ان کے اوقات ضرورت کو دیکھ کر دیا جائے گا۔ رزق معلوم، اللہ کے بندے کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔

حاصل : اللہ کے پاک بندوں کے لئے مفید چیزوں کا اہتمام کرنا چاہئے، اور ان کی پسند کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔

فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ میوے، اور وہ مکرّم ہوں گے۔

جو رزق مخلصین کو دیا جائے گا، اس کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ میوے ہوں گے، اور مخلصین کو جنت میں بڑی عزت نصیب ہوگی۔ تقوے کے مقام پر پورے رہنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہوں گے۔

حاصل : اللہ کی سنت یہی ہے جس کو میوہ دے اس کی عزت بھی کرتا ہے، ہمارا طریق زندگی بھی یہی ہونا چاہئے۔

فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ نعمت کے باغوں میں۔

مخلصین کا مستقر وہ باغ ہوں گے، جو نعمتوں سے پر ہوں گے۔ ان باغوں میں ان کو وہی ملے گا جو وہ چاہیں گے، اور جس قدر وہ چاہیں گے۔

حاصل : مخلصین کا مستقر بھی ان کی سہولت کے حوالے سے آراستہ ہو گا۔

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۴﴾ تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔

مخلصین کا باہمی تعلق حیات دنیا میں بھی ایسا ہوتا ہے، کہ وہ ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں، ایک دوسرے کو سکھ دیتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھ کر راحت پاتے ہیں، نعمت کے باغوں میں بھی وہ آمنے سامنے ہوں گے۔ ایک دوسرے سے بے پرواہی مخلصین کی طریقت نہیں ہے۔

حاصل : مخلصین پر اللہ کا فضل ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر راحت پاتے ہیں۔

یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍۭ ﴿۴۵﴾ شرابِ لطیف کے جام گردش میں ہوں گے۔

انسان کی بنائی ہوئی شراب میں منافع کم اور نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔ حقوق اللہ کی ادائیگی بھی مشکل ہو جاتی ہے، حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی توازن بگڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پینے کی نعمت عطا کی جائے گی، اس میں لطافت ہی لطافت ہو گی۔

حاصل : علیم مطلق کی عطا کی ہوئی پینے کی نعمت اپنی مثال آپ ہی ہو گی۔ اس میں کثافت تو ہو گی نہیں۔

بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۴۶﴾ شفاف اور پینے والوں کے لئے سراسر لذّت۔

اس مشروب کی صفات کا ذکر ہے جو اہل جنت کو پلایا جائے گا۔ وہ بالکل صاف، شفاف ہو گا۔ یہ لطافت کی انتہا ہے، کہ افادیت بھی بہت ہو اور گدلا پن نام کو بھی نہ ہو، پھر پینے والوں کے لئے وہ سراسر لذت ہو۔

حاصل : کسی مشروب کا شفاف اور لذیذ ہونا، اور مفید ہونا بڑی قابل قدر بات ہے۔

لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ نہ اس میں ضرر ہو گا اور نہ وہ اسے پی کر

بہکیں گے۔

مذکورہ مشروب میں کوئی خرابی نہ ہوگی، نہ اس کو پی کر سر چکرائے گا، اور نہ اس کو پی کر عقل معطل ہوگی۔ وہ مشروب جو جسمانی اذیت میں مبتلا کرے اور عقل کو معطل کرے وہ معاشرے میں فساد کی آبیاری کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے وہ حرام ہے۔

حاصل: مشروب بناتے وقت یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ وہ مضر نہ ہو اور اس سے اضمحلال نہ پیدا ہو۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

اور ان کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ رکھنے والیاں اور بڑی آنکھوں والیاں۔

عورت مرد کے جوڑے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس تعلق میں اللہ نے بڑی راحت رکھی ہے۔ عورت کے حیادار ہونے کی نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں، کہ اس کی نگاہ نیچی ہو اور وہ اپنی حفاظت کو ملحوظ رکھے ہر مقام پر۔

حاصل: پاکیزگی کی قدر کرنی چاہئے۔ عورتیں نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی حفاظت پر نظر رکھیں تو یہ ان کے حیادار ہونے کی سند ہے۔

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

گویا وہ انڈے ہیں چھپا کر رکھے ہوئے۔

ان عورتوں کی پاکیزگی کو روشن کرنے کے لئے یہ تشبیہ دی گئی ہے، کہ وہ انڈوں کی طرح نازک ہیں، اور اس قدر محفوظ رکھی گئی ہیں جیسے انڈوں کو محفوظ رکھا جائے، جو ان کی سلامتی کا تقاضا ہوتا ہے۔

حاصل: بچیوں کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظامات کرنے چاہئیں کہ یہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کلام کریں گے۔

اس ماحول کو بیان فرمانے کے بعد جو انعامات الٰہی کی صورت سے جنت میں ہوگا یہ بتایا گیا ہے کہ جنتی حضرات اس کیف و سرور میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کلام کریں گے۔ یہ کلام ماضی کے حوالے سے ہوگا، اور اظہار بندگی کے لئے ہوگا۔

حاصل : کیف و سرور کے انتہائی بلند مقام پر بھی پاک لوگوں کی جسمانی زبان اور کلام دیدنی ہوتا ہے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ اِنِّیۡ كَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ ﴿۵۱﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا، میرا ایک ساتھی ہوتا تھا۔

ماضی کو بیان کرنا اپنے تجربات و مشاہدات کے حوالے سے ہو اور اظہار بندگی کے لئے ہو تو سامعین کو اس سے راحت ملتی ہے۔ پاک لوگوں کی مجلس میں ایک بولتا ہے باقی سنتے ہیں۔

حاصل : پاک لوگوں کی مجلس میں ایک بولتا ہے باقی سنتے ہیں، بات اظہار بندگی کے لئے ہوتی ہے۔

یَّقُوۡلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الۡمُصَدِّقِیۡنَ ﴿۵۲﴾ جو کہا کرتا تھا، کیا تم بھی تصدیق کرنے والوں سے ہو۔

وہ ساتھی مجھے کہا کرتا تھا، کیا تم بھی ان لوگوں میں شمار ہو، جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں، کہ بعث بعد الموت یقیناً ہو گی۔ وہ ساتھی آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے مجھے بےوقوف کہتے ہوئے ملامت کرتا تھا، اور میرے عقیدے کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

حاصل : اچھی بات کی یہ صفات ہیں، کہ وہ سننے والوں کے فہم کے حوالے سے پوری ہوتی ہے، مختصر ہوتی ہے اور اس میں کوئی ابہام نہیں ہوتا۔

ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیۡنُوۡنَ ﴿۵۳﴾ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو گئے، تو ہم کو جزا ملے گی۔

وہ ساتھی میرے عقیدے کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہا کرتا تھا، کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو ہم کو اٹھایا جائے گا اور ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ وہ اس کو ناممکن کہتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا تھا۔

حاصل : جس نے پہلے نہ ہونے سے ہونا بنایا ہے، اس کے لئے دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہو سکتا۔ جزا کا انکار ہو تو برائی کا ارتکاب ممکن ہوتا ہے۔

قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ﴿۵۴﴾ کہا کیا آپ جھانک کر دیکھیں گے۔

اس ساتھی کے عقیدے کا ذکر کرنے کے بعد اس کے انجام کو دیکھنے میں اہل جنت کی پسند کے بارے میں پوچھنا، بڑے ادب کی بات ہے۔

حاصل : پاک لوگوں سے بات کرتے وقت ان کی پسند کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ پھر جھانکا تو اُسے جہنم کے بیچوں بیچ دیکھا۔

اہل جنت کو اس شرف سے بھی نوازا جائے گا، کہ وہ جو کچھ دیکھنا چاہیں گے، انہیں دکھا دیا جائے گا اور اس میں کوئی مشقت بھی نہیں ہوگی۔ جس ساتھی کو وہ منکر جزا کے طور پر یاد کر رہے تھے اس کے انجام کو اس طرح دیکھیں گے کہ وہ انہیں دوزخ کے بیچوں بیچ نظر آئے گا۔

حاصل : اہل جنت اپنے جس سابقہ ساتھی کے انجام کو دیکھنا چاہیں گے، وہ انہیں دکھا دیا جائے گا۔

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾ کہا اللہ کی قسم تم تو مجھے بھی گڑھے میں ڈالنے لگے تھے۔

جو صاحب اپنے سابقہ منکر جزا ساتھی کا ذکر کر رہے تھے، وہ اس ساتھی کو دوزخ کے بیچوں بیچ دیکھ کر اس سے مخاطب ہوئے، اور کہا۔ اللہ کی قسم تم تو مجھے بھی دوزخ میں گرانے لگے تھے۔ تمہارا رخ درست نہیں تھا اور تم مجھے بھی من مانی کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ تمہاری بات ماننے کی صورت میں میرا انجام بھی یہی ہوتا جو تمہارا ہوا ہے۔

حاصل : اہل جنت اپنی بات کو جہاں پہنچانا چاہیں گے، پہنچا سکیں گے۔ من مانی کرنے کا نتیجہ جہنم ہی ہوگا۔

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اور اگر میرے رب کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی پکڑ کر حاضر کئے گئے لوگوں سے ہوتا۔

اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دیتا ہے۔ جو اس کی طرف رجوع لائے۔ رجوع لانے کی صورت یہ ہے، کہ اس کا اتباع کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے سے تعلق کا استوار ہونا اللہ کی نعمت ہے۔ اس نعمت ربی

کی بدولت ایمان قلب میں داخل ہوتا ہے، اور کفر، فسوق اور عصیان سے کراہت ہو جاتی ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر کی صورت سے مرے وہ مجرم ہوتا ہے، اور مجرم پکڑ کر حاضر کیا جاتا ہے۔

حاصل : پاک لوگ اپنے حال کو نعمت ربّی کی بدولت جانتے ہیں اور کہتے ہیں اگر میرے ربّ کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی پکڑا جاتا۔

أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ﴿۵۸﴾ تو کیا ہمیں موت نہیں ہو گی۔

یہ جنّتی حضرات کے کلمات مسرت ہیں۔ انہیں یقین ہو گا، کہ حیاتِ آخرت کے بعد کوئی مقام نہیں، مگر وہ دائمی راحت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، یہ کہیں گے، کیا اب ہمیں موت نہیں ہو گی۔

حاصل : مسرت کا اظہار ایسے سوال سے بھی ہوتا ہے، جس کے جواب کا بالکل یقین ہوتا ہے۔

إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۵۹﴾ مگر موت جو ہو چکی اور ہمیں عذاب نہیں ہو گا۔

خوشی کے اظہار کے لئے یہ کلمات ادا کئے جائیں گے، کہ موت تو ایک بار ہو چکی ہے، اب کبھی نہ ہو گی، اور اب جنّتیوں کو کبھی دکھ نہیں پہنچے گا، وہ ہمیشہ سکھی رہیں گے۔ جزا کا یقین رکھتے ہوئے عمل کرنے کا صلہ دائمی انعامات کی صورت میں ملے گا۔

حاصل : موت اور دکھ سے نجات کا یقین، خوشی کے اظہار میں سند کا درجہ رکھتا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۶۰﴾ بے شک یہی عظیم کامیابی ہے۔

عظیم کامیابی یہ ہے کہ فانی اشیاء کے رضائے الٰہی کے مطابق استعمال کرنے کی جزا دائمی راحت ہو گی۔

حاصل : دائمی راحت عظیم کامیابی ہے۔

لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ﴿۶۱﴾ عمل کرنے والوں کو اسی کے لئے عمل کرنا چاہئے۔

عمل اگر حق کے مطابق نہ ہو تو خلاف حق ضرور ہوتا ہے، نتیجہ بہرحال باذن اللہ ہوتا ہے۔ فانی اشیاء کو استعمال کرنے کی

دو صورتیں ہیں : ایک نفس کی خواہش کے مطابق ہے، دوسری حق کے مطابق ہے۔ خلاف حق کرنے میں صریحاً خسارہ ہے۔ حق کی ادائیگی میں عظیم کامیابی ہے۔ عقل کے ساتھ عمل کرنے والوں کو عظیم کامیابی کے لئے ہی عمل کرنا چاہیئے۔

حاصل : عقل کی موجودگی میں عظیم کامیابی کے لئے ہی عمل کرنا چاہیئے۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ تو یہ ضیافت بہتر ہے یا شجر زقوم۔

مذکورہ ضیافت اہل جنّت کے لئے ہے اور ان کے صالح اعمال کا صلہ ہے۔ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے نوازا ہے، یہ عظیم کامیابی ہے۔ اعمال کی جزا تو بہرحال ہوتی ہے۔ جو خلاف حق کریں گے ان کی جزا زقوم کا درخت ہے۔ یہ گناہ گاروں کا طعام ہے۔ یہ ذائقے کے لحاظ سے بھی تکلیف دہ ہے، یہ اثرات کے لحاظ سے بھی تکلیف دہ ہے اور پھر اس غذا کا تسلسل کس قدر تکلیف دہ ہو گا، اللہ کی پناہ۔

حاصل : دیکھنا چاہیئے ہم اپنے اعمال کے اعتبار سے کس ضیافت کے مستحق ہیں۔ رخ کو درست کرنے کا وقت صرف حال ہے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ بے شک ہم نے اسے ظالمین کے لئے فتنہ ٹھہرایا ہے۔

آخرت کا انکار کرنے والے ظالمین ہیں، اور شجر زقوم کی دوزخ میں موجودگی ان کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔ وہ آگ میں شجر کی موجودگی کو ناممکن کہتے ہوئے اس بات کا مذاق اڑاتے ہیں۔

حاصل : وہی بات جس کو ایمان والے حق مانتے ہیں، کبھی ظالمین کے لئے فتنہ بن جاتی ہے۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ بے شک وہ ایک شجر ہے کہ دوزخ کے پیندے سے نکلتا ہے۔

شجر زقّوم کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک درخت ہے، کہ وہ دوزخ کے پیندے سے نکلتا ہے۔ اس درخت کے لئے مناسب ماحول، مناسب درجہ حرارت اور مناسب نمی کا اللہ تعالیٰ نے ایسا معیار رکھا ہے کہ وہ پیدا ہی دوزخ کے پیندے میں ہو سکتا ہے۔ یہ خالق کل کی شان ہے، کوئی دوسرا یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا۔

حاصل : خالق کل ہی کسی شجر کے لئے مناسب ماحول، مناسب نمی اور مناسب درجہ حرارت کو جانتا ہے۔

طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۶۵﴾

اس کا خوشہ شیاطین کے سروں کی طرح ہے۔

شجر زقوم کے خوشے کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ شیاطین کے سروں کی طرح ہے، جس کا دیکھنا ہی طبعی طور پر سخت ناگوار ہو گا۔

حاصل : کریہہ النظر شے کو اسی طرح تشبیہ دینی چاہئے۔

فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۶۶﴾

تو وہ اس میں سے کھائیں گے پھر وہ اسی سے پیٹ بھریں گے۔

زقوم کا کھانا، جہنمی لوگوں کی مجبوری ہو گی۔ حالت اضطرار کی ہو گی اور کھانے کو صرف زقوم ہو گا۔ اس کھانے کی صفت یہ ہو گی کہ یہ پیٹ میں کھولے گا جیسے پگھلا ہوا تانبا۔ یہ کھانا بذاتِ خود ایک عذاب ہو گا۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے مجرم ہیں۔ جہنم میں ان کو وہ کھانا دیا جائے گا، جو بذات خود ایک عذاب ہو گا۔

ثُمَّ اِنَّ لَهُمۡ عَلَيۡهَا لَشَوۡبًا مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۶۷﴾

پھر اس کے اوپر وہ گرم بدبودار پانی پیئیں گے۔

زقوم کھانے کے بعد پیاس کی شدت ہو گی، اور اس پیاس کو بجھانے کے لئے انہیں وہ پانی دیا جائے گا، جو بہت گرم ہو گا اور بدبودار ہو گا۔ اس قدر تکلیف دہ مشروب کا اثر یہ ہو گا، کہ انتڑیاں کٹ کٹ کر باہر آنے لگیں گی۔

حاصل : انتڑیوں کی جلن میں گرم مشروب سے تکلیف کی شدت بڑھ جاتی ہے۔

ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِلَى الۡجَحِيۡمِ ﴿۶۸﴾

پھر ان کی مراجعت دوزخ کی طرف ہو گی۔

مذکورہ کھانے اور پینے کے بعد ان کو جہنم کی طرف لوٹنا ہو گا۔ یہ عذاب دوزخیوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے ہو گا۔ ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا، کہ ظلم کرنا اللہ کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ ہی کسی کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے سکتا ہے۔

حاصل : آگ کی سزا دینا، اللہ کا کام ہے کہ کسی برائی کی سزا کیسی اور کتنی آگ ہے، یہ اللہ ہی

جانتا ہے۔

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ بے شک انہوں نے اپنے آباء کو گمراہ پایا۔

منکرین حق کے آباء واجداد راہ راست پر نہیں ہوتے۔ وہ طلب ہدایت نہیں رکھتے۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے گمراہ ہی ہوتے ہیں، اور یہ بات منکرین حق کے مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ ان کے آباء اپنی پسند کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے۔

حاصل : اگر آباء واجداد اپنی خواہشات کی پیروی میں ہی مگن ہوں تو ان کے گمراہ ہونے میں شک نہیں رہتا۔

فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ تو وہ انہی کے آثار پر دوڑے چلے جاتے ہیں۔

منکرین حق کو کہا جاتا ہے، اس کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، تو کہتے ہیں ہم اس کا اتباع کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا۔ آباء کے حق پر ہونے کی سند موجود نہ ہو، اور ان کی پیروی بھی ہوتی رہے تو یہ اندھی تقلید باعثِ عذاب ہی ہو سکتی ہے۔

حاصل : اپنے آباء کے آثار کو معیار جاننا اور ان کے نقوش قدم پر دوڑے چلے جانا اور اپنے آباء کے حق پر ہونے کی سند کو نہ دیکھنا، گمراہ لوگوں کا طریق زندگی ہے۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾ اور ان سے قبل بھی اوّلین میں اکثر گمراہ ہوئے۔

اوّلین میں حق کو ماننے والے بھی ہوئے ہیں، حق کا انکار کرنے والے بھی ہوئے ہیں۔ اکثریت خلاف حق کرنے والوں کی ہی رہی ہے۔ شکر گزار بندے قلیل ہی تھے۔ اس لئے اوّلین بذات خود کوئی معیار نہیں ہو سکتے۔

حاصل : اوّلین کی طریقت اسی صورت میں سند کا درجہ رکھتی ہے جب وہ صراطِ مستقیم پر ہونے کی شہادت رکھتے ہوں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ اور بے شک ہم نے ان میں ڈر سنانے

والے بھیجے۔

اللہ تعالیٰ علیم مطلق ہے۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے نتائج سے ضرور آگاہی دیتا ہے۔ ڈر سنانے والے ہمیشہ لوگوں کو ان کی زبان میں ٹھیک ٹھیک ان کے انجام سے آگاہ کرتے رہے ہیں، اور سلامتی کی راہ دکھاتے رہے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی قوم میں ڈر سنانے والے نہ آئے ہوں اور اس قوم پر عذاب الٰہی آجائے۔

حاصل : ڈر سنانے والے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے رہے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی قوم اپنے انجام سے آگاہ نہ ہو اور وہ عذاب میں پکڑلی جائے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ تو نظر کرو ان کی عاقبت کیسی ہوئی جن کو ڈر سنایا گیا۔

جن لوگوں کو خلافِ حق کرنے کے انجام سے ڈرایا گیا اور انہوں نے اپنے آباء واجداد کی روش کو چھوڑنے سے انکار کیا، وہ ہمیشہ عذاب الٰہی کی پکڑ میں آتے رہے۔ اللہ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ اپنا کچھ بھی دفاع نہ کرسکے۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ وہ اصلاح کو حال پر قبول نہ کریں تو ان کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔

۵۲ ع اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ع سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔

اللہ کے مخلص بندے ناصحین سے محبت رکھتے ہیں، شیطان انہیں بہکا نہیں سکتا۔ انہیں شاہد سے محبت ہوتی ہے۔ وہ شاہد کے قول پر اپنے قول کو نثار کر دیتے ہیں، اس طرح ان کا قول پاک ہو جاتا ہے۔ شاہد کے حسن عمل کو دیکھ کر ناقص اعمال کو ترک کرتے جاتے ہیں، اس طرح ان کے اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ جس علم سے یہ فیض یاب ہوتے ہیں وہ علم، طلب گاروں کو آسانی کے ساتھ عطا کرتے ہیں۔ ان پاک لوگوں کو اخلاص کی بارش سے نوازا جاتا ہے۔ ان ہی کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا رہا ہے۔

حاصل : اللہ کے عباد مخلصین میں شمار ہونا فلاح دارین کے حصول کی سند ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر (59) میں فرمایا ہے

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

شیطان کی مثال جب اس نے انسان سے کہا کفر کر پھر جب اس نے کفر کیا، کہنے لگا میں تجھ سے الگ ہوں، میں اللہ سے خائف ہوں جو ربّ العالمین ہے۔ تو ان دونوں کی عاقبت یہ ہوئی کہ وہ دونوں آگ میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور ظالمین کی یہی جزا ہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور نوح (علیہ السلام) نے ہمیں ندا دی، تو ہم کیا اچھے مجیب ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ربّ کو پکارتے ہوئے گزارش کی تھی کہ ان کافروں کا ایک گھر بھی زمین پر نہ چھوڑ، ان کی اولاد بھی فاجر و کافر ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی ندا کو قوم کے حال پر شہادت مان لیا تو پھر آپ کی پکار کو جو اہمیت دی، وہ تاقیامت لوگوں کے لئے اپنے اندر درس عبرت لئے ہوئے ہے۔ منکرین حق غرق کر دیئے گئے اور اللہ کے مقابل کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا۔

حاصل : جس کی بات حق ہو، اس کی گواہی اللہ کے نزدیک سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اللہ سے بہتر مدد دینے والا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے آپ کو اور آپ کے اہل کو کربِ عظیم سے نجات دی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو ایک بڑے دن کے عذاب سے بارہا آگاہ کیا تھا۔ منکرین حق آپ کا مذاق اڑاتے رہے، حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام حکم الٰہی کے مطابق ان جانوروں کو سنبھالنے لگے جو اللہ نے آپ کے پاس بھیجے۔ حیوانات ہر قسم، طیور ہر قسم اور کیڑے مکوڑے جو بھی اللہ نے زینت زمین کے لئے محفوظ رکھنے تھے ان کو پہلے محفوظ کیا گیا، پھر صالح عمل کرنے والے لوگوں کو کشتی میں بٹھایا گیا۔ جن لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام سے محبت تھی، یہی آپ کے اہل تھے۔ پاک لوگوں کی معیت کے لئے معیار یہی رہا ہے کہ ان سے محبت ہو تو خلوت و جلوت میں ان کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اور آپ کے اہل کو اللہ نے اس کربِ عظیم سے نجات دی، جس نے بصورت طوفان منکرین حق کو مٹا کر رکھ دیا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مدد دی جاتی ہے، وہ ہر لحاظ سے پوری ہوتی ہے اور حال کے مطابق ہوتی ہے، کہ علیم مطلق ہی سب سے بڑی مدد دے سکتا ہے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور ہم نے آپ کی ذریت کو ہی باقی رہنے والا ٹھہرایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد اور آپ کے ساتھی جو آپ سے محبت رکھتے تھے، وہی باقی رہنے والے ہوئے اور منکرین حق کا نشان مٹ گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہیں، کہ ان ہی سے نسل انسانی دوبارہ شروع ہوئی۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہو جائے تو مغلوب کے غالب ہونے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اللہ نے مومنین کی نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اللہ جس کا مددگار ہو وہی باقی رہنے والا ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کی نصرت حاصل ہو تو اولاد میں کام جاری رہتا ہے، نام باقی رہتا ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ اور پچھلوں کو ان کے طریقے پر رکھا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے مکذبین حق کے جواب میں جس طرح صبر کا مظاہرہ کیا وہ اتنا بڑا معیار ہے، کہ قیامت تک طلب حق رکھنے والے اس سے فیض یاب ہوتے رہیں گے، قیامت تک استقامت کے ساتھ حق کی احسن ادائیگی کرنے والے آپ کی زندگی کو مانتے رہیں گے۔

حاصل : اللہ کے نزدیک حضرت نوح علیہ السلام کا طریقِ زندگی پیچھے آنے والوں کے لئے معیار ہے۔ پاک لوگ اس معیار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ سلام ہو نوح پر عالمین میں۔

حضرت نوح علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام، بندے کی قدر و منزلت کے حوالے سے بڑا بلند مقام ہے۔ عالمین میں جہاں جہاں ربّ کو ماننے والے ہیں اور ہوں گے، وہ حضرت نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور آپ پر سلام بھیجتے رہیں گے، کہ حق کی تکذیب کرنے والوں کی تکلیف دہ باتوں پر آپ صدیوں صبر کرتے رہے، اور اللہ کی رضا کے لئے جو کچھ آپ کو کرنا چاہئے تھا، اس کا تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا، تا آنکہ اس قوم کو عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو گئی۔

حاصل : مخالفین حق کے ساتھ صبر کا رویہ رکھنے والا جہاں بھی ہو، لازم ہے کہ وہ حضرت نوح پر سلام بھیجے۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ بے شک محسنین کو ہم ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر و منزلت سے نوازا گیا، وہ ان کے محسن ہونے کی جزا ہے، اور محسنین کو ایسی ہی جزا سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ کی سنت یہی رہی ہے۔ محسنین، منکرین حق کی باتوں کو سن کر صبر کرتے ہوئے وہ کچھ پہنچاتے رہتے ہیں، جس کے پہنچانے کا ان پر حق عائد ہوتا ہے۔

حاصل : محسنین اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کرتے ہیں، اور اللہ کے شکر گزار بھی ہوتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۱﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں سے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن ہونے کی اور مومنین سے ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ آپ کے بارے میں بات کرنے سے پہلے آپ کے اس مرتبے کو دیکھنا ضروری ہے۔ آپ کے بارے میں کوئی ایسی بات کرنا جو مومن کی شان کے لائق نہیں ہوتی قطعاً خلاف حق ہوگی۔

حاصل : احسان کرنے والے ہی مومنین کی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ مومن کے مرتبے کو ملحوظ رکھ کر اس کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔

ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ ﴿۸۲﴾ پھر ہم نے آخرین کو غرق کر دیا۔

جو مومن تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے، وہ طوفان سے نجات پانے والے ہوئے۔ جو ان کے خلاف تھے وہ سب غرق کر دیئے گئے۔ گمراہی، اللہ کے پاک بندوں کی تکذیب سے شروع ہوتی ہے، مکذبین کی ہلاکت ہی اس کا انجام ہوا کرتا ہے۔

حاصل : حق کی مخالفت راہ ہلاکت ہے۔ جو اس راہ کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم کرتا ہے۔

وَاِنَّ مِنۡ شِيۡعَتِهٖ لَاِبۡرٰهِيۡمَ ﴿۸۳﴾ اور بے شک آپ ہی کے زمرے سے ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی وہی طریقت اپنائی جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنائی تھی : منکرینِ حق کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے معاملہ کرنا، ان کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرنا اور نتائج کو باذن اللہ جانتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی معیت میں رہنا۔

حاصل : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت مبارک حضرت نوح علیہ السلام کی سیرت مبارک سے بڑا تعلق رکھتی ہے۔

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾

جب قلبِ سلیم کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ جن کو تم پوجتے ہو، یہ تمہارے نفع وضرر پر قادر نہیں ہیں۔ یہ تو کچھ بھی کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ خالق کل نے ہی سب کچھ بنایا ہے۔ ارض وسماوات کا پیدا کرنے والا ہی رب العالمین ہے۔ وہی سب کو پال رہا ہے۔ میں صرف اسی کی طرف یکسوئی کے ساتھ لگتا ہوں۔ شرک سے میں ہمیشہ بیزاری کا اظہار کروں گا۔ یک سوئی صاحب قلب سلیم کی شان ہے۔ رجوع الی اللہ ہونے کا دعویٰ ہو تو قلب سلیم سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

حاصل : اپنے رب کے حضور قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہونے کی سعادت حاصل کرنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾

جب آپ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، آپ لوگ کس کی عبادت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو بت پرستی کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا، آپ لوگ کس کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کا جواب تھا : ہم نے اپنے آباء کو ان بتوں کی عبادت کرتے پایا ہے، اس لئے ہم بھی ان کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا، یہ تو صریحاً گمراہی ہے۔ اگر آباء کے راہ راست پر ہونے کی سند موجود نہ ہو تو ان کی پیروی سے فلاح کا حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔

حاصل : مشرکین سے پوچھنا چاہئے تم کس کی عبادت کرتے ہو تاکہ ان کا دعویٰ سامنے آئے۔

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾

کیا اللہ کے مقابل من گھڑت معبودوں کے طالب ہو۔

جب قوم نے اپنے من گھڑت معبودوں کی عبادت کا دعویٰ کیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا : کیا اللہ کے مقابل تم اپنی پسند کے معبود بنانا چاہتے ہو۔ تم جس کو اپنی پسند سے معبود بناؤ گے وہ تمہارا مالک نہیں ہو سکتا۔ تم اپنے بنائے ہوؤں کو مانتے ہو، اپنے بنانے والے کو نہیں مانتے۔

حاصل : حق کے مقابل جو اپنی تجویز رکھتا ہے وہ اپنا من گھڑت معبود بنانا چاہتا ہے۔

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ رب العالمین کے بارے میں تمہارا ظن ہے کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ پوچھا کہ رب العالمین کے بارے میں تمہارا گمان ہے کیا، یہ معلوم ہونا چاہئے۔ یقیناً وہ گمان درست نہیں ہے، ورنہ من مانی کرنے کا راستہ تو بن ہی نہیں سکتا، اور آپ لوگوں نے من مانی کرتے ہوئے اپنے معبود گھڑ لئے ہیں۔ عالمین کو پالنے والا کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وہی ہر ایک مخلوق کی ضروریات کو جانتا ہے اور وہی ہر ایک کو اپنے علم سے پالتا ہے۔

حاصل : منکرین حق سے یہ پوچھنا چاہئے کہ رب العالمین کے بارے میں تمہارا گمان ہے کیا۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ پھر آپ نے ایک نظر ستاروں پر ڈالی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے علماء سے پوچھا تھا کہ رب العالمین کے بارے میں تمہارا گمان ہے کیا۔ اس کے جواب میں ان لوگوں نے جو کچھ بھی کہا وہ قطعاً بے سند باتیں تھیں۔ ایسی بے استدلال باتیں سننے کی ایک حد ہوتی ہے۔ سنانے والوں کو یہ احساس دلانے کے لئے کہ آپ نے اس بیان کو بہت طویل کر دیا ہے اور آپ وہ ثابت نہیں کر سکے، جو آپ ثابت کرنا چاہتے تھے، آپ نے وقت کو دیکھنے کے لئے ستاروں پر نظر ڈالی۔

حاصل : جس کا بیان تکلیف دہ حد تک طویل ہو جائے اس کو اس کا احساس دلانے کے لئے وقت کا دیکھنا بھی ایک طریقہ ہے۔

فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ تو کہا میں مضمحل ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے اس گمان کو جو رب العالمین کے بارے میں رکھتی تھی، سنا اور ان کی بات کے لاحاصل ہونے کا اظہار وقت کو دیکھ کر کیا، اور یہ کہا کہ میں تھک چکا ہوں، آپ لوگ اپنے عقیدے کے درست ہونے کو ثابت نہیں کر سکے۔

حاصل : کسی بیان کی طوالت کا احساس دلانے کے باوجود اگر سنانے والے اس کو ختم نہ کریں، تو پھر یہ کہنا چاہئے کہ میں مضمحل ہو گیا ہوں۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ تو وہ آپ سے پیٹھ دے کر چلے گئے۔

قوم نے اپنے عقیدے کو درست ثابت کرنے کی بہت کوشش کی مگر حق کے سامنے باطل کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ وہ

لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس حالت میں چھوڑ کر چلے گئے کہ وہ ان کی باتوں کو سنتے سنتے تھک گئے تھے۔

حاصل : منکرین حق اپنے دعوے کو ثابت نہ کر سکیں تو وہ اس کو غلط ماننے پر تیار نہیں ہوتے. ایسی صورت میں وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٩١﴾ پھر ان کے معبودوں کی طرف جا پہنچے اور کہا آپ کھاتے کیوں نہیں۔

عبادت خانہ، اجتماعی ضرورت کے لئے بنایا جاتا ہے. اس لئے وہاں قیام کی اجازت لینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خدمت گاروں کا کام عبادت خانے کو عبادت کرنے والوں کے لئے ساز گار رکھنا ہی ہوتا ہے. کسی کی عبادت میں مخل ہونا ان کا کام نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کے پاس اس وقت پہنچے جب اللہ کے سوا انہیں وہاں کوئی دیکھ نہیں رہا تھا۔ آپ نے بتوں کے سامنے لوگوں کی نذریں پڑی دیکھیں تو بتوں سے مخاطب ہو کر کہا، یہ کھانے کی مرغوب چیزیں آپ کے سامنے رکھی ہیں تو آپ کھاتے کیوں نہیں۔ کھانے کی چیزیں، کھانے کے لئے پیش کی گئی ہوں اور جن کو پیش کی گئی ہوں ان کی قدرت کو بڑھا کر بیان کیا جاتا ہو تو ان سے یہ پوچھنا برمحل ہے کہ کھاتے کیوں نہیں۔

حاصل : حضرت ابراہیم علیہ السلام بتوں کے پاس اس وقت پہنچے جب اللہ کے سوا انہیں کسی نے دیکھا نہیں۔ بتوں سے سوال کرنا ان کے بارے میں لوگوں کے عقائد کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لئے تھا۔

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿٩٢﴾ تمہیں کیا ہے کہ نطق نہیں کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یہ کہا کہ تم بولتے ہی نہیں۔ تمہارے متعلق تمہارے ماننے والے کیسی کیسی باتیں بناتے رہتے ہیں اور تم کچھ کھاتے بھی نہیں کچھ پوچھا جائے تو جواب بھی نہیں دیتے۔

حاصل : کسی عقیدے کو جانچنے کے لئے، متعلقہ سوال حقائق پر مبنی ہونے چاہئیں۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿٩٣﴾ پھر گھسے ان پر دائیں ہاتھ سے ضربیں لگاتے ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو توڑنے کے لئے جنہیں اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا تھا، ان پر بھرپور ہاتھ مارا اور انہیں توڑ دیا۔ منشاء یہ تھا کہ لوگ اپنے معبودوں کو اس حالت میں بھی دیکھیں اور اس نتیجے پر پہنچیں کہ جو اپنی حفاظت بھی نہیں کر پائے وہ کسی کے کیا کام آسکتے ہیں۔

حاصل : بت شکنی لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لئے تھی کہ ان کے گھڑے ہوئے معبود کوئی قدرت نہیں رکھتے۔

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾

تو لوگ آپ کی طرف دوڑ کر آئے گھبرائے ہوئے۔

جب لوگ معبد میں آئے اور بتوں کو ٹوٹا ہوا پایا، تو وہ بہت پریشان ہوئے، اور کہا، جس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے اس نے بڑی زیادتی کی ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہتے ہیں بتوں کی بُرائی کرتے سنا ہے۔ حکم دینے والوں نے حکم دیا، لاؤ اسے لوگوں کے سامنے کہ لوگ اس پر گواہی دیں۔ تو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف دوڑ پڑے، کہ انہیں فیصلہ کرنے والوں کے سامنے پیش کرنے کا شرف حاصل کریں۔

حاصل : کھوج لگانے کے لئے اس واقعہ سے پہلے کی کڑیوں کو ملانا ضروری ہوتا ہے، پھر غالب امکان کی طرف بڑھنا چاہئے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾

فرمایا، کیا تم اپنے ہاتھوں تراشے ہوؤں کی عبادت کرتے ہو۔

لوگ جب دوڑے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو ان کا اس طرح آنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توقع کے مطابق تھا۔ آپ اس صورت حال میں اپنا حق ادا کرنے کے لئے تیار تھے۔ پوچھا گیا، کیا آپ نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ فعل کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا : اس نے یہ فعل کیا ہے، جسے تم نے ان کی بُرائی کرتے سنا ہے، ان کے بڑے سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔ قوم کے بڑوں نے کہا، یہ بولتے تو نہیں۔ آپ نے فرمایا : کیا تم اپنے تراشے ہوؤں کو مانتے ہو۔ کیا تمہارا معبود تمہارا بنایا ہوا ہونا چاہئے۔ تمہارے بنانے والے کے مقابل ان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ تو اپنی حفاظت کرنے پر بھی قادر نہیں ہیں، تمہارا کیا سنوار سکتے ہیں۔

حاصل : اپنی تخلیق کو اپنے خالق کے مقابل کبھی اہمیت نہیں دینی چاہئے، یہ بڑی بے عقلی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اللہ ہی نے تم کو اور جن چیزوں کو تم کام میں لاتے ہو خلق کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا : اللہ ہی نے تم لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ ان بتوں کے خالق، اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ وہ چیزیں جن پر عمل کر کے تم ان کو معبود ٹھہرا لیتے ہو وہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ خالق کل تو اللہ ہی ہے، ان مورتوں کا

مقام اللہ کے سامنے کچھ بھی تو نہیں۔

حاصل : خالق کل نہ ہونے سے، ہونا بنا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا قطعاً خلاف حق ہے۔

قَالُوا ابْنُوا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

کہنے لگے اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ میں جھونک دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک کلام کے مقابل خود کو لاجواب پاتے ہوئے، قوم کے بڑے لوگوں نے یہ کہا کہ اپنے معبودوں کی مدد کرنی ضروری ہے، اور گستاخی کی سزا یہی ہونی چاہئے کہ ان کو آگ میں جھونک دیا جائے۔ اس آگ کے لئے جگہ بھی مخصوص ہو اور وہ ہماری زندگی کے دوسرے معمولات پر اثر انداز بھی نہ ہو، اس کے لئے موزوں عمارت بنالی جائے۔

حاصل : منکرینِ حق اپنے عقیدے کے مخالفین کو اتنی بڑی سزا دینا چاہتے ہیں، کہ آئندہ کوئی وہ رُخ اختیار نہ کرے۔

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

تو انہوں نے آپ کے ساتھ بُرا داؤ چلنے کا ارادہ کیا، تو ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔

قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا بڑا بندوبست کیا۔ پوری قوم کے جذبات آگ کی شکل اختیار کر جائیں تو وہ آگ کتنی بڑی ہو سکتی تھی یہ بالکل واضح ہے۔ اس آگ میں ڈالنے کے بعد منکرینِ حق کو ہی خسارہ ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو سلامتی عطا ہوئی اور بُرا داؤ چلنے والے خسارے میں پڑے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کے سامنے کوئی داؤ نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نتائج پر قادر ہے۔

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾

اور پکارے ہیں، اپنے رب کی طرف چلتا ہوں وہ جلدی مجھے راستہ دکھا دے گا۔

قوم کے خسارے میں مبتلا ہو جانے کے بعد آپ نے وہاں سے چلنے کا فیصلہ کیا، اور یہ اعلان کیا کہ میں اپنے رب کی طرف چلتا ہوں، اسی کی رضا مجھے مطلوب ہے۔ یہاں سے چلنا ضروری ہے۔ میرا رب مجھے جس مقام پر لے جانا چاہے میں اسی مقام پر جانا چاہوں گا۔ راستہ میرا رب دکھائے گا، میں اپنے آپ کو یک سو کر کے اسی کی طرف چلتا ہوں۔

حاصل : تبلیغ حق کرنے والے کی شان یہی ہے، کہ جہاں اس کا کام ہو، وہیں رہے، اور جہاں سے کام ختم ہو جائے وہاں سے چل پڑے، عزم یہی ہو کہ جہاں اللہ رکھے وہیں رہنا ہے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾　　اے میرے رب مجھے صالحین سے عطا فرما۔

یہ دعا اس مقام پر پہنچنے کے بعد کی ہے، جس پر آپ کو آپ کے رب نے پہنچایا۔ آپ نے صالحین کے ساتھ کے لئے دعا کی۔ اس میں فوری ضرورت تو صالح ساتھیوں کی تھی، اولاد کا مقام تو مستقبل سے تعلق رکھتا تھا۔

حاصل : دعا پہلے حال سے تعلق رکھتی ہے پھر مستقبل سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾　　تو ہم نے آپ کو ایک حلیم بیٹے کی بشارت دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقام پر اپنا گھر بنایا، جہاں اللہ نے پسند فرمایا۔ آپ کو ایک بیٹے کی بشارت دی گئی جس کو اللہ نے حلیم فرمایا ہے۔ یہ صفت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ جو بیٹا صالح والدین کے سامنے اپنی کوئی تجویز نہ رکھتا ہو اور صداقت کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہنے میں راحت پاتا ہو، وہ حلیم ہوتا ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ بیٹے ہیں، جن کو حلیم فرمایا گیا ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے اور دوڑنے پھرنے کی عمر میں ذبیح اللہ ہو گئے جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ ہی آپ کی اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اسرائیلی روایت کوئی حقیقت نہیں رکھتی، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح اللہ ہیں۔ جو صاحبانِ حق کے فرمان کو فرمانِ الٰہی جان کر مانتے، اور حکمِ الٰہی پر جان تک قربان کرنے کو تیار ہو اس کو بھی ذبیح اللہ کا مقام عطا ہو جاتا ہے۔ ذبیح اللہ، صادق الوعد بھی ہوتا ہے، صابر بھی ہوتا ہے۔

حاصل : حلیم باپ اور حلیم بیٹے کے بارے میں اپنی اولاد کو بتانا چاہئے کہ ان کا مرتبہ کیا تھا، ہماری اولاد کا رُخ اسی طرح درست رہ سکتا ہے۔ امی (بنی اسمٰعیل میں سے) ہونے کے لئے موصوف کی صفت کو پانا لازم ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ　　پھر جب وہ آپ کی معیت میں دوڑنے پھرنے لگا، فرمایا اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا

مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾

ہوں، پھر تو نظر کر تیری رائے کیا ہے۔ عرض کی اے میرے باپ وہی کیجئے جس کا آپ کو امر ہوتا ہے، جلد ہی انشاء اللہ آپ مجھے صابرین سے پائیں گے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب دوڑنے پھرنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ بٹانے لگے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خواب آیا۔ آپ نے اپنے بیٹے سے وہ خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا: اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، تم دیکھو تمہاری رائے کیا ہے۔ بیٹے کی رائے معلوم کرنا قطعاً حق تھا کہ قربان ہونے والے کی نیت کو قربان ہونے کے عمل میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ بیٹے نے جواب دیا: والد محترم! وہی کیجئے جس کا آپ کو امر دیا گیا ہے۔ بیٹے نے باپ کے مرتبے کو دیکھتے ہوئے باپ کے خواب کو باپ کے لئے امرِ الٰہی جانا اور جہاں تک اس عمل میں بیٹے کی ذات کا تعلق تھا، صبر کے ساتھ اس مقام پر انشاء اللہ کہتے ہوئے پورا رہنے کے عزم کا اظہار کیا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس مقام کو مستقبل قریب میں دیکھا، وہیں آپ کے صبر کا ثبوت ملنا تھا، اس لئے آپ نے یہ عرض کیا کہ عنقریب آپ مجھے صابرین سے پائیں گے۔

حاصل: خواب کی حقیقت آگاہی ہوتی ہے۔ جس عمل میں بندے کی رضا شامل نہ ہو وہ عمل کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حلیم بیٹے اپنے صالح باپ کی بات کو بڑے ادب سے مانتے ہیں، قربان ہونے کا مقام آجائے تو صبر سے اس مقام پر انشاء اللہ کہتے ہوئے اپنے عزم کا اظہار کر دیتے ہیں۔

فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ ۚ

پھر جب دونوں تیار ہو گئے اور آپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔

امرِ الٰہی کے مطابق ذبح کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیاری یہ تھی، کہ اللہ کی رضا کے لئے وہی کرنا ہے، جس کا امر دیا گیا ہے اور ویسے کرنا ہے جیسے خواب میں دکھایا گیا ہے، ذبح کرنے والا آلہ بالکل ٹھیک ہونا چاہئے۔ ذبح ہونے والے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تیاری یہ تھی کہ آپ قربان ہونے کے لئے تیار تھے۔ امرِ الٰہی کے سامنے اپنی کوئی تجویز نہ رکھتے تھے، اور یہی عرض کرتے تھے کہ جیسے آپ نے خواب میں دیکھا ہے، بالکل ویسے ہی کیجئے۔ ماتھے کے بل لٹانے میں آپ کا منشاء اظہارِ ادب تھا اور آپ نے خواب میں ایسے ہی دیکھا تھا۔

حاصل: نیت پہلے ہوتی ہے عمل بعد میں ہوتا ہے۔ سجدے کی صورت، اظہار بندگی میں اللہ کے نزدیک قرب کے حوالے سے پسندیدہ ہے۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور ہم نے آپ کو ندا دی اے ابراہیم (علیہ السلام)۔

ذبح کرنے کا عمل شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کا نام لے کر ندا دی۔ معبود نے اپنے عبد کو ندا دی اور عبد نے قُربِ الٰہی کا وہ مقام پایا جو دائرہ عبدیت میں بلند ترین مقام ہے۔

حاصل : معبود کا عبد کو ندا دینا، عبد کے لئے اتنا بڑا اعزاز ہے کہ اس اعزاز کے لئے سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

بے شک آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سند نازل فرمائی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں جو کچھ دکھایا گیا تھا، آپ نے اسے عملاً کر کے دکھا دیا۔ رضاء الٰہی کے حصول سے بڑی کامیابی نہ دنیا میں ہو سکتی ہے نہ آخرت میں ہو سکتی ہے۔ اس کامیابی کے حاصل کرنے والے محسنین ہی ہوتے ہیں۔ محسنین کو تعلق مع اللہ کی وجہ سے جو سہارا ملتا ہے وہ سہارا ان کی شان کو روشن کر دیتا ہے۔

حاصل : خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنا محسنین کی طریقت ہے۔ اللہ محسنین کی شان کو روشن کرتا ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾

یقیناً یہ ایک عظیم امتحان تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے دوستی کا دعویٰ جس امتحان سے سچا ثابت ہوا، وہ اتنا بڑا امتحان تھا جو صرف اللہ ہی لے سکتا ہے۔ جس دعوے کے ساتھ شہادت موجود نہ ہو وہ دعویٰ بے حقیقت ہوتا ہے۔

حاصل : ہمارے دعویٰ ایمان کے ساتھ بھی ہماری صداقت کا ثبوت ہونا چاہئے۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے اس کے لئے ذبح عظیم سے فدیہ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے قربانی کا جانور بطور فدیہ دیا۔ یہ قربانی ان معنوں میں عظیم ہے کہ قبول کرنے والے مالک کل کی طرف سے دی گئی ہے۔

حاصل : مالکِ کُل نے جس کے لئے فدیہ دیا، اس کا مرتبہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے اور لوگوں کے لئے لائقِ تکریم ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٠٨﴾ اور ہم نے اس پر آخرین کو قائم رکھا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے ذبح عظیم کا فدیہ، قربانی کے حوالے سے بلند ترین مقام ہے۔ اللہ نے اس عمل کو قربِ الٰہی کے لئے ایک رکن ٹھہرا دیا ہے۔ مناسکِ حج میں اس کا ایک مقام ہے اور قربانی (ذبح عظیم بطور سنت) بڑھتی چلی جارہی ہے اور بڑھتی چلی جائے گی۔

حاصل : قربانی کو اللہ نے باقی رکھا ہے، اس کو قربِ الٰہی کے لئے اہم ٹھہرایا ہے اور وہ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ سلام ہے ابراہیم پر۔

حضرت ابراہیم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام فرمایا گیا ہے۔ معبود جس بندے پر سلام فرمائے عبادِ صالحین پر اس بندے کی تعظیم لازم ہو جاتی ہے، اس کی توقیر لازم ہو جاتی ہے، اور اس کے مبارک نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا حق ہو جاتا ہے۔

حاصل : حضرت ابراہیم کے مبارک نام کے ساتھ علیہ السلام لکھنا بھی چاہئے اور آپ کا مبارک نام لیتے ہوئے علیہ السلام کہنا بھی چاہئے۔

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

عبدیّت کے دائرے میں اللہ کی رضا پر سب کچھ قربان کر دینا، احسان کا بلند ترین مقام ہے۔ معبود کی طرف سے عبد کے محسن ہونے کی تصدیق اور اس پر سلام بہت بڑی جزا ہے۔

حاصل : محسن ہونا عبد کی شان ہے، جزا دینا معبود کی شان ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ بے شک وہ ہمارے عبادِ مومنین سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مومن ہونے کی اور مومن بندوں میں سے ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ مومن کے نو مقامات کا قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے : توبہ، عبادت، حمد، روزہ، رکوع، سجدہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی حفاظت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان مقامات پر پورا رہنے کی اللہ نے شہادت دی ہے۔ مومن ذاتی زندگی کے حوالے سے بھی معیار ہوتا ہے، اجتماعی زندگی کے حوالے سے بھی معیار ہوتا ہے۔

حاصل : عبادِ مومنین کا ساتھ صراطِ مستقیم ہے۔ کسی ایسی بات کو جو مومن کی شان کے خلاف ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ منسوب کرنا صریحاً گناہ ہے کہ اللہ نے آپ کے مومن ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور ہم نے آپ کو اسحاق (علیہ السلام) کی بشارت دی جو صالحین سے نبی ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی ان کے نبی ہونے کی بھی بشارت دی گئی۔ یہ مقام نبوت حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح اللہ نہ ہونے کا ثبوت ہے، کہ ذبیح اللہ ہونے کا مقام تو اوائل عمری میں آیا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے نبی ہونے کی بشارت پیدائش کے ساتھ ہی دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہ بڑی راحت کی بات تھی کہ ان کی اولاد میں اللہ نے نبوّت کو رکھنا پسند فرمایا۔

حاصل : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے محسن ہونے کا، مومن ہونے کا انعام حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت کی صورت میں بھی دیا گیا۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ۗ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾

اور ہم نے اسے بھی برکت دی اور اسحاق (علیہ السلام) کو بھی برکت دی۔ اور ان دونوں کی اولاد سے محسن بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریحاً ظلم کرنے والے بھی ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام دونوں بھائی ہیں۔ ان دونوں کی اولاد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی اولاد سے جو لوگ اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کرنے والے ہیں وہ سب محسن ہیں، اور جو اپنی پسند پر سب کچھ لگا دیتے ہیں وہ اپنے آپ پر صریحاً ظلم کرنے والے ہیں۔

حاصل : آباء کا بابرکت ہونا کسی کے محسن ہونے کی سند نہیں ہوتا۔ اگر ہمارا حال خلافِ حق ہو تو ہم اپنے آباء کی برکت سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات (49) میں فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں شعبے اور قبیلے ٹھہرایا کہ تعارف ہو سکے۔ بے شک اللہ کے نزدیک اکرم وہ ہے جو تقوے میں بڑا ہے۔ بے شک اللہ علم والا خبر والا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) پر احسان فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف تبلیغ حق کے لئے بھیجا گیا۔ قوم فرعون استکبار میں مبتلا تھی۔ یہ لوگ بنی اسرائیل پر قہر کرنے میں اپنی شان دیکھتے تھے۔ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ ایسے ظالم لوگوں سے بنی اسرائیل کو چھڑا کر لے جانا، اس احسان کی بدولت ممکن ہوا جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پر فرمایا۔

حاصل : جس پر اللہ کا کرم ہو، اس کے ساتھ میں یقیناً فلاح ہوتی ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾

اور ہم نے انہیں اور ان کی قوم کو کربِ عظیم سے نجات دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون اور آل فرعون سے بہت دکھ پہنچتے تھے۔ بنی اسرائیل سے خدمات بھی لی جاتی تھیں، ان پر قہر بھی کیا جاتا تھا۔ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ بنی اسرائیل جسمانی طور پر بھی دکھ اٹھاتے تھے روحانی طور پر بھی دکھ میں رہتے تھے۔ اللہ نے ہی ان لوگوں کو کربِ عظیم سے نجات دی۔

حاصل : دکھ سے نجات اللہ ہی دیتا ہے، اور پاک لوگوں کی معیت نصیب ہو تو دکھ سے نجات حاصل ہوتی ہے۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور ہم نے انہیں نصرت دی تو وہی غالب ہوئے۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہہ دیا کہ ہم کبھی بھی آپ پر ایمان نہ لائیں گے تو یہ ان کے ناقابل اصلاح ہونے کا ثبوت تھا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر

راتوں رات دریا عبور کر جائیں۔ دریا نے امر الٰہی کے مطابق آپ کو راستہ دیا اور آپ مع بنی اسرائیل کے سلامتی کے ساتھ دریا سے گزر گئے۔ آل فرعون آپ کے تعاقب میں دریا پر پہنچے تو عجیب منظر دیکھا کہ دریا میں بنی اسرائیل کے لئے راستہ بنا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی نصرت کو دیکھا اور نظر انداز کر دیا۔ آلِ فرعون اور فرعون اسی راستے پر چل پڑے، جو اللہ نے بنی اسرائیل کے لئے بنایا تھا۔ جب یہ سب لوگ دریا کے پیٹ میں آگئے تو پانی کے عظیم تودے آپس میں مل گئے، اور بنی اسرائیل کے دشمن مغلوب ہو گئے۔ اللہ کی نصرت نے بنی اسرائیل کو غالب کر دیا۔

حاصل : فخر غلبے پر نہیں ہونا چاہئے، غالب کرنے والے پر ہونا چاہئے۔ اللہ کی نصرت سے ہی مغلوب، غالب ہو سکتے ہیں۔

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ج

اور ہم نے انہیں روشن کتاب عطا فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب عطا فرمائی گئی، وہ تورات شریف ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مددگار بنایا گیا تھا، اس لئے کتاب اللہ سے روشنی لینے والوں میں اور اس نور کو تقسیم کرنے میں حضرت ہارون علیہ السلام کا مقام لائق صد احترام ہے۔ تورات شریف، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت عطا فرمائی گئی جب ایک معاشرہ احکام الٰہی کو ماننے کے لئے وجود میں آگیا تھا۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کیا ہے اور ناپسندیدہ کیا ہے، اللہ کی بیان کردہ مثالیں کیا ہیں، تعلیم میں رخ کیا ہونا چاہئے، بات کیسی ہونی چاہئے، افراد کے مابین تعلقات کو کس طرح ہونا چاہئے، ان کی حفاظت کیسے ہونی چاہئے، اس طرح زندگی کے ہر شعبے میں کتابِ الٰہی نے طلبِ ہدایت رکھنے والوں کو روشنی دی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ علیمِ مطلق ہے، اس کی عطا اس کے علم سے ہوتی ہے اور حال کی ضروریات کے حوالے سے ہوتی ہے۔

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ج

اور انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ہدایت یافتہ ہونے کی سند اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ ان کے نقوشِ قدم صراطِ مستقیم ٹھہرائے گئے۔ یہ بنی اسرائیل کے لئے بڑی آسانی تھی، کہ وہ امر الٰہی کی تعمیل کے لئے کسی بھی مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت ہارون علیہ السلام کی طریقت کو دیکھ سکتے تھے اور من مانی کرنے سے بچ سکتے تھے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کیا جائے، تو اس سے ہدایت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے ہی خواہشات کی پیروی سے بچنے میں مدد دیا کرتے ہیں۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ۙ

اور آخرین میں ہم نے ان کے طریقے کو

باقی رکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا طریقِ زندگی اس قدر روشن ہوا کہ ہدایت کے طالب ان کے نقوش قدم سے روشنی پاتے رہے اور ان حضرات کا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں جاری رہا۔ عنداللہ مقبولیت کی بڑی شان ہے۔

حاصل : جن کے ذکر خیر کو اللہ باقی رکھے وہ طلبِ ہدایت رکھنے والوں کے لئے روشنی کے مینار ہوتے ہیں۔

سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ سلام ہے موسیٰ پر اور ہارون پر۔

حضرت موسیٰ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام فرمایا گیا ہے۔ حضرت ہارون پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام فرمایا گیا ہے۔ یہ سلام معبود کا عبد پر سلام ہے۔ یہ سلام صراط مستقیم پر ہونے کی سند ہے۔ یہ سلام پیچھے آنے والوں کو سلامتی کا راستہ دکھانے والا ہے۔

حاصل : جن پر اللہ نے سلام فرمایا ہے ان کے نقوشِ قدم سے سلامتی کے راستے کا تعیّن ہوتا ہے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ بے شک ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

معبود کا عبد پر سلام اتنی بڑی جزا ہے، کہ اس کے لئے سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہے۔ اللہ سے بڑا جزا دینے والا کوئی نہیں ہے۔ اللہ پہلے محسنین کو جزا دیتا رہا ہے، آئندہ بھی جزا دیتا رہے گا۔

حاصل : حسنِ عمل بندے کے ذمے ہے، جزا دینا اللہ کی شان ہے۔

اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں سے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں یہ سند نازل فرمائی گئی ہے، کہ وہ اللہ کے مومن بندوں سے ہیں۔ ایسی کوئی بات جو مومن کی شان کے لائق نہ ہو ان حضرات کے ساتھ منسوب نہ کی جائے ورنہ اللہ کے فرمان کا انکار ہو جائے گا جو قطعاً ظلم ہے۔ اس لئے اسرائیلی روایات جو آپ کی شان کے منافی ہوں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ علیمِ مطلق

جن کے مومن ہونے کی شہادت دے ان کو معیارِ ہدایت جاننا چاہئے۔

حاصل : مومن بندوں کی صفات کو اپنانا چاہئے، کہ ان کے ساتھ میں ہی فلاحِ دارین رکھی گئی ہے۔

وَاِنَّ اِلۡیَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اور بے شک الیاس (علیہ السلام) مرسلین سے ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی لئے بھیجا جاتا تھا، کہ وہ اللہ کے احکامات کو عملاً نافذ کرے، اور حکم الٰہی کو ماننے کے لئے جس نمونے کی ضرورت ہوتی تھی اس نمونے کے بارے میں لوگ یقین کے ساتھ یک سو ہو جائیں۔

حاصل : حضرت الیاس علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں، اس لئے ان کی تعلیمات میں کوئی بات خلافِ حق نہیں ہو سکتی۔

اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ جب آپ نے اپنی قوم سے فرمایا، کیا تم لوگ ڈرتے نہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے مرسلین کی طریقت کے مطابق اپنی قوم کو ان کے انجام سے ڈرایا۔ ماضی میں خلاف حق کرنے والوں کے انجام کو ان کے سامنے رکھا، اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنے کی ترغیب دی اور فرمایا، کیا تم لوگ اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔

حاصل : تقویٰ کرنے والے لوگ ہی عقل مند ہوتے ہیں۔ وہ ماضی سے سبق سیکھتے ہیں اور انجام سے غافل نہیں ہوتے۔

اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّتَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ ﴿۱۲۵﴾ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو۔

بعل ایک بت تھا، جس کی پرستش میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم مگن تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم کیا تم بعل کو پکارتے ہو، جو انسانی ہاتھوں سے بنا ہے اور خود کچھ نہیں بنا سکتا اور خالقِ کل کو، علمِ مطلق سے پیدا کرنے والے کو، اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ رہے ہو۔

حاصل : تقابل سے دعوت غور و فکر دی جائے تو احسن الخالقین کے مقابل انسانی تخلیق ہیچ نظر آتی ہے۔

اَللّٰہَ رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ اللہ جو تمہارا رب ہے اور تمہارے اوّلین آباء کا رب ہے۔

جس کو تم لوگ چھوڑ کر بعل کی پرستش میں لگے ہوئے ہو، وہ تمہارا رب ہے۔ وہ تمہیں نہ ہونے کے مقام سے ہونے کے مقام پر لایا ہے۔ وہی ہر حال میں تمہاری ضروریات کا جاننے والا ہے اور وہی ان ضروریات کا پورا کرنے والا ہے۔ تمہارے آباء کا رب بھی وہی ہے، ان کے آباء کا رب بھی وہی ہے، اور خالقِ کل بھی وہی ہے۔ اس کے مقابل تو کوئی ہے ہی نہیں۔ یہ بعل جو تمہاری خواہشات کے حوالے سے بنایا گیا ہے، یہ تمہارے نفع و ضرر پر قادر نہیں ہے۔ یہ تو تمہارا محتاج ہے۔ یہ تمہارا رب نہیں ہے۔

حاصل : ربوبیت ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ یہی ماضی میں سب سے بڑی ضرورت تھی اور یہی مستقبل میں سب سے بڑی ضرورت ہوگی۔ رب کو پہچاننا، طلبِ ہدایت کا ثبوت ہے اور اس کے پہچاننے میں مدد دینا اللہ کے پاک بندوں کی طریقت ہے۔

فَکَذَّبُوْہُ فَاِنَّھُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ پھر انہوں نے آپ کی تکذیب کی، تو وہ پکڑ کر حاضر کئے جائیں گے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کو جھٹلانے والے لوگ بصورت مجرمین اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر کئے جائیں گے۔ دنیا میں بھی ان کا انجام خاسرین کے ساتھ ہوا، آخرت میں بھی یہ خاسرین کے ساتھ ہوں گے۔ جو اللہ کے رسول کو مانتا ہو وہ محرم ہو جاتا ہے، جو اللہ کے رسول کا انکار کرے وہ مجرم ہو جاتا ہے۔ محرم اور مجرم کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ کے رسول کی تکذیب وہی کرتے ہیں، جن کے نزدیک ان کی اپنی پسند سے زیادہ کچھ اہم نہیں ہوتا۔ یہ لوگ دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑتے ہیں۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ سوائے اللہ کے عباد مخلصین کے۔

اللہ کے عباد مخلصین ہی اللہ کے رسول کو مانتے ہیں جیسے ماننے کا حق ہوتا ہے۔ عباد مخلصین کو شیطان بہکا نہیں سکتا کہ وہ اپنی پسند کو معیار نہیں جانتے۔ نا صحین سے محبت ان کو اتنا سہارا دیتی ہے، کہ وہ مشکل مقامات سے اپنے صاحب کے نقوش قدم کو دیکھتے دیکھتے سلامتی سے گزر جاتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں بھی فلاح پاتے ہیں، آخرت میں بھی فلاح پاتے ہیں۔

حاصل : اللہ کے عباد مخلصین ہی دنیا و آخرت میں سکھی رہتے ہیں، دنیا و آخرت میں عزت انہی کی ہوتی ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٢٩﴾ اور ہم نے آخرین میں ان کے طریقے کو باقی رکھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کی یہ سند ہے کہ ان کا ذکر خیر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ جو اللہ کے ساتھ ہو جائے اسے بقاباللہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ دائمی پاک دامنی کا مقام پانے والے ہی پیچھے آنے والوں کے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔

حاصل : جسے بقاباللہ کا مقام حاصل ہو جائے اس کا ذکر خیر، اللہ کے فضل سے ہوتا رہتا ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿١٣٠﴾ سلام ہو الیاس والوں پر۔

الیاسین میں وہ سب حضرات شامل ہیں، جو آپ کے ساتھ تھے۔ جو تعلق اللہ کے لئے ہو وہی تعلق پورا ہوتا ہے اور دائمی ہوتا ہے، باقی سب تعلقات غرض و غایت کے زمرے میں آتے ہیں۔

حاصل : جو پاک ہو جائے اور خلوت و جلوت میں اپنے شاہد کے ساتھ رہے، سلامتی اس کا احاطہ کیے رکھتی ہے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾ بے شک ہم محسنین کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

محسنین کی جزا کو بیان کرنے کا منشاء لوگوں کو احسان کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ معبود کی طرف سے عبد پر سلام ہو تو یہ رضاء الٰہی کے حصول کی سند ہے، یہ محسنین کی پاک جماعت میں شامل ہونے کی سند ہے۔

حاصل : محسنین کی پاک جماعت میں شامل ہونے والے رضاء الٰہی کے حصول کی سند رکھتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں سے ہیں۔

مومن بندے حق کو تسلیم کرتے ہیں اور رضاء الٰہی کے حصول کو ہر مقام پر مقصود جانتے ہیں۔ بھول جانا بھی محبوب بندوں کی ایک صفت ہے مگر خلاف حق کرنے کا اور جان بوجھ کر خلاف حق کرنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ نتائج کو باذن اللہ جانتے ہوئے حال پر رہتے ہیں، ماضی میں بھی نہیں رہتے، مستقبل میں بھی نہیں رہتے۔ حق کو عملاً دیکھنے کے لئے مومن بندوں کو حال پر دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

حاصل : مومن بندوں کے ساتھ کسی منفی صفت کو منسوب کرنا خلافِ حق ہے۔

وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ اور بے شک لوط (علیہ السلام) مرسلین سے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے مرسلین سے ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ مرسل وہ معیار ہوتا رہا ہے، جس کے اتباع میں اللہ کی رضا کا حصول یقینی ہوتا تھا۔ حکم الٰہی کو ماننے کے لئے جو حوالہ اللہ کے نزدیک معیار تھا، وہ ہر زمانے میں اللہ نے ہی بھیجا ہے۔ اس حوالے کو ادب سے ماننے والے اس صاحب سے محبت کرنے والے ہی ایمان والے ہوئے ہیں۔

حاصل : جس کا تعارف کروایا جا رہا ہو، پہلے اس کا مقام بیان کرنا چاہئے۔ مرسلین کا نام ادب سے لینا چاہئے، ان پر سلام بھیجنا چاہئے۔

إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٤﴾ جب ہم نے آپ کو اور آپ کے سب اہل کو نجات دی۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا، اور انہیں یہ کہا کہ تم لوگ حد سے گزر گئے ہو، تم نے وہ بے حیائی کی ہے جو تم سے پہلے عالمین میں کسی نے نہ کی تھی۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کام سے تو ہم باز نہیں آئیں گے، طہارت و پاکیزگی چاہنے والوں کو اپنی بستی سے ضرور نکال باہر کریں گے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے ایمان والے ساتھیوں کو لے کر اس بستی سے نکل جایئے۔ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے سب پاک ساتھیوں کو پہلے محفوظ مقام پر پہنچایا جو دائرہ عذاب میں آنے والی جگہ سے باہر تھا، پھر منکرین حق کو عذاب میں پکڑا۔

حاصل : اللہ اپنے پاک بندوں کو نجات دیتا رہا ہے، یہی اس کی سنت ہے۔ پاک ہونا اور پاک لوگوں کے ساتھ ہونا بندے کا حق ہے۔

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٣٥﴾ مگر ایک بڑھیا، کہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہوئی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوئی۔ یہ عورت حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ دھوکا کرتی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام سے ازدواجی رشتے کے باوجود کافروں کے ساتھ تھی، اور حق کے مقابل اپنی خواہشات کو ترجیح دیتی تھی، اس لئے نجات پانے والوں میں یہ شامل نہ تھی۔

حاصل : پاک لوگوں کے ساتھ کی قدر ہو تو اس کے مقابل کسی شے کی طرف مائل ہونا ممکن نہیں ہونا چاہئے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ پھر باقی لوگوں کو ہم نے برباد کر دیا۔

منکرین حق جو حضرت لوط علیہ السلام کی مخالفت میں ایک رخ پر تھے، عذاب الٰہی میں پکڑے گئے۔ ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، اور ان کو نابود کر دیا گیا۔

حاصل : جو لوگ ناپاکی کو اپنا امتیاز بنالیں، بربادی ان پر مسلط کر دی جاتی ہے۔

وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ اور تم ان پر صبح کو گزرتے ہو۔

اہل مکہ شام کی طرف تجارت کے لئے آتے جاتے تھے۔ اس راستے سے گزرتے ہوئے یہ بستیاں جن پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا، نظر آتی ہیں۔ شعور کی موجودگی میں ان کے ماضی کو بھی دیکھا جا سکتا ہے، اللہ کی قدرت کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

حاصل : منکرین حق کے انجام سے سبق سیکھنا چاہئے۔ اللہ کی قدرت ہر مقام پر محیط ہے۔

ع وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اور رات کو بھی، تو کیا عقل نہیں کرتے۔

جن بستیوں پر عذاب الٰہی نازل ہوا، رات کو بھی ان کے پاس سے گزرنے والے عبرت پکڑتے ہیں، اور اللہ کی قدرت سے واقع ہونے والی تبدیلی رات کو بھی نظر آتی ہے۔ عقل کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے، کہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو خلاف حق استعمال کرنا باعث عذاب الٰہی ہوتا ہے، اور اللہ کی قدرت کے سامنے کسی بھی طاقت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

حاصل : ماضی کے واقعات سے سبق سیکھنا عقل مندی ہے، اور عقل کرنا اللہ کے نزدیک پسندیدہ صفت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں عبث خلق کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا ہے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اور بے شک یونس (علیہ السلام) مرسلین سے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق یہ سند نازل فرمائی گئی ہے کہ وہ مرسلین سے ہیں۔ اللہ نے مرسلین پر سلام فرمایا ہے۔ اللہ نے ان حضرات گرامی قدر کو عالمین پر فضیلت دی ہے۔ اللہ نے ان حضرات کو شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ ان کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی ٹھہرایا ہے۔ ان کا اتباع کرنے والے اللہ کی ہدایت سے فیض پاتے رہے ہیں۔

حاصل : حضرت یونس علیہ السلام کے مرسل ہونے کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑے ادب سے ان کے متعلق زبان کھولنی چاہئے۔ اسرائیلی روایات قطعاً سند کا درجہ نہیں رکھتیں۔

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾ جب آپ بھری ہوئی کشتی کی طرف پہنچے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ قوم نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے یہ دیکھا کہ اب ان پر عذابِ الٰہی آیا ہی چاہتا ہے، میرا کام ختم ہو چکا ہے، اس لئے آپ وہاں سے چل پڑے۔ اللہ کی سُنّت یہی رہی ہے، کہ اس کا بھیجا ہوا بندہ، منکرینِ حق کے عذاب میں پکڑے جانے پر بھی شاہد ہوا ہے۔ اللہ اپنے بھیجے ہوئے شاہد کو دکھاتا رہا ہے کہ تیری حکم عدولی کرنے والے اسی انجام کو پہنچے ہیں، جس انجام سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام جس کشتی میں سوار ہوئے، یہ کشتی بھری ہوئی تھی، اور آپ کے انتظار میں تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے ساتھیوں سمیت اس بستی سے نکل جانے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا نہیں گیا تھا۔

حاصل : اپنے ساتھیوں کی حفاظت پاک لوگوں کی نظر میں اہم ترین کام ہوتا ہے، اس لئے اوّلین ترجیح اسی کام کو دی جاتی ہے۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾ پھر قرعہ ڈلوایا، پھر خود ہی نکلے۔

کشتی بھری ہوئی تھی۔ جب دریا میں کسی مشکل مقام پر وہ پھنس گئی، تو کشتی کو بچانے کے معنی جماعت کو بچانے کے تھے اور بچاؤ کی ایک ہی صورت تھی، کہ اس کے بوجھ کو کم کیا جائے۔ ایسے موقع پر قربانی پیش کرنے سے پہلے قرعہ ڈال لینے کا طریقہ معمول رہا ہے۔ اس سے افراد کے مابین شکوک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے کشتی والوں کے دکھ کو زائل

کرنے کے لئے۔ اور کشتی کے بوجھ کو کم کرنے کے لئے خود دریا میں اتر جانے کا فیصلہ کیا۔

حاصل : قرعہ ڈالنا اگر کسی فیصلے کی بنیاد پر ہو تو بھی اللہ کی رضا کو دیکھنا بڑا حق ہے۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ پھر مچھلی نے آپ کو نگل لیا اور آپ غم زدہ تھے۔

جب حضرت یونس علیہ السلام پانی میں اُترے، تو حکمِ الٰہی سے ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اور آپ مصائب و آلام کے احاطے میں آ گئے۔ ظلمات کے اس مقام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، جو مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کا احاطہ کئے ہوئے تھا اور آپ اس مقام پر اللہ کی تسبیح کر رہے تھے۔ غم یہ تھا کہ امرِالٰہی کے آنے سے پہلے اس مقام سے چلنا نہیں چاہیے تھا جس مقام پر بظاہر میرا کام ختم ہو چکا تھا۔ یہ کوتاہی ہوئی ہے اور اللہ ہی اسے معاف کر سکتا ہے۔

حاصل : جس درجے کا علم ہو اسی حوالے سے حق بھی عائد ہوتا ہے۔ پاک لوگ ہمیشہ اسی حوالے سے غم زدہ ہوتے ہیں، کہ حق کی ادائیگی میں ان سے کوتاہی ہوئی ہے۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ تو اگر آپ تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتے،

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا اور عملاً اپنے معبود کو بے مثل ماننا، مالکِ کل ماننا، قادرِ مطلق ماننا اور علیمِ مطلق ماننا شانِ بندگی ہے۔ تسبیح کرنے والا، اپنے معبود کے سامنے اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے، اپنے مملوک ہونے کا اظہار کرتا ہے، نصرتِ الٰہی کی احتیاج کو بیان کرتا ہے اور بندگی کے حق کو ادا کرتے ہوئے بھی یہ اعتراف کرتا ہے کہ بندگی کا حق ادا نہیں ہوا۔

حاصل : تسبیح کرنا، پاک لوگوں کی طریقت ہے، اس سے بہت برکات حاصل ہوتی ہیں۔

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ تو یومِ بعث تک اسی کے بطن میں رہتے۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ کی تسبیح اس مقام پر بھی جاری رکھی، جس مقام پر ماحول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تسبیح باعث نجات ہوئی۔ تسبیح کی افادیت کو روشن کرنے کے لئے یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر یہ نہ ہوتی، تو یومِ بعث تک حضرت یونس علیہ السلام اسی مقام پر رہتے۔ قادرِ مطلق کے لئے مچھلی کو اتنا وقت عطا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔

حاصل : حضرت یونس علیہ السلام کی بدولت مصائب و آلام سے نجات کا جو علم عطا فرمایا گیا ہے،

اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ نجات اللہ ہی دیتا ہے، مگر راہِ نجات کو اختیار کرنا بندے کے ذمے ہے۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ پھر ہم نے آپ کو خشک جگہ پر ڈال دیا اور آپ نڈھال تھے۔

مچھلی کے لئے خشک جگہ پر جانا اور اپنے لقمے کو اگلنا بہت بڑے کام ہیں۔ مگر جب اللہ ایسا چاہے تو ان کو ہوتے دیر بھی نہیں لگتی۔ خشک جگہ پر ہونا حضرت یونس علیہ السلام کی جسمانی ضرورت تھی۔ نڈھال ہونے کا حال یہ تھا کہ ابتداءً ہلنے جلنے کی سکت بھی نہ تھی۔

حاصل : اللہ ہی حفاظت کرنے والا، علم والا ہے۔ ہر مقام پر اسی کے فضل سے اور اسی کے علم سے حفاظت ہوتی ہے۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾ اور ہم نے آپ پر کدّو کی ایک بیل اگا دی۔

دریا کے کنارے خشک جگہ پر پڑے ہوئے حضرت یونس علیہ السلام کی ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا خالقِ کل ان کے لئے کدو کی ایک بیل وہاں اس طرح پیدا کرتا ہے، کہ حضرت کو ضروری حد تک شفابخش سایہ ملے اور کچھ دھوپ بھی لگے۔ اللہ نے لوگوں کو علم عطا کرنے کے لئے یہ بیان فرمایا ہے، ورنہ وہ قادرِ مطلق ہے، کمزوری کی کیفیت کو جلد زائل کرنے میں بھی اسے کچھ مشکل نہیں ہو سکتی تھی۔

حاصل : کدّو کی بیل، اس کے پتے اور پھل پھول سب شفابخش ہیں۔ ان کو ان کے محل پر استعمال کرنا باعثِ برکات ہوتا ہے۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ اور آپ کو ایک لاکھ یا کچھ زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا۔

حضرت یونس علیہ السلام کو جن لوگوں میں مبعوث فرمایا گیا تھا، ان کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ آبادی کو پورے اعداد کے ساتھ بیان کرنا درست نہیں ہوتا، کہ اس میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے، اس میں اموات کی وجہ سے کمی بھی ہوتی رہتی ہے۔ دس سے پندرہ ہزار لوگوں کی بستی میں بہت سی آسانیاں ہوں گی، آمدورفت کے مسائل نہیں ہوں گے۔ افراد کے مابین روابط بہتر ہوں گے۔ جرائم پیشہ لوگوں کو محفوظ مقامات میسر نہیں آئیں گے۔ بڑی سے بڑی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہو

جائے۔ کہ اس کا ذکر قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ بہت بڑے شہر بہت بڑے مسائل کا باعث بنتے ہیں۔ بڑے شہروں میں ایسے کاموں پر باقاعدہ اور مسلسل اخراجات ہوتے ہیں، جن کاموں پر چھوٹے شہروں میں کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ اجتماعی زندگی کے حسن کو بڑھانے کے نام پر بڑے شہر بسائے جاتے ہیں اور اجتماعی زندگی میں بڑے بڑے شہر حسن معاشرت کو کم کرتے ہی نظر آتے ہیں۔

حاصل : شہروں کی آبادی کو دس سے پندرہ ہزار تک رکھا جائے تو اس سے بڑا سکھ ہوتا ہے۔ بڑے شہر کو ایک لاکھ کے قریب رکھا جائے۔ اجتماعی ضروریات کے حوالے سے شہر بسانے چاہئیں اور جتنے لوگوں کے لئے شہر بسایا جائے، اس حد سے آبادی بڑھنے لگے تو ضروری فاصلے پر دوسرے شہر کو بسانا چاہئے۔

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

تو وہ ایمان لائے۔ پھر ہم نے انہیں ایک وقت تک متاع دی۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا اور ٹل گیا، کہ جس شاہد نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا تھا وہ وقت عذاب انہیں دکھ نہیں رہا تھا۔ اللہ نے ان لوگوں سے عذاب کو ٹال دیا۔ یہ سب تائب ہوئے اور حضرت یونس علیہ السلام کی جستجو میں لگے رہے۔ ایک وقت کے بعد جب حضرت یونس علیہ السلام ان کے پاس تشریف لائے تو یہ سب لوگ ان سے محبت رکھنے والے ہو گئے، ادب سے ان کو مانتے رہے اور اللہ نے بھی ان کو بہت آسانیوں سے نوازا اور یہ ایک وقت تک عطاء الٰہی سے فیض یاب ہوتے رہے۔

حاصل : ناصحین سے محبت ہو تو ایمان نصیب ہوتا ہے، ایمان والوں کو اللہ بہت سی آسانیاں عطا کرتا ہے۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

تو ان سے پوچھئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے ہیں۔

منکرینِ حق ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں ٹھہراتے تھے۔ ان سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے، کہ یہ کیا بات کرتے ہو، کہ اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہو اور اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہو۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں فرمایا گیا ہے کہ جب ان لوگوں کو سمجھایا جائے تو یہ سمجھتے نہیں اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑانے لگتے ہیں اور بَعثَ بَعْدَ الْموت کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں، کیا جب ہم مٹی اور ہڈیاں ہو گئے، پھر اٹھائے جائیں گے۔ ان لوگوں کی سوچ کے درست نہ ہونے کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ خالقِ کل نے سب کو پیدا کیا ہے کہ یہ اسی کی شان ہے، تم لوگ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہو، اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہو، کیا یہ اللہ کے مقابل بڑائی کا اظہار نہیں ہے۔

حاصل : منکرینِ حق کے عقائد میں تضاد ہوتا ہی ہے، اس تضاد کو روشن کرنے کے معنی دعوتِ فکر ہونے چاہئیں۔

اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ یا ہم نے ملائکہ کو مونث بنایا اور وہ دیکھ رہے تھے۔

منکرینِ حق کی پسند میں جو نقص ہے، اس کو واضح کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے، کہ ملائکہ کی تخلیق کے وقت یہ لوگ حاضر نہیں تھے کہ انہوں نے یہ دیکھا ہو کہ ہم نے انہیں مونث بنایا ہے۔ پھر ان کو یہ کہنے کا حق کیسے حاصل ہو گیا، کہ ملائکہ عورتیں ہیں۔

حاصل : بے سند بات کرنا جہالت کی نشانی ہے۔ اپنے مشاہدے کو بیان کرنا سننے والوں کے لئے وقعت رکھتا ہے۔

اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡكِهِمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾ سن لو وہ من گھڑت بات کرتے ہیں،

منکرینِ حق کا یہ کہنا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، کسی سند سے نہیں ہے، کسی مشاہدے سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ یہ ان کی من گھڑت بات ہے، بے حقیقت بات ہے اور بے حقیقت لوگوں کی بات ہے۔

حاصل : من گھڑت بات کرنے والے بے حقیقت لوگ ہوتے ہیں۔

وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾ کہ اللہ کی اولاد ہے اور یہ قطعاً کاذب ہیں۔

منکرینِ حق کا یہ کہنا کہ اللہ کی اولاد ہے، قطعاً ان کی من گھڑت بات ہے اور یہ بات ان لوگوں کے کاذب ہونے کی سند ہے۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے، اولاد تو مثل ہوتی ہے اور یہ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اولاد کا ہونا ہمیشگی کی نفی کا ثبوت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

حاصل : جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، اللہ نے ان کے کاذب ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ کاذب کو کبھی اپنا رہنما نہیں بنانا چاہئے، اس کو کبھی شاہد نہیں بنانا چاہئے۔

اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾ کیا اس نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی۔

منکرینِ حق پر واضح کیا جا رہا ہے، کہ خالقِ کل تو اللہ ہی ہے۔ سب سے بڑے علم والا بھی وہی ہے۔ سب سے بڑی قدرت والا بھی وہی ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اسے اگر اختیار کرنا ہی تھا جو قطعاً اس کی شان کے خلاف ہے، تو وہ بیٹیوں کو کیوں ترجیح دیتا۔

حاصل : جو بات اپنے لئے پسند نہ ہو، اس کو دوسروں کے لئے پسند کرنا، دوسروں کی شان گھٹانے والی بات ہوگی۔

مَا لَكُمْ ۗ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم کیسا حکم لگاتے ہو۔

شعور کی موجودگی میں دھیان کرنا لازم ہوتا ہے، اور دھیان کرنے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے، کہ وہ حکم لگاتے وقت یہ ثابت کرے کہ اس کی بات بڑا وزن رکھتی ہے، اور اس نے بڑے علم سے بات کی ہے۔ بات سے ہی بات کرنے والے کے علم کا پتہ چلے گا۔

حاصل : بات سے ہی بات کرنے والے کے حال کا پتہ چلتا ہے، اس لئے ہماری بات کو بالکل درست ہونا چاہئے۔

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

دھیان کرنا وہ صفت ہے، جو بندے کو تضاد بیانی سے روکتی ہے۔ تضاد بیانی بندے کی وقعت کو کم کرتی ہے، اور بندے کو یہی عزیز ہوتا ہے کہ اس کی وقعت بڑھے۔

حاصل : جس کی تضاد بیانی سے اس کی وقعت کم ہو رہی ہو، اس کو کہنا چاہئے : دھیان کرو، کیا کہہ رہے ہو۔

أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٥٦﴾ یا تمہارے پاس کوئی روشن سند ہے۔

دعویٰ بغیر دلیل کے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، انہیں اپنے پاس اس دعوے کے ثبوت کو بھی دیکھنا چاہئے، اور اس ثبوت کو اس قدر روشن ہونا چاہئے کہ اس کی تردید ممکن نہ ہو۔

حاصل : ہماری بات کو من گھڑت نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کے بارے میں وہی کہنا چاہئے، جس کا ثبوت ہمارے پاس موجود ہو۔

فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٥٧﴾

تو لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں کچھ کہنا، سند سے ہونا چاہئے، اور یہ سند کتاب اللہ ہی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اللہ کی اولاد ہے، پیش کی جائے، یہی صداقت کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی بھیجی ہوئی ہر کتاب اس بات کی تصدیق کرتی ہے، کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ کے بارے میں بے سند بات کرنا خلافِ ادب ہے۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٥٨﴾

اور اس کے اور جنّوں کے بین نسبت ٹھہراتے ہیں، اور بے شک جنّوں کو علم ہے کہ وہ پکڑ کر حاضر کئے جائیں گے۔

منکرینِ حق جنّوں کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں، کہ وہ نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور ضرر دینے کی قدرت رکھتے ہیں۔ یہ بے ہودہ بات ہے۔ اس عقیدے کی حقیقت کو دیکھنا چاہئے۔ جنّوں کو یہ علم ہے کہ انھیں ان کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ جزا دینے والے ہیں۔ جو جزا پانے والا ہے، اس کو معبود کہنا قطعاً خلاف حق ہے۔

حاصل : جنّوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ نفع و ضرر دینے کی قدرت رکھتے ہیں، قطعاً درست نہیں ہے۔ نفع و ضرر باذنِ اللہ ہوتا ہے۔ جنّوں کو یہ علم ہے کہ وہ جزا دینے والے نہیں ہیں، وہ جزا پانے والے ہیں۔

سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٥٩﴾

اللہ پاک ہے ان باتوں سے، جو یہ بیان کرتے ہیں۔

منکرین حق، اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ اللہ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ اللہ سے کوئی پیدا ہوا ہے، نہ اللہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ نہ جنّوں کو اللہ سے کوئی نسبت ہے، نہ جن یہ دعویٰ ہی کر سکتے ہیں کہ وہ الوہیت میں شریک ہیں۔ جنّوں کو تو یہ علم ہے کہ وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور انھیں ان کے کیے کی جزا دی جائے گی۔

حاصل : منکرینِ حق کاذب ہیں۔ ان کی باتیں اللہ کی شان کے لائق نہیں ہوتیں۔ ان کی باتوں کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٠﴾ مگر اللہ کے عبادِ مخلصین۔

اللہ کے حضور جو لوگ مجرمین کی حیثیت سے پیش نہیں کئے جائیں گے، وہ اللہ کے مخلص بندے ہوں گے۔ بشر ہوں یا جن ہوں اخلاص ان کی شان ہوگی۔ مخلصین کا قول سدید ہوتا ہے، پاک ہوتا ہے۔ ان کا حال ان کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ اس سکھ کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو اتباعِ حق سے انہیں حاصل ہوتا ہے۔ علمِ حقیقی کا شکریہ اسی طرح ادا ہو سکتا ہے۔ اپنے شاہد سے محبت کا یہ عالم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتے ہوئے اس کا اتباع کرتے ہیں اور یکسو رہتے ہیں۔

حاصل: اللہ کے مخلص بندوں سے تعلق باعثِ فلاحِ دارین ہے، کہ انہی کے نقوشِ قدم سے صراطِ مستقیم کا تعین ہوتا ہے۔

فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿١٦١﴾ تم اور جن کی تم بندگی کرتے ہو،

جو منکرینِ حق، جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، ان سے یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اور جن کی تم بندگی کرتے ہو، تم نے اپنے آپ کو جنوں کے ساتھ عبد و معبود کے رشتے میں باندھا ہے، اس سے تمہاری حیثیت کس قدر بدلی ہے۔

حاصل: عبد کو دیکھنا چاہئے کہ معبود کے ساتھ سے میری حیثیت میں کیا تبدیلی آئی ہے۔

مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ﴿١٦٢﴾ تم ہرگز کسی کو فتنے میں نہیں ڈال سکتے۔

منکرینِ حق اور ان کے معبود جن مل کر بھی کسی کو بہکانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسے مجبور کر کے، دھوکا دے کر بت پرستی کرائی گئی ہے، تو اس کی بات اس سند کے خلاف ہوگی، جو اللہ نے نازل فرمائی ہے۔

حاصل: کوئی طاقت کسی کو غیر اللہ کی پرستش پر مجبور نہیں کر سکتی۔

إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿١٦٣﴾ مگر انہی کو جو بھڑکتی آگ میں جانے والے ہیں۔

جو خلافِ حق کرتا ہے، وہ شعور کے ساتھ من مانی کرتے ہوئے دوزخ کی طرف جا رہا ہوتا ہے۔ جو دوزخ کی طرف جائے گا، اس کا انجام بھڑکتی آگ میں ہوگا۔ جو بہکنے کے لئے تیار ہو، شیطان اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ جو حق کو نہ مانے وہ خلافِ حق کرنے سے بچ نہیں سکتا۔

حاصل: حق کو ماننے کا انجام فلاح ہے، حق کے انکار کا انجام بھڑکتی آگ ہے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۱۶۴﴾ اور ہم میں سے جو بھی ہے اس کا ایک معلوم مقام ہے۔

ملائکہ کے بارے میں من گھڑت عقائد رکھنے والوں پر یہ واضح فرمایا گیا ہے، کہ ملائکہ کی اپنے زمرے کے بارے میں کہی ہوئی بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام یہ روشن کر رہے ہیں، کہ ہم ملائکہ میں سے ہر ایک کا ایک معلوم مقام ہے، اور ہم وہی کرتے ہیں جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر دیا جاتا ہے۔ ہماری کارکردگی اسی دائرہ کار میں ہوتی ہے، جو اللہ نے ہمارے لئے رکھا ہو۔

حاصل : جس کا مقام معلوم ہو، وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ کا کوئی شریک نہیں۔

وَّاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ﴿۱۶۵﴾ اور بے شک ہم تو صف بستہ رہتے ہیں۔

ملائکہ کی شان یہی ہے، کہ وہ امر الٰہی کی تعمیل کے لئے صف بستہ رہتے ہیں۔ اپنے زمرے کے بارے میں یہ وضاحت کہ ہم تو صف بستہ رہتے ہیں، فرشتوں کے بارے میں بے سند عقائد رکھنے والوں کو اصلاح حال میں مدد دینے کے لئے ہے۔

حاصل : امر الٰہی کی تعمیل میں صف بستہ رہنا یہی ثابت کرتا ہے کہ فرشتے وہی کرتے ہیں جو شانِ بندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ﴿۱۶۶﴾ اور ہم تو تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

ملائکہ کا اپنے بارے میں یہ کہنا کہ ہم تو اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، یہ روشن کرتا ہے کہ ملائکہ کو اللہ کی تسبیح کرتے رہنے میں اپنی شان نظر آتی ہے، اللہ کے ساتھ کا احساس ہوتا ہے۔ حمد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرنا، اللہ کی پاکی کو بیان کرنا، یہ واضح کرتا ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے سند باتوں سے کراہت ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے بارے میں بے سند باتیں ملائکہ کے لئے باعثِ کراہت ہوتی ہیں۔ اللہ کی تسبیح کرنے والے اللہ کو ایک اور لاشریک مانتے ہیں۔

وَاِنۡ كَانُوۡا لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿۱۶۷﴾ اور یہ لوگ تو کہا کرتے تھے،

بنی اسرائیل نے کس کس طرح اللہ کے رسولوں کے ساتھ بُرا سلوک کیا، انبیاء سابقین کی قوموں نے اللہ کے رسولوں کا کس طرح انکار کیا اور ان کا انجام کیا ہوا، یہ واقعات سن کر لوگ کہا کرتے تھے کہ یقیناً وہ بہت بُرے لوگ تھے، بڑے ناشکرے لوگ تھے جو اللہ کے رسولوں کی قدر نہیں کرتے تھے۔

حاصل : ماضی کے واقعات کو سن کر جو نتائج اخذ کیے جائیں ان میں اپنے مقام کو بھی دیکھنا چاہئے۔

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦٨﴾ اگر ہمارے پاس اوّلین کی کوئی نصیحت ہوتی،

لوگوں کے بارے میں واقعات سن کر ان کے عیوب کو دیکھنا نفس کے لئے بڑا خوش کن ہوتا ہے۔ یہ احساس کہ مذکورہ لوگوں نے اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت کی بےقدری کی، اسی بنا پر ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر ہوتے تو اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت کی قدر کرتے۔

حاصل : نصیحت لوگوں کے سامنے آتی ہے، اور اللہ کے علم سے آتی ہے۔ کوتاہی ہمیشہ حال پر اس کے ماننے میں ہی ہوتی ہے۔

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٩﴾ تو ہم اللہ کے عباد مخلصین ہوتے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ماضی میں اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت کی طرح، ہدایت ان کے پاس بھی آتی تو یہ اسے خوب مانتے اور اللہ کے مخلص بندوں میں شمار ہوتے، بالعموم حال پر اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے نہیں اور تلاوت الوجود تو کرتے ہی نہیں۔

حاصل : ہمیں اپنے اندر دیکھنا چاہئے، کہ ہمارے اندر حق کو ماننے کا عزم کس قدر ہے۔

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٧٠﴾ تو انہوں نے اس کا انکار کیا تو جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا۔

اپنے دعوے کو نظر انداز کرنے والے لوگوں کے سامنے حق آیا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا، اور وہ نصیحت جس کے ماننے سے انہیں عباد مخلصین میں شامل ہونا چاہئے تھا، اس نصیحت کی بےقدری کے مرتکب ہوئے۔ حق کا انکار کرنے والے جلد ہی اپنے انجام کو دیکھ لیں گے، عمل کے لئے دی گئی مہلت اور توفیق لامحدود تو ہوتی ہی نہیں۔

حاصل : اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو دیکھنا چاہئے۔ ہمارے عمل کو ہمارے قول کی تصدیق کرنی چاہئے۔ حق کا انکار کرنے والے اسی انجام کو پہنچتے ہیں، جس انجام کو پہلے منکرین حق پہنچ چکے ہیں۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا اور بے شک ہماری بات ہمارے عبادِ

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧١﴾ ج صلے

مرسلین کے بارے میں ہو چکی ہے۔

اللہ کی یہ سنت بندوں کے مشاہدے میں آچکی ہے، کہ اللہ حق کی تکذیب کرنے والوں پر حجت تمام کرنے کے بعد اپنے پاک بندوں کو اپنی خصوصی رحمت سے نوازتا ہے، اور منکرین کو نابود کر دیتا ہے۔ حق کے غلبے کو اللہ نے اپنا اور اپنے رسولوں کا غلبہ فرمایا ہے۔ جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے، وہی حق کی راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

حاصل : عبادِ مرسلین کی قدر و منزلت، ان کی اطاعت، ان کا اتباع، ان سے محبت رکھنا، یہ سب ہمارے ذمے ہے۔ اللہ کا وعدہ تو ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿١٧٢﴾ ص

بے شک وہی منصور ہوتے ہیں۔

عبادِ مرسلین کو اللہ کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کی نصرت سے بڑی کوئی نصرت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ نصرت جو نتائج پیدا کرتی ہے، اس سے حق واضح ہو جاتا ہے، اور باطل کا بھیجہ نکال کر رکھ دیا جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کی نصرت کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھنے کے معنی یہی ہیں، کہ مکذبینِ حق کی کوئی تیاری اور کوئی تعداد ہمیں مرعوب نہ کرے۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿١٧٣﴾

اور بے شک ہمارا ہی لشکر غالب ہے۔

اللہ کے لشکر میں اللہ کے پاک بندے ہوتے ہیں، اور ان کی مدد کرنے کے لئے، اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہوتے ہیں۔ اس لشکر کے مقابل جو قوت بھی ہو وہ مغلوب ہی ہوتی ہے، کہ قادرِ مطلق کے مقابل کسی کی کوئی حیثیت ہوتی ہی نہیں۔ اللہ کے لشکر میں جو لوگ شامل ہوتے ہیں، ان کا منشاء، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ نتائج کو نہیں دیکھتے اپنے حق کی احسن ادائیگی کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ خلوت و جلوت میں ان کی پاکیزگی پر شہادت موجود ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ کا لشکر ہمیشہ غالب رہتا ہے، کہ اللہ قادرِ مطلق ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿١٧٤﴾ لا

تو ایک وقت تک ان سے منہ پھیر لیجیے۔

اتمامِ حجت اللہ کی سنت ہے۔ اس سنت میں جتنے بھی مقام ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایک کو پورا کیا جاتا ہے۔ حق کو روشن کرنے کے بعد، مکذبین کو مہلت دینے کا بھی ایک مقام ہوتا ہے۔ اس وقت میں تبلیغ حق ساکن ہو جاتی ہے۔

حاصل : مکذبین حق سے منہ پھیر لینے کے حکم سے پہلے تبلیغ حق کا عمل جاری رہتا ہے۔ اتمام حجت اللہ کی شان ہے۔

وَّاَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾ اور انہیں دیکھتے رہئے تو وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔

تبلیغ حق کے عمل کو ساکن کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہنے کا حکم تھا، اس وقت میں مکذبین کیا کیا کرتے ہیں۔ یہ دیکھنا بڑی اہمیت رکھتا ہے، کہ تباہی سے پہلے کسی قوم کی حرکات اس کے عنقریب عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر دے رہی ہوتی ہیں۔ عذاب میں پکڑے جانے والوں کو وہ عذاب اسی وقت نظر آتا ہے جب وہ واقعہ ہو جاتا ہے۔

حاصل: تبلیغ حق کے بعد دیکھتے رہنے کا مقام ہوتا ہے۔ صاحب نظر اور اندھے لوگ مساوی نہیں ہوتے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ کیا ہمارے عذاب میں عجلت چاہتے ہیں۔

جو لوگ حق کے انکار کو اپنا طریق زندگی بنالیتے ہیں، وہ عذابِ الٰہی سے ڈرانے والوں سے یہی کہتے ہیں، وہ عذاب جس سے ہمیں ڈرایا جارہا ہے وہ آ کیوں نہیں رہا۔ انجام سے غافل لوگ ہر زمانے میں یہی کہتے رہے ہیں۔

حاصل: انجام سے غافل لوگ عذاب الٰہی کو جلدی چاہتے ہیں، مگر یہ لوگ عذابِ الٰہی کے سامنے اپنی حیثیت کو نہیں جانتے۔

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۱۷۷﴾ پھر جب ان کے صحنوں میں اترے گا، تو کیا ہی بُری صبح ہوگی ان لوگوں کی جن کو اس انجام سے آگاہ کیا جا چکا ہے۔

جو لوگ عذاب الٰہی کو جلد مانگتے ہیں، ان کے متعلق فرمایا گیا ہے: کہ عذاب الٰہی جب ان پر آئے گا، تو پھر ان لوگوں کے بچ جانے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، اور یہ اگلی صبح اپنے گھروں میں عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہوں گے۔

حاصل: عذابِ الٰہی، اللہ کے حکم سے آتا ہے، بالکل صحیح وقت پر آتا ہے، اس وقت حق کو مان لینا کسی کو نفع نہیں دیتا۔

وَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ﴿۱۷۸﴾ اور ایک وقت تک ان سے منہ پھیر لیجئے۔

عذاب الٰہی کو حق کی صداقت کی سند کے طور پر مانگنے والے، حق کے انکار پر اڑ جاتے ہیں۔ ان سے منہ پھیر لینے کا حکم دیا

گیا ہے۔ یہ منہ پھیر لینا بھی اتمام حجت کا ایک رکن ہے۔ غور وفکر کرنے میں اس سے یقیناً مدد مل سکتی ہے۔ اللہ کا کام بڑے علم سے ہوتا ہے اور اللہ کسی پر ظلم تو کرتا ہی نہیں. لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : مکذبین حق سے ایک وقت پر منہ پھیر لینا بھی حکم الٰہی ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

وَّاَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ اور دیکھتے رہیے، وہ بھی جلد ہی دیکھ لیں گے۔

مکذبین حق سے منہ پھیر لینے کے حکم کے بعد یہ حکم ہے کہ دیکھتے رہیے، کہ آپ کے سامنے ہی یہ لوگ عذاب میں پکڑے جائیں گے، اور جس انجام سے آپ نے ان کو آگاہ کیا تھا، وہ انجام آپ کی شہادت کے مطابق ان پر مسلط ہو جائے گا۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والوں پر ان کا انجام شاہدین کے سامنے مسلط ہوتا ہے۔

سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ آپ کا رب، رب العزت ہے اور ان صفات سے پاک ہے، جو وہ اس کے لئے بیان کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب، عزت کا مالک ہے۔ اس سے ہی عزت ملتی ہے، مرسلین کو بھی، مومنین کو بھی۔ جو لوگ حصول عزت کے لئے اپنا من پسند راستہ اختیار کرتے ہیں، وہ اللہ کے ساتھ جن صفات کا ذکر کرتے ہیں، وہ صفات اللہ کی شان کے لائق نہیں ہوتیں۔ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے، وہ علیم مطلق ہے۔ وہ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ اس سے کسی کی نیت بھی مخفی نہیں ہے، کسی کا عمل بھی مخفی نہیں ہے۔ وہ تعین سے پاک ہے اور کوئی شے اس کے مثل نہیں ہے۔

حاصل : مومن پاک اور عزت والے ہوتے ہیں۔ یہ پاکیزگی، رب العزت کی شان کو بیان کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ من گھڑت صفات کو بیان کرنا بے عزت کافروں کا طریقہ ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾ اور مرسلین پر سلام ہے۔

مرسلین، اللہ کے وہ بندے ہیں، جو قول، عمل، علم اور اخلاص کے حوالے سے لوگوں کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے نقوش قدم سے ہی صراط مستقیم کا تعین ہوتا ہے۔ ان کی عصمت میں کوئی شک نہیں، ان کے منصور ہونے میں کوئی شک

نہیں۔ ان پر اللہ سلام فرماتا ہے۔ جہاں بھی ان کے اسماء گرامی کا ذکر ہو، ان پر سلام کہنا چاہئے۔

حاصل : مرسلین کے اسماء گرامی کے ساتھ سلام کہنا بھی چاہئے، اور لکھنے کا موقع ہو تو لکھنا بھی چاہئے۔ ان کی تعظیم اور توقیر کا ہم پر حق ہے۔

۱۸۲ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ اور حمد اللہ ہی کی ہے جو ربّ العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ سب کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ اس کے پالنے میں کسی کی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔

حاصل : ربوبیّت، عالمین کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اور اس کو ربّ العالمین ہی پورا کر رہا ہے۔ جو اس بات کو مان لے، اس کی سعی حق کی احسن ادائیگی کے لئے ہوتی ہے۔ اپنی خواہش کی پیروی کے دائرے سے وہ نکل جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید (57) میں ارشاد فرمایا ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

اپنے ربّ کی مغفرت کی طرف اور جنّت کی طرف بڑھو، جس کا پھیلاؤ ہے جیسے آسمان اور زمین کا۔ تیار ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، عطا کرتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

آیاتہا ۸۸ سُوْرَۃُ صٓ رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ① ص اور نصیحت والے قرآن کی قسم۔

صٓ حروف مقطعات سے ہے۔ انسانی زندگی میں نصیحت کی اہمیت بہت واضح ہے۔ جو نصیحت علیم مطلق کی طرف سے ہو، اس سے بڑی کوئی نصیحت ہو نہیں سکتی۔ اس نصیحت میں منشاء حیات کو بیان فرمایا گیا ہے، راہ راست کو روشن کیا گیا ہے، حقائق بیان ہوئے ہیں، ماضی کے واقعات سے نتائج اخذ کرنے کا رخ دکھایا گیا ہے، جزا پر یقین رکھنے والوں اور جزا کا انکار کرنے والوں کے رویئے میں فرق دکھایا گیا ہے۔ اس میں وہ سب کچھ ہے جو بندوں کو کسی مقام پر اور کسی حال پر درکار ہو سکتا ہے اور پھر اس نصیحت کے ساتھ کسی اجر کا سوال نہیں ہے۔

حاصل : خاموشی کے مقامات پر خاموش رہنا چاہئے۔ جو نصیحت قرآنِ پاک سے تعلق نہیں رکھتی، اس کو سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔

بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ② بلکہ کافر گھمنڈ اور مخاصمت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک کے نصیحت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت کی طلب رکھنے والوں کے لئے اس میں سب کچھ ہے۔ کافر اس لئے اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، کہ ان کو گھمنڈ اور مخاصمت نے گھیرا ہوا ہوتا ہے۔ ان کا استکبار، ان کی نخوت، انہیں تسلیم حق کے مقام پر آنے نہیں دیتا۔ اور حق کے انکار کو اپنا امتیاز بنا لینے والے مخاصمت میں پھنس جاتے ہیں۔

حاصل : طلب ہدایت کا دعویٰ ہو تو گھمنڈ اور مخاصمت سے بچنا لازم ہے۔

کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ③ ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قرن ہلاک کئے۔ تو وہ فریاد کرتے رہے، اور خلاصی کا وقت گزر چکا تھا۔

جو لوگ گھمنڈ اور مخاصمت کو اپنا طریق زندگی بنالیں، انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ جس راستے پر جا رہے ہیں، ان سے قبل

اس راستے پر جانے والوں کا انجام کیا ہوا ہے۔ یہ واضح فرمایا گیا ہے، کہ ان سے قبل کتنی ہی قومیں استکبار اور مخاصمت میں مبتلا ہو کر عذاب الہی کو اپنے لئے مقدر کر چکی ہیں۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے پر یہ لوگ بہت فریادیں کرتے رہے، بہت آہ و زاری کرتے رہے، مگر اس وقت قبول حق سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکا۔

حاصل : اصلاح حال کے لئے دی گئی مہلت میں ہی، حق کو ماننا نفع دیتا ہے۔ جب یہ وقت گزر جائے تو آہ و زاری کیا فائدہ دے سکتی ہے۔

وَعَجِبُوٓا اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ ؗ وَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۖ ۚ ﴿۴﴾

اور تعجب کرنے لگے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈر سنانے والا کیسے آگیا۔ اور کافروں نے کہا یہ تو ساحر و کذاب ہے۔

منکرین حق کو جس بات پر ہمیشہ تعجب رہا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے پاس حق پہنچانے کے لئے، اور خلاف حق کرنے کی صورت میں انجام سے ڈرانے کے لئے، انہی کی مثل ایک بشر کیسے رسول ہو سکتا ہے۔ اللہ کی بندگی میں قول، عمل، علم اور اخلاص میں بشر ہی ہر مقام پر شاہد ہو سکتا ہے، اس لئے بشر کا رسول ہونا اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ کافروں نے ہمیشہ اللہ کے رسول کو ساحر اور کذاب کہا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے رسول کو ساحر اس لئے کہتے تھے کہ وہ ان کے ہاں جو نشانیاں دیکھتے تھے، ان کو محیر العقول مانتے تھے۔ مگر ان کی تعلیمات کو ماننے سے اپنی خواہشات کے دائرے سے نکلنا پڑتا تھا، اور یہ انہیں قبول نہ ہوتا تھا، اس لئے ڈر سنانے والے کو جھوٹا کہہ دیتے تھے۔

حاصل : اللہ ڈر سنانے والا، بھیجتا رہا ہے، اور وہ ہمیشہ علوم زمانہ پر حق کی فوقیت کو روشن کرتا رہا ہے، کافر اللہ کے رسول کو ساحر و کذاب کہتے رہے ہیں۔

اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾

کیا اس نے اتنے معبودوں کو واحد معبود کر دیا، بے شک یہ عجیب بات ہے۔

منکرین حق کے من گھڑت معبود ان کی خواہشات سے وجود پاتے ہیں، اس لئے ان کی تعداد بہت ہوتی ہے۔ جب انہیں معبود لاشریک کی بندگی کی طرف بلایا گیا، تو انہوں نے کہا : یہ کیا بات ہوئی، اتنے سارے معبود چھوڑ کر ایک معبود کو مانا جائے۔ اتنے معبودوں کی نفی کر دینا اور عقائد کو ایک رخ پر لانا بڑی عجیب بات ہوگی۔

حاصل : اپنی تخلیق میں ہماری تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔ اپنے معبود کی تجسیم ہمارے علم سے ہو تو یہ بڑی عجیب بات ہوگی۔

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚ﴿٦﴾

اور ان کے سردار اٹھے اور کہنے لگے جاؤ اور اپنے معبودوں کے ساتھ لگے رہو، بے شک یہ کام کرنے کا ہے۔

منکرین کے سرداروں نے معبود لاشریک کی بندگی کی دعوت کے جواب میں اپنے پیروکاروں سے کہا: یہ عجیب عقیدہ ہے، کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، اور ان کے معبود کو مان لیں۔ تم لوگ جاؤ اور اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ لگے رہو، یہ بہت ضروری کام ہے۔ اس میں کوتاہی ہوگی تو ہمارے عقائد ختم ہو جائیں گے، پھر ہمارا تشخص کیا رہ جائے گا۔

حاصل: منکرینِ حق کے سردار، لوگوں کو ان کی خواہشات سے جوڑے رکھنے میں اپنی سرداری کی سلامتی دیکھتے ہیں، اس لئے اس کام میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚۖ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚۖ﴿٧﴾

یہ ہم نے ملتِ آخر میں تو سنا نہیں، یہ صرف من گھڑت بات ہے۔

منکرین حق کے سامنے جب اللہ کے ایک ہونے کا ذکر کیا گیا، اور لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا، تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد میں تو یہ سنا نہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو اس کا ذکر وہاں ضرور ہوتا۔ یہ بات تو محض من گھڑت عقیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین کے حوالے سے یہ روشن کر دیا تھا کہ وہ سب حضرات، اللہ کو ایک مانتے تھے، کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یک سوتھے اور حق کے مقابل کبھی اپنی پسند کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔

حاصل: اپنے آباؤ اجداد کو سند جاننا اسی صورت میں درست ہوتا ہے، جب ان کا حال حق کے مطابق ہو۔

ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ؕ﴿٨﴾

کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت کا نزول ہوا۔ بلکہ وہ میری نصیحت میں شک کرتے ہیں، بلکہ ابھی میرا عذاب نہیں چکھا۔

منکرین حق یہ کہا کرتے تھے، کہ حق کا نزول اگر اللہ تعالیٰ کو کرنا ہی تھا تو اس کے لئے اللہ کو کسی صاحب ثروت کا انتخاب کرنا چاہئے تھا، کہ لوگ اس کی شان و شوکت کو دیکھتے اور اس کی بات کو سنتے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے، کہ اللہ سے بڑا علم رکھنے والا تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اس نے جس پر اپنی نصیحت کو نازل فرمایا ہے، اس سے بہتر اس کام کے لئے کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اعتراض کرنے والے، اللہ کی نصیحت میں شک کرتے ہیں، اور اس نصیحت کو من گھڑت کہہ رہے ہیں۔ جس انجام سے ان لوگوں کو آگاہ

کیا گیا ہے، وہ انجام بصورت عذاب ان کو گھیرے گا تو ان کا شک رفع ہو جائے گا۔

حاصل : اللہ کے علم کی شان سب سے بڑی ہے۔ اس نے جس پر نصیحت کو نازل فرمایا، نفاذِ حق کے لئے وہی بہترین صورت تھی۔ نصیحت میں شک ہو تو ناصح کو کب مانا جاتا ہے۔ عذاب الٰہی کو دیکھ کر لوگ حق کو مان جایا کرتے ہیں۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾

کیا آپ کے ربّ عزیز و وہاب کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں۔

جن لوگوں کو نصیحت کے نزول کے متعلق اعتراض ہے، ان کے متعلق فرمایا گیا ہے : ربّ العالمین عزت والا ہے، عطا کرنے والا ہے، مالک کل ہے۔ سب خزانے اسی کے ہیں۔ اس کی رحمت اسی کے علم سے تقسیم ہوتی ہے اور اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں ہے۔ اس نے جن صاحب پر نصیحت کو نازل فرمایا ہے، ان سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ یہ عطا ہے رب عزیز و وہاب کی۔ رحمت کے خزانے اللہ کے ہیں، ان کی تقسیم بھی اللہ کے علم سے ہوتی ہے اور اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔

حاصل : عطاء الٰہی پر اعتراض کرنے والے سے اس کا مقام معلوم کرنا چاہیے۔

أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾

کیا آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین مقامات پر ان کی حکومت ہے۔ پھر وہ اوپر چڑھ جائیں۔

ربّ عزیز و وہاب کی رحمت کے خزانے، آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین مقامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سب مقامات پر اللہ کی حکومت ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ اگر نصیحت کے نزول میں، اعتراض کرنے والوں کو کچھ دخل ہو سکتا ہے، تو پھر وہ ان مقامات تک پہنچیں جہاں سے یہ رحمت تقسیم ہو رہی ہے۔ یہ تو ان لوگوں کے لئے ممکن ہی نہیں ہے پھر ان کا اعتراض کیا معنی رکھتا ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین سب مقامات پر اللہ کی حکومت ہے، اور اس کی حکومت میں دخل دینا ممکن ہی نہیں۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾

ایک لشکر یہ بھی ہزیمت اٹھانے والے لشکروں میں ہو گا۔

جو لوگ گھمنڈ میں مبتلا تھے، اور حق کے ساتھ مخاصمت کو اپنا امتیاز جانتے تھے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ یہ لوگ جس راستے پر چل پڑے ہیں، اس راستے پر چلنے والے ہزیمت ہی اٹھاتے ہیں۔ ان کی کوئی تعداد، ان کی کوئی تیاری، انھیں تباہی سے بچا نہیں سکتی، کہ قادرِ مطلق کے سامنے، کسی طاقت کا مقام ہی کیا ہوتا ہے۔

حاصل : حق پر رہنے والوں کو اس بات سے بڑی تقویت ملتی ہے، کہ خلافِ حق کرنے والے لوگوں کا انجام ہزیمت ہی ہوتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾

ان سے قبل قوم نوح اور عاد، اور لشکروں والے فرعون نے تکذیب کی۔

ماضی میں ہزیمت اٹھانے والے لشکروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو اندھی قوم فرمایا گیا ہے۔ یہ لوگ حق کی مخالفت میں اندھے ہو گئے تھے، بہت بڑی تعداد میں تھے، بڑے قوی لوگ تھے، مگر عذاب الٰہی نے ان کو غرق کر دیا۔ عاد بھی بڑے زور آور تھے، بڑے ہنرمند تھے، تعداد بھی بہت تھی، عذاب الٰہی نے انہیں مٹا کر رکھ دیا۔ فرعون کی فوجیں بڑے لشکروں پر مشتمل تھیں۔ زمین میں وہ اپنی قوت کا بڑا زعم رکھتا تھا۔ عذاب الٰہی کے سامنے اسے اور اس کی فوجوں کو کتنی دیر ٹھہرنا نصیب ہوا۔

حاصل : حق کی تکذیب کرنے والے، بہت بڑی تعداد میں ہوں، بڑی قوت والے ہوں، بڑے ہنرمند ہوں، بڑے منظم ہوں، وہ ہمیشہ ہزیمت ہی اٹھایا کرتے ہیں۔

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾

اور ثمود اور قوم لوط اور بَن والے، یہ بڑے لشکر تھے۔

ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ یہ بڑے طاقت ور لوگ تھے، پہاڑوں میں گھر تراش لیتے تھے۔ ان لوگوں نے اللہ کی نشانی دیکھی۔ اس نشانی کو جو اللہ کی اونٹنی تھی، بُرائی سے مس کرنا منع فرمایا گیا تھا۔ ان لوگوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بھی آسودہ لوگوں پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں نے فاشی کو اپنا امتیاز بنایا تھا، اور عورتوں کے مقابل مردوں پر شہوت رانی کی رغبت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کو جب نصیحت کی گئی تو انھوں نے جواب یہی دیا، کہ جو لوگ پاکیزگی چاہتے ہیں، انھیں اپنے قریئے سے نکال دیا جائے۔ بَن والوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام رسول ہوئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو حق پہنچایا، اور انھیں ناپ اور تول کو پورا رکھنے کی تاکید کی۔ یہ سب بہت بڑے بڑے گروہ تھے، بڑے وسائل والے لوگ تھے۔ ان سب گروہوں نے خلاف حق کرنے کی راہ کو اختیار کیا۔

حاصل : ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت کی، قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کی

مخالفت کی، بَن والوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی مخالفت کی۔ خلافِ حق کرنے والوں کو اپنے مقام اور حیثیت کا ان سے موازنہ کر کے دیکھ لینا چاہیئے۔

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾

ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی، تو میرا عذاب ہو کے رہا۔

مذکورہ قوموں کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی، اور جس انجام سے ان لوگوں کو ڈرایا گیا تھا، وہ انجام واقع ہو کے رہا۔ ان لشکروں کی یہ طاقت نہ تھی کہ اللہ کے عذاب سے بچ جاتے، عذاب الٰہی نے ان کو مٹا کر رکھ دیا۔

حاصل : حق کو جھٹلانے کا انجام، تباہی ہی ہوا کرتا ہے۔ اللہ کے عذاب سے بچ نکلنا کسی کے بس میں ہوتا ہی نہیں۔ صالحین کا انجام اور ہوتا ہے، مفسدین کا انجام اور ہوتا ہے۔ متقین کا انجام اور ہوتا ہے، فجّار کا انجام اور ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ صٓ (38) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾

کیا ہم ایمان والوں کو جو صالح عمل کرتے ہیں، زمین میں فساد مچانے والوں کی طرح کر دیں گے۔ کیا ہم متقین کو فجار کی طرح کر دیں گے۔

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿١٥﴾

اور یہ لوگ بھی صرف ایک آسمانی صیحہ کے انتظار میں ہیں، جس کے بعد کوئی مہلت نہ ہو گی۔

مکذّبین حق کو پہلے بھی ایک ہی ڈانٹ کے ساتھ، جو سخت آواز کی صورت میں آسمان سے آتی تھی، ہلاک کیا جاتا رہا ہے۔ جب یہ لوگ، حق کو جھٹلانے والے لوگوں کی راہ کو اختیار کریں گے، تو انجام بھی وہی ہو گا، جو پہلے ہوتا رہا ہے۔ ان کی طاقت، ان کی صولت، ان کی تیاری، بس ایک ہی آواز کے ساتھ ختم ہو جائے گی، اور انہیں مہلت نہ ملے گی۔ اس وقت حق کو ماننا ان لوگوں کے لئے نافع نہ ہو گا۔

حاصل : مکذّبین حق کی راہ کو اپنانے والا، اسی انجام کا منتظر ہوتا ہے، جو ان کے سامنے آچکا ہوتا ہے۔ عذاب الٰہی کے سامنے کسی طاقت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

اور کہتے ہیں اے ہمارے رب یوم حساب سے قبل عجلت سے ہمیں ہمارا حصہ دے دے۔

منکرین حق ازراہ تمسخر یہ کہا کرتے تھے، کہ ہمیں یوم حساب سے ڈرایا جارہا ہے، وہ تو پتہ نہیں کب آئے گا، اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے، یا ہم پر کوئی الناک عذاب لے آ۔ سورۂ انفال آیت (32) میں یہ فرمایا گیا ہے۔ یہاں بھی اللہ کے رسول کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے عذاب الٰہی مانگا گیا ہے اور جلدی مانگا گیا ہے۔ عذاب الٰہی کے سامنے اپنی حیثیت کو نہ دیکھنے والے ہی ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔

حاصل : جہالت و غرور لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے عذاب الٰہی کو دیکھ کر حق کو ماننے کا دعویٰ کیا ہے، ان کی بات کبھی سنی نہیں گئی، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہو تو، توبہ قابل سماعت نہیں رہتی۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داوٗد (علیہ السلام) کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے، بے شک وہ رجوع رہنے والے تھے۔

مکذّبین حق کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرنے کا حکم ہے۔ صبر یہ ہے کہ مکذّبین حق کی بے ہودگی کا جواب نہ دیا جائے، اور اللہ کی رضا کے مطابق رہا جائے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کی حیات طیبہ میں اقتدار کا بہت بڑا مقام تھا، بڑی بادشاہی تھی۔ جسمانی قوت بھی بہت تھی۔ مگر مشکل مقامات سے ان کا بھی گزر ہوا۔ حضرت داوٗد علیہ السلام تائید ایزدی کے لئے ہمہ وقت رجوع الی اللہ رہتے تھے، اپنا حق ادا کرنے میں کمی نہیں کرتے تھے، نتائج کو باذن اللہ مانتے تھے اور اللہ کی رضا کو ہر مقام پر مقصود جانتے تھے۔

حاصل : مکذّبین حق کی باتوں پر صبر کرنا پاک لوگوں کی طریقت ہے۔ قوت و اقتدار کی موجودگی میں حضرت داوٗد علیہ السلام اللہ کی رضا کو ہر مقام پر مقصود جانتے تھے۔ حال کی تصدیق ماضی سے ہوتی ہے۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

ہم نے پہاڑوں کو آپ کی معیت میں مسخر کر دیا، کہ وہ شام و صبح کو تسبیح کرتے تھے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کو یہ شان عطا کی گئی، کہ پہاڑوں کو اللہ نے آپ کے لئے مسخر کر دیا۔ شام وقت تغیر ہے کہ رات کی آمد ہو رہی ہوتی ہے، اشراق وقت تغیر ہے کہ دن کی آمد ہو رہی ہوتی ہے۔ ان اوقات میں تسبیح کرنا اللہ کے پاک بندوں کی طریقت رہی ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام بھی شام و صبح اللہ کی تسبیح کرتے تھے، مگر اس تسبیح میں پہاڑ بھی آپ کے ہم نوا ہوتے تھے۔

حاصل : شام کو بھی تسبیح کرنی چاہئے، صبح کو بھی تسبیح کرنی چاہئے، اور بلند آواز کے ساتھ کرنی چاہئے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۭ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾

اور پرندے، جھنڈ کے جھنڈ آپ کے ساتھ رجوع لاتے تھے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام جب اللہ کی تسبیح کرتے تھے، تو شام و صبح کو سماں یہ ہوتا تھا، کہ پہاڑ آپ کے ہم نوا ہوتے تھے، پرندے اپنی اپنی ٹولیوں کے ساتھ آپ کے ہم نوا ہوتے تھے۔ ہر شے اپنے خالق کی تسبیح کرتی ہے اور اللہ کے پاک بندے کے مقام اور اہمیت کے حوالے سے اس کے ساتھ کی قدر کرتی ہے۔

حاصل : پرندے اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، شام کو بھی کرتے ہیں، صبح کو بھی کرتے ہیں۔ ان کو ساتھ ملا کر تسبیح کرنے میں جو راحت ہے اسے عملاً محسوس کیا جا سکتا ہے۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

اور ہم نے آپ کے ملک کو مستحکم کیا، اور آپ کو حکمت عطا کی اور عادلانہ فیصلہ کرنے کا شرف بخشا۔

اللہ نے رعایا کے دلوں میں حضرت داوٗد علیہ السلام کی پاکیزگی کو محبوب بنایا۔ ان کی قوت و صولت کے حق کے مطابق استعمال ہونے کا یقین ان کے اندر راسخ ہو گیا۔ یوں اللہ نے آپ کے ملک کو مستحکم کیا۔ آپ کو حکمت عطا فرمائی۔ حکمت خیر کثیر ہے۔ آپ چیزوں کو ان کے صحیح محل پر رکھتے تھے، اس طرح ہر شے اپنی افادیت دکھاتی تھی۔ اور آپ ترجیحات کا تعین حکمت سے کرتے تھے کہ لوگ سکھی رہیں۔ تنازعات کا فیصلہ، معاشرتی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کو حقائق کے جاننے میں دیر نہیں لگتی تھی، اس طرح فیصلہ حق کے مطابق اور جلد ہو جاتا تھا۔

حاصل : رعایا، حاکم کو محبوب جانتی ہو تو ملک مستحکم ہوتا ہے۔ اللہ ہی کسی کے ملک کو مستحکم کرے تو وہ مستحکم ہوتا ہے۔ حکمت و فصلِ خطاب، حاکم کی وہ صفات ہیں جو حکومت کی شان کو واضح کرتی ہیں۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾

اور کیا آپ کو ان جھگڑنے والوں کی خبر پہنچی ہے، جب انہوں نے محراب کی دیوار پھاندی۔

مستحکم حکومت کی مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ ایک مقدمے کے دونوں فریق حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کرتے ہیں۔ وہ وقت مقدمات کے سننے کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ مقام، عدالت نہیں ہے۔ فیصلہ کرنے والے صاحب، خلوت میں ہیں اور فیصلہ چاہنے والے اپنے دکھ کے حوالے سے انتظار نہیں کر سکتے۔ حاضری کے لئے دربان اجازت نہیں دیتے، تو یہ لوگ دیوار پھاند کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ جاتے ہیں۔

حاصل : عادلانہ فیصلہ کرنے والے صاحب تک رسائی ممکن نہ ہو، فریقین ان صاحب کے فیصلے کے قدر دان ہوں، انتظار ممکن نہ ہو، تو مقررہ حدود کا احترام قائم نہیں رہتا۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

جب وہ داؤد (علیہ السلام) کے ہاں داخل ہوئے تو آپ کو حیرت ہوئی۔ عرض کرنے لگے، آپ خائف نہ ہوں، ہم دو فریق ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، تو ہمارے مابین حق کے مطابق فیصلہ کر دیجئے اور بات کو دُور نہ ڈالئے اور ہمیں سیدھی راہ دکھایئے۔

جب یہ لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس خلوت میں پہنچ گئے، تو آپ کو اس سے حیرت ہوئی۔ ان کا بے وقت آنا، ان کی تعداد، دربانوں کا ان لوگوں کی آمد سے پہلے آگاہ نہ کرنا وغیرہ باعث حیرت ہوا۔ ان لوگوں نے عرض کیا، کہ آپ خائف نہ ہوں۔ عام آدمی ایسی صورت میں اپنی کیفیت کو جانتے ہوئے، کسی پاک بندے کے بارے میں بھی یہی سوچ سکتا ہے، مگر جو اللہ کے ساتھ ہو اس کو گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ ان لوگوں نے اپنی حاضری کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا : ہم دو فریق ہیں۔ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ آپ حق کے مطابق فیصلہ کر دیجئے، اور بات کو دور نہ ڈالئے، اور ہمیں سیدھی راہ دکھا دیجئے، کہ ہم حق کے حوالے سے اپنے آپ کو ٹھیک رکھ سکیں اور خواہشات کی پیروی سے بچ سکیں۔

حاصل : پاک لوگوں کو اللہ کے ساتھ کی بدولت کبھی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ خلافِ معمول واقعات باعثِ حیرت ہوتے ہیں۔ جھگڑے کے بعد فریقین کا تعین، جھگڑے کی نوعیت، عدل کرنے والے

کے سامنے حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی درخواست، تاخیر سے بچانے کی استدعا اور سیدھی راہ کی طرف راہنمائی، حصولِ امن کے لئے یہ سب ارکان ہیں۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں، اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ تو یہ کہتا ہے وہ بھی مجھے دے دے، اور خطاب میں مجھ پر بھاری ہے۔

مظلوم فریق نے اپنا مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا، کہ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ تو یہ کہتا ہے وہ بھی مجھے دے دے اور خطاب میں مجھ پر بھاری ہے۔ ملت کے حوالے سے اُخوت کا رشتہ تعارف میں اپنا مقام رکھتا ہے۔ دُنبیاں جہاں معاش کے حصول کا ذریعہ ہوں وہاں وہ معاشی اکائی بھی بن جاتی ہیں۔ ننانوے دنبیاں رکھنے والا یہ کہتا ہے، ایک دنبی کو رکھ کر تم خواہ مخواہ مشقت میں پڑے ہو، یہ بھی مجھے دے دو۔ اور بات میں مجھ پر بھاری ہے، میں اس کے استدلال کے سامنے دبا ہوا ہوں۔ زیردست کو زبردست سے بچنے کے لئے عدل کرنے والوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

حاصل : عدل کرنے والے کے سامنے مقدمہ پیش کرتے وقت، حقائق بیان کرنے چاہئیں اور مخالف کے سامنے اپنی حیثیت کا ذکر بھی کرنا چاہئے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾

السجدة ۱۰

فرمایا، بے شک یہ تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کے سوال سے تم پر ظلم کرتا ہے اور بے شک اکثر مخلوط کام کرنے والے ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، سوائے ان کے جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے، اور وہ قلیل ہی ہیں۔ اور داؤد (علیہ السلام) نے جانا کہ ہم نے انھیں دیکھا ہے، پھر اپنے رب سے استغفار کی اور رکوع میں پڑے اور رجوع لائے۔

مدعا علیہ نے مدعی کے بیان کو درست تسلیم کیا۔ عدم اعتراض بھی تسلیم کی ایک صورت ہوتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو حقائق جاننے میں دیر نہیں لگی۔ آپ نے فیصلہ فرمادیا، کہ ننانوے دنبیوں والا، ایک دنبی والے سے، اس کی ایک دنبی کو مانگ کر ظلم کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ لوگ اکثر مال کے لالچ میں دوسروں پر زیادتی کرتے ہیں۔ جو لوگ ایمان والے ہوں، صالح عمل کرتے ہوں وہ محنت ضرور کرتے ہیں، مگر رزق کو اللہ تعالیٰ کی عطا جانتے ہیں اور عطاء الٰہی کو پورا جانتے ہیں۔ ایسے لوگ قلیل ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی خلاف حق نہیں کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمانے کے بعد یہ محسوس کیا، کہ ہم نے انہیں دیکھا ہے۔ حصول عدل کے لئے خلوت تک بلا اجازت پہنچ جانے والوں سے خفگی کا اظہار ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر روشن ہوا، کہ عدالت کے اوقات مقررہ کے بعد بھی فوری نوعیت کے نزاعات کے لئے، عدل کرنے والوں تک رسائی آسان ہونی چاہئے۔ اس پر آپ نے اپنے ربّ سے بخشش طلب کی، رکوع میں پڑے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے۔

حاصل : مدعا علیہ کا موقف سننے کے بعد فیصلہ کرنا چاہئے۔ ظلم کا تعیّن ہو تو عدل ممکن ہوتا ہے۔ شرکاء معاملہ ایک دوسرے کے سکھ کے مقابل اپنی حیثیت کو بڑھانے کی کوشش میں لگ جائیں تو یہ زیادتی ہوتی ہے۔ ایمان والے اور صالح عمل کرنے والے محنت ضرور کرتے ہیں اور اپنے مقام پر کبھی کوتاہی نہیں کرتے، مگر رزق کو عطاء الٰہی جانتے ہیں، اور پورا مانتے ہیں۔ خدمتِ خلق کا جو شرف بھی حاصل ہو، اس میں لوگوں کی سہولت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٢٥﴾

پھر ہم نے آپ کو معاف کر دیا اور بے شک آپ کے لئے ہمارے پاس مرتبہ اور احسن ٹھکانا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے رجوع الی اللہ ہونے کے ساتھ، خدمت خلق میں کوتاہی کے ایک مقام سے آگاہ ہونے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوتاہی کو معاف کر دیا۔ توبہ و انابت بندے کے مرتبے میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔ اللہ جس کو قرب خاص سے نوازے اس کا ٹھکانا یقیناً احسن ہوتا ہے۔

حاصل : توبہ کرنا بندے کی شان میں اضافہ کرتا ہے۔ جسے اللہ اپنے قرب خاص سے نوازے، اس کے ٹھکانے کو احسن ماننا چاہئے۔

يٰدَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ

اے داؤد (علیہ السلام) بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ ٹھہرایا۔ تو لوگوں کے مابین حق کے ساتھ حکم کیجئے، اور

الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

خواہش کی پیروی نہ کیجئے کہ وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے پھر جاتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے یوم حساب کو بھلائے رکھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے زمین میں خلیفہ ٹھہرایا، اور خلافت کا علم بھی عطا فرمایا۔ خلافت کا علم یہ ہے کہ لوگوں کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور کسی فیصلے میں اپنی پسند کو داخل نہ کیا جائے، کہ حق کے ساتھ اپنی پسند کو داخل کرنا بندے کو راہ راست سے ہٹا دیتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے پھر جاتے ہیں وہ یوم حساب کو بھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال کا انجام شدید عذاب کی صورت میں ان کو گھیر لے گا۔

حاصل : اللہ جس کو آسانی عطا کرے وہ بھی فیض یاب ہوتا ہے اس کے پیچھے آنے والے بھی اس فیض سے نوازے جاتے ہیں۔ خلافت کا علم یہ ہے کہ لوگوں کے مابین حق کے مطابق فیصلہ کیا جائے، اور خواہش کی پیروی نہ کی جائے۔ خواہش کی پیروی سے بندہ یومِ حساب کو بھلانے کا ثبوت دیتا ہے، جس کا انجام عذابِ شدید ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا (34) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی، اور یہ ان کے دسویں حصے کو بھی نہ پہنچے جو ہم نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ پھر انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی، تو کیسا ہوا میرا انکار۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، بے مقصد نہیں پیدا کیا۔ یہ کافروں کا گمان ہے۔ تو خرابی ہے کافروں کے لئے آگ سے۔

تخلیق سے پہلے مقصد تخلیق کا ہونا ضروری ہے۔ آسمانوں کا خالق بھی اللہ ہے، زمین کا خالق بھی اللہ ہے، اور آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ ہے وہ بھی اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی خالقِ کل ہے۔ اس نے کسی شے کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ جو شے مقصدِ تخلیق کے مطابق استعمال ہو گی، اس کا شکریہ ادا ہو جائے گا، اور جو شے اپنے مقصدِ تخلیق کے خلاف استعمال ہو گی، اس کی

ناشکری ہو جائے گی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اشیاء کو خلافِ حق استعمال کرتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ اشیاء کے استعمال کا کوئی راستہ اللہ نے متعین نہیں کیا ہے، اور من مانی کرنا جائز ہے۔ وہ کافر ہیں اور خرابی کے راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ اس راستے سے دوزخ میں جا پڑیں گے۔

حاصل : کسی شے کو بھی خلافِ حق استعمال کرنا، ناشکری ہے، اور ناشکری بندے کو زیب نہیں دیتی۔ من مانی کرنا کافروں کا طریقہ ہے اور کافروں کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے صالح عمل کئے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح ٹھہرا دیں گے، یا ہم متقین کو فاجروں کی طرح ٹھہرا دیں گے۔

اللہ پر ایمان لانے والے، اپنی صداقت کا ثبوت صالح اعمال سے پیش کرتے ہیں، صالحین کو معیار جانتے ہیں اور کسی مقام پر من مانی نہیں کرتے۔ کسی جگہ بھول ہو جائے تو اصلاح کو اختیار کرتے ہوئے توبہ سے آلودگی کو دور کرتے ہیں۔ زمین میں فساد پھیلانے والے، من مانی کرتے ہیں، ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں اور امن کو تباہ کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ صالحین کے خلاف ہوتے ہیں۔ متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اپنا حق ادا کرنے کے بعد نتائج کو باذن اللہ جانتے ہیں، اور جزا کا یقین ان کے حسنِ عمل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ فاجر وہ لوگ ہیں جو جزا کو نہیں مانتے، جہالت اور غرور سے خلافِ حق کرتے رہتے ہیں اور ماضی میں فاجروں کے انجام سے سبق نہیں سیکھتے۔

حاصل : ایمان والے صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت دیتے ہیں۔ صالحین اور مفسدین کو برابر قرار دینا خلافِ حق ہے۔ متقیوں کو فاجروں کے برابر ٹھہرانا خلافِ حق ہے۔ جہاں اللہ نے وقف کو لازم رکھا ہے، وہاں وقف رکھنا قطعاً حق ہے۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾

یہ کتاب مبارک ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے، کہ لوگ اس کی آیات میں تدبّر کریں اور عقل والے نصیحت مانیں۔

قرآنِ پاک ہدایت و رحمت ہے، مگر استفادہ مومنین ہی کرتے ہیں۔ یہ کتاب یقیناً مبارک ہے، مگر برکت وہی حاصل کر سکتے ہیں، جو گھمنڈ اور مخاصمت کی روش کو چھوڑ دیں۔ یہ کتاب علیمِ مطلق کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔ اس کے احکام کو

ماننے کے لئے اس ذاتِ پاک کا اتباع لازم ہے، جس پر اس کتاب کا نزول ہوا ہے۔ اللہ کی حب ہو تو اللہ کے رسول کا اتباع ہو سکتا ہے۔ قرآنِ پاک کی آیات میں تدبر یہ ہے، کہ انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، فرمانِ الٰہی سے بہتر رہنمائی کہیں سے نہیں مل سکتی۔ عقل والے یہ دیکھتے ہیں کہ جس نصیحت میں ناصح کی کوئی غرض نہ ہو، اور ناصح بڑے علم والا ہو، اس نصیحت کو ماننے میں ہی بھلا ہوتا ہے۔

حاصل : قرآنِ پاک مبارک کتاب ہے۔ حصولِ برکت کا راستہ یہ ہے، کہ حکم اللہ کا ہو نمونہ اللہ کا محبوب ہو۔ تدبّر کرنے والے احکامِ الٰہی کی قدر کرتے ہیں۔ نصیحت کا قدردان ہی نصیحت کو مانتا ہے اور وہی عقل مند ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُۥٓ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾

اور ہم نے داوٗد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) عطا کیے، خوب بندے، بے شک وہ رجوع رہنے والے تھے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام کو اللہ نے فرزندِ ارجمند عطا کیا، نام سلیمان علیہ السلام رکھا گیا، نعم العبد ہونے کی شان عطا کی گئی اور اوّاب ہونے کی سند نازل فرمائی گئی۔ خوب بندہ وہ ہوتا ہے، جو حدودِ عبدیت میں رہتے ہوئے، شعور کے ساتھ رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے ہمہ وقت لگا رہے۔ خدمتِ خلق بھی اللہ کی رضا کے لئے کرے اور نتائج کو بھی باذن اللہ جانے۔ جب خدمتِ خلق سے فراغت ہو تو اللہ کا ذکر کرے۔ اوّاب وہ ہوتا ہے جو حق کی ادائیگی کے بعد یہ کہتا ہے کہ یا اللہ میرے اعمال کی طرف نہ دیکھیو اپنے کرم کی طرف دیکھیو۔

حاصل : خوب بندے کی صفات کو روشن کرنا، راہِ خیر کو روشن کرنا ہے۔ اوّاب کو کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اس نے بندگی کا حق ادا کر دیا ہے، وہ یہی کہتا ہے : یا الٰہ العالمین میرے اعمال کی طرف نہ دیکھیو، اپنے کرم کی طرف دیکھیو۔

إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِٱلْعَشِىِّ ٱلصَّٰفِنَٰتُ ٱلْجِيَادُ ﴿٣١﴾

جب آپ کی خدمت میں تیسرے پہر عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے پیش کئے گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت بڑی سلطنت عطا فرمائی گئی تھی۔ اس بڑی سلطنت کے ساتھ جہاد کی تیاری واضح اہمیت رکھتی ہے۔ جہاد کے لئے گھوڑوں کا پالنا اور سنبھالنا ایک رکن کا درجہ رکھتا ہے۔ جن لوگوں کے ذمے یہ خدمت لگائی گئی تھی، انہوں نے اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے عمدہ گھوڑے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں تیسرے پہر پیش کئے۔

حاصل : جہاد سے متعلق امور کو امیرالمومنین کے سامنے پیش کرنے کا منشاء، تیاری اور

حسن کارکردگی پر انہیں شاہد بنانا ہوتا ہے۔

فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾

تو فرمایا، بے شک میں اپنے ربّ کی خاطر ان کو پسند کرتا ہوں، حتیٰ کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

نعم العبد کی وضاحت فرمائی گئی ہے، کہ گھوڑوں کو جہاد کے لئے تیار دیکھ کر آپ کو خوشی ہوئی تو آپ نے اس وقت بھی اپنے ربّ کی حمد ہی بیان کی، اور اپنی پسند کو اپنے ربّ کی رضا کے تابع رکھا۔ گھوڑے بڑی تعداد میں تھے۔ آپ ان کی کارکردگی دیکھتے رہے۔ وہ گھوڑے اپنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ آپ نے ان گھوڑوں کو جاتے ہوئے دیکھا، اور اس تیاری پر آپ کو خوشی ہوئی۔

حاصل : خوب بندے کی یہ شان ہے، کہ وہ جو بھی کرتا ہے اپنے رب کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ امیر المومنین کو جہاد کی تیاری کا مشاہدہ کرتے رہنا چاہئے۔

رُدُّوْهَا عَلَیَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر ان کی پنڈلیوں پر اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کی روانگی دیکھی۔ آپ کو خوشی ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے ان کی آمد کو دیکھنا ضروری سمجھا۔ حکم دیا گیا، انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ آپ نے سبک رفتاری سے گھوڑوں کو آتے دیکھا تو اس مشاہدے کا حق ادا ہو گیا۔ پھر آپ نے قریب ہو کر ان کی پنڈلیوں پر اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا۔ گھوڑوں کو تیار کرنے والوں نے جس حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، ان کو داد دینے کا صحیح طریقہ یہی تھا، کہ گھوڑوں کی پنڈلیوں پر ہاتھ پھیر کر اور گردنوں پر ہاتھ پھیر کر ان لوگوں کو شاباش دی جائے۔

حاصل : گھوڑوں کی روانگی بھی دیکھنی چاہئے، آمد بھی دیکھنی چاہئے، اور گھوڑوں کو تیار کرنے والوں کے کام کی داد دیتے وقت گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا چاہئے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰى كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

اور بے شک ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کو دیکھا اور ایک جسد ان کی کرسی پر ڈال دیا۔ پھر آپ رجوع لائے۔

اللہ تعالیٰ نے نعم العبد حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے، کہ ہم نے ان کا امتحان لیا۔ ہونے کے مقام پر شکر ادا کرنے والے اور نہ ہونے کے مقام پر صبر کرنے والے، اللہ کے پیارے ہوتے ہیں۔ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ نے شیاطین کو یہ توفیق دی کہ وہ من مانی کر سکیں۔ جسد اس بے جان بچھڑے کے لئے بھی آیا ہے، جس سے گائے کی طرح کی آواز نکلتی تھی۔ یہ ایک بے جان جسم تھا، جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر رکھ دیا گیا، اور شیاطین نے اس کی پوجا کی اور کفر کے مرتکب ہوئے۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ سند موجود ہے کہ انہوں نے کفر نہیں کیا۔ شیاطین لوگوں کو یہ کہتے رہے، کہ یہی جسد معبود ہے۔ خواہشات کی پیروی کرنے والے ان کی باتوں کو مانتے بھی رہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا نظام ان کی آنکھوں کے سامنے اس طرح ہو گیا، کہ انہیں بندے کی حیثیت وضاحت کے ساتھ معلوم ہو گئی۔ اللہ کی قدرت، اس کا فضل، اس کی رافت و رحمت اور اس کی عنایات سب کچھ روشن ہو گیا۔ آپ نے اس مشاہدے کے بعد معطیٔ مطلق کی طرف رجوع ہو کر بندگی کا حق ادا کیا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھا جاتا ہے۔ کسی کو کس طرح دیکھنا ہے، یہ فیصلہ اللہ ہی کرتا ہے۔ جو لوگ پاک ہوتے ہیں، اس طرح ان کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے، جو لوگ پاک نہیں ہوتے ان کے کذب کا ثبوت ملتا ہے۔ خوب بندے کی یہی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے اور اپنی حیثیت کو اللہ کے فضل کی بدولت جانے۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾

عرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے شایاں نہ ہو، بے شک تو ہی وھاب ہے۔

حسن عبادت میں پہلا مقام یہ ہے، کہ اپنے لئے مغفرت طلب کی جائے، جس کے معنی یہ ہیں کہ یا اللہ دانستہ طور پر بھی کوتاہی ہو جاتی ہے، نادانستہ طور پر بھی کوتاہی ہو جاتی ہے، تجھ سے بخشش طلب کرتے رہنا ہی حق ہے۔ آپ نے ایسی سلطنت کے لئے دعا کی جو آپ کے بعد کسی کے شایاں نہ ہو۔ آپ نے کفر کی سرکوبی کے لئے ایسی توفیق مانگی کہ پھر کسی کو کفر کی سرکوبی کے لئے ایسی کوشش نہ کرنی پڑے۔ یہ دعا ذاتی جاہ و جلال کے لئے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے مقام کا احسن ہونا اس کی سند ہے۔ وھاب، وہ عطا کرنے والا ہے، جس کے سب محتاج ہیں اور اسے کوئی احتیاج نہیں۔ وھاب سے مانگنے والے کو یہ یقین ہو کہ وہ جو چاہے عطا کر سکتا ہے، تو دعا کرنے والے کے اندر بے چینی نہیں رہتی۔

حاصل : دعا کی ابتدا طلب مغفرت سے کرنی چاہئے۔ کفر کی سرکوبی کے لئے توفیق کی دعا کرنی چاہئے۔ یہ بھی کہنا چاہئے، یا اللہ تو ہی وھاب ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾

تو ہم نے آپ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا، کہ وہ آپ کے امر سے چلے، آرام کے ساتھ، اور وہ جائیں جہاں چاہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا گیا۔ ہوا کو آپ کے امر کے تابع بنایا گیا، کہ وہ آرام کے ساتھ آپ کو آپ کی وسیع سلطنت میں جہاں آپ چاہیں، لے جاتی تھی۔ بادشاہ کے بارے میں حکومت کے ارکان کو یہ یقین ہو کہ وہ جب چاہے سرعت کے ساتھ ان کے پاس پہنچ سکتا ہے، تو وہ نظام حکومت کے درست رکھنے میں کبھی غفلت نہیں برتتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ نے یہ آسانی عطا فرمائی، کہ اصلاحِ حال کے لئے کسی بھی مقام پر سرعت کے ساتھ پہنچ سکتے تھے۔

حاصل : آسانیاں عطا کرنا، اللہ کی شان ہے۔ اصلاح حال کے لئے سربراہ حکومت کا موقع پر پہنچ جانا، بے بدل افادیت رکھتا ہے۔ نظام حکومت کے درست رکھنے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔

وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾

اور شیاطین کو بھی، جو ماہر معمار اور غوطہ خور تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دینے کے بعد، جس نوازشِ الٰہی کا ذکر ہے، وہ بیان فرمائی گئی ہے۔ شیاطین کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا۔ یہ شیاطین جن تھے، جو آپ کے حکم کے مطابق خدمات سرانجام دیتے تھے۔ ان کی صلاحیت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام ان سے خدمات لے لیتے تھے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ حال پر جو آسانیاں عطا کرنا چاہے، اسے دیر نہیں لگتی۔ مخالفت کرنے والوں کو مغلوب کر دینا، انہیں خادم بنا دینا اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔ اللہ جو بھی کرتا ہے اپنے علم سے کرتا ہے۔

وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾

اور دوسرے وہ جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

جو شیاطین، فساد سے رکتے نہیں تھے، ان کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا۔ یہ آپ کی قید میں تھے۔ یہ آپ کی منشاء کے خلاف کوئی کام کرنے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ اس قوت کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کر سکتے تھے۔

حاصل : جو فساد سے باز نہ آئے، اس کے دائرہ کار کو محدود کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ عطاء الٰہی بڑے علم سے ہوتی ہے، اس لئے اس سے جو فائدہ پہنچتا ہے، وہ کسی دوسری صورت میں پہنچ نہیں سکتا۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

یہ ہماری عطا ہے تو احسان کیجئے یا روک رکھئے، آپ پر کچھ حساب نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے امتحان کے بعد، ان کی صداقت کے ثبوت کے بعد، ان کو اس مقام پر پورا دیکھنے کے بعد کہ اللہ کی رضا کے علاوہ ان کو کچھ مطلوب نہیں ہے، عطاء الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ احسان کرنے کی حقیقت، اصلاح یافتہ قیدیوں کو آزاد کر دینا ہے۔ روک لینے کی حقیقت یہ ہے، کہ کسی کے دعوٰی کو کہ وہ کبھی فساد نہیں کرے گا، نہ مانا جائے۔ فیصلہ کرنے کا حق حضرت سلیمان علیہ السلام کو تھا۔

حاصل : اختیارات دینے سے پہلے، صداقت و امانت کی تصدیق کا مقام ہونا چاہئے۔ بعد میں صاحب اختیار کی قدر ہی کرنی چاہئے۔

ع ۱۴ ۱۲ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾

اور بے شک آپ کے لئے ہمارے پاس مرتبہ اور احسن ٹھکانا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے یہ سند نازل فرمائی گئی ہے، کہ ان کا مقام اللہ کے نزدیک بلند ہے اور ان کا ٹھکانا احسن ہے۔ جو بیان آپ کے مقام کو پست ثابت کرے، جو بیان آپ کے انجام کو اچھا ثابت نہ کرے، اس کو فرمانِ الٰہی کے خلاف جانتے ہوئے رد کر دینا حق ہے۔ جو لوگ، اللہ کے پاک بندوں کے اخلاق حسنہ سے روشنی نہ لیں، وہ من مانی کرنے کی راہ سے بچ نہیں سکتے اور من مانی کرنے والوں کی راہ کا انجام ہمیشہ خسارہ ہی ہوتا ہے۔

حاصل : جس کے مرتبے اور احسن مقام کی اللہ نے سند نازل فرمائی ہے، اس کے ساتھ کسی خلاف حق بات کو منسوب کرنا فرمانِ الٰہی کا انکار ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ صٓ (38) میں فرمایا ہے۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾

یہ نصیحت ہے اور بے شک متقین کا ٹھکانا احسن ہے۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ

اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کو

اِنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

یاد کیجئے، جب آپ نے اپنے ربّ کو ندا دی کہ بے شک شیطان نے مجھے دکھ اور اذیت سے مس کیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مقام کو قرب الٰہی کے حوالے سے بیان فرمایا گیا ہے۔ شیطان کا تسلط ایمان والوں پر اور اپنے رب پر توکل کرنے والوں پر ہوتا ہی نہیں۔ اس کا تسلط انہی لوگوں پر ہوتا ہے، جو اسے دوست بنائیں اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو مقام شکر پر پورا دیکھنے کے بعد مقام صبر پر بھی دیکھا گیا۔ آپ مقام صبر پر بھی پورے رہے، اور صابرین کے لئے روشنی کا مینار ہوئے۔ اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ شاہدین کا مقام صبر پر پورا رہ کر دکھانا بھی لوگوں کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے، مقام شکر پر پورا رہ کر دکھانا بھی لوگوں کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے۔ مصائب و آلام ختم ہو جائیں تو درجات اور بلندیاں بھی سب ختم ہو جائیں۔ شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام کو دکھ اور اذیت سے مس کیا اور یہ کہا کہ اللہ کی بندگی سے اس جسمانی اور روحانی کیفیت کا کیا تعلق ہے۔

حاصل : کسی خلاف حق بات کو اللہ کے پاک بندوں سے منسوب کرنا قطعاً بے ادبی ہے۔ بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاننا حق ہے، برائی کو شیطان سے منسوب کرنا، بندگی کا حصہ ہے۔ شیطان، انسانی صفات کو جانتا تو ہے۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائیے، یہ ہے ٹھنڈے پانی کا چشمہ غسل کے لئے اور پینے کے لئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنا دکھ اور اذیت بارگاہ الٰہی میں بیان کیا اور پاکیزگی اور سلامتی کے لئے دعا کی، تو حکم ہوا کہ اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائیے۔ جسم میں اتنی سکت تھی کہ آپ ٹھوکر لگا سکتے تھے۔ آپ کا ٹھوکر لگانا تھا کہ ایک چشمہ جاری ہو گیا۔ یہ پانی آپ کے لئے باعث شفا ہوا۔ بیرونی استعمال کے لئے بھی یہی پانی تھا، اور پینے کے لئے بھی یہی پانی تھا۔

حاصل : دعا حسب حال ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کو آسانیاں عطا کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ ٹھنڈے اور صاف پانی کا جلد پر بھی اچھا اثر ہوتا ہے، احشاء پر بھی اچھا اثر ہوتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

اور ہم نے آپ کو آپ کے اہل، اور ان کے ساتھ ان کی مثل اور، عطا فرمائے اپنی رحمت سے اور عقل والوں کی نصیحت کے لئے۔

مقام شکر و صبر پر پورا دیکھنے کے بعد حضرت ایوب علیہ السلام کو انعامات الٰہی سے نوازا گیا۔ وہ سب کچھ جو آپ کو حاصل تھا، وہ بھی عطا کیا گیا، مزید بھی عطا کیا گیا۔ رحمت الٰہی سے آپ کی ذات بابرکات نے فیض پایا اور عقل والوں پر یہ واضح ہوا، کہ بے صبری مشکلات کا حل نہیں ہو سکتی، اور بے صبری سے قرب الٰہی کے مقام پر رہنا ممکن نہیں ہوتا اور قرب الٰہی سے جو فائدہ پہنچتا ہے وہ کسی دوسری صورت میں پہنچ ہی نہیں سکتا۔

حاصل : جس کی صداقت اللہ کے ہاں دیکھی جائے، اسے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ کی رحمت اس کا احاطہ کر لیتی ہے، عقل والے اس سے نصیحت لیتے ہیں۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مُٹھا لے کر اس سے ضرب لگا لیجئے، اور قسم نہ توڑیئے۔ بے شک ہم نے آپ کو صابر پایا، خوب بندگی کرنے والا۔ بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے آپ کو سزا دینے کی قسم کھائی تھی، احساس یہ تھا کہ مقام صبر پر خاموش رہنا چاہئے تھا، نفس کو دکھ کے اظہار کی اجازت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسانی عطا فرمائی اور یہ حکم دیا کہ جتنی ضربیں لگانے کی قسم کھائی تھی، ان کو یکبارگی لگا لیجئے۔ مُٹھا پکڑ کر ایک ہی بار اپنے آپ کو مار لیجئے، بات پوری ہو جائے گی۔ پاک بندے کی زبان، اللہ کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس لئے اس سے نکلے ہوئے الفاظ کو وقعت دینی چاہئے۔ اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر و استقامت کا ذکر کیا ہے، حسنِ بندگی کا ذکر کیا ہے اور آپ کی انابت کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب صفات قرب الٰہی کے لئے لوازمات کا درجہ رکھتی ہیں۔

حاصل : پاک زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو وقعت دینی چاہئے، یہ اللہ کی سنّت ہے۔ صبر و استقامت، حسنِ بندگی اور اوابیت قربِ الٰہی کے لئے لوازمات کا درجہ رکھتی ہیں۔

وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

اور ہمارے بندوں ابراہیم (علیہ السلام) اور اسحاق (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کو یاد کیجئے، جو قوت والے اور بصیرت والے تھے۔

اللہ کے رسولوں کا منشاء لوگوں کو بشارت دینا اور ڈر سنانا تھا۔ اتمام حجت میں اس کی اہمیت واضح ہے۔ قوت کی حقیقت

امانت ہے۔ جس کا ہاتھ امین ہو وہ امامت کا حق ادا کر سکتا ہے۔ لوگ اس کو اجتماعی مفادات کا محافظ جانتے ہیں، اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ جو ہر مقام پر رضاء الٰہی کو مقصود رکھے وہ منور ہو جاتا ہے، اور صاحب بصیرت ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کے نور ہدایت کی بدولت ظلمات سے نور کی طرف آنے لگتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر ان کی قوت اور بصیرت کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

حاصل : قوت کی حقیقت امانت ہے، اور بصیرت کی حقیقت، حق کی قدر و منزلت ہے۔

إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾

بے شک ہم نے انہیں ذکر آخرت کے حوالے سے ممتاز کیا تھا۔

جو قوت و بصیرت کے ساتھ حق کی احسن ادائیگی کو اپنا حال بنالے، اسے امتیاز عطا ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے ساتھیوں سے یہی کہتا ہے، کہ حق سے کبھی غافل نہ ہونا اور یاد رکھنا تمہیں موت، مسلمان کی حیثیت سے آئے۔ جو حال پر مسلمان ہے، وہ سلامتی کے مقام پر ہے۔ آخرت میں بھی اسے سلامتی حاصل ہو گی، کہ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے۔ دار آخرت پر یقین بندے کے عمل میں نظر آئے تو دیکھنے والوں کو پتہ چلتا ہے، کہ کس طرح قول پر عمل شاہد ہونا چاہئے۔

حاصل : خلوص، خصوصیت کا اصل ہے۔ دار آخرت پر یقین بندے کے عمل میں نظر آنا چاہئے، ساتھیوں کو اسی طرح روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔

وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٧﴾

اور بے شک وہ ہمارے نزدیک چُنے ہوئے اخیار میں سے ہیں۔

جو اللہ کے نزدیک خیر والے ہیں، راہ خیر پر ہونے کے حوالے سے وہ سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ خیر والے، صابر ہوتے ہیں، خوب بندے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں، کہ ہم پر کیا حق عائد ہوتا ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ لوگ ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ جس کو اخیار کے ساتھ محبت ہو، وہ طلب خیر رکھنے کے دعوے میں سچا ہے۔ اس کے نیک ہونے میں شک نہیں کرنا چاہئے۔

حاصل : نیک لوگ ہمیشہ صابر ہوتے ہیں، خوب بندگی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ان سے محبت رکھنے والے بھی بلاشبہ نیک ہوتے ہیں۔

وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

اور اسمٰعیل (علیہ السلام اور یسع (علیہ السلام) اور ذوالکفل (علیہ السلام)

کو یاد کیجئے، وہ سب اخیار میں سے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے متعلق صابر ہونے کی اور صالح ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت (87) میں حضرت یسع علیہ السلام کی عالمین پر فضیلت مذکور ہے۔ یہ سب حضرات، اللہ کے نزدیک خیر والے لوگ ہیں۔ ان کا مقصود رضاء الٰہی کا حصول تھا۔ ہونے کے مقام پر ان حضرات نے شکر کیا ہے، نہ ہونے کے مقام پر ان حضرات نے صبر کیا ہے۔ یہ نہیں دیکھا کہ ان کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے، یہی دیکھا ہے کہ ان پر جو حق عائد ہوتا ہے وہ رضاء الٰہی کے مطابق شاہدین کے حوالے سے پورا ہونا چاہئے۔ یہ حضرات نتائج کو ہمیشہ باذن اللہ جانتے رہے ہیں۔

حاصل : اخیار کا ذکرِ خیر ہمیشہ باعث برکت ہوتا ہے، کہ ان کے نقوشِ قدم سے نیک لوگوں کو تقویّت ملتی ہے۔ جس صفت کی قدر کی جائے، اسے قدر دان کی صفت بن جانا چاہئے، اس سے کم ماننے کا ثبوت کیا ہو گا۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾

یہ نصیحت ہے، اور بے شک متّقین کا ٹھکانا احسن ہے۔

قرآن پاک نصیحت ہے۔ علیم مطلق کی طرف سے ہے۔ اس میں ماننے والوں کی بھلائی کا یقینی علم ہے۔ ناصحین، نصیحت کے ساتھ کسی اجر کا سوال نہیں کرتے۔ جس نصیحت کا تعلق قرآن پاک سے نہ ہو وہ سند کا درجہ نہیں رکھتی۔ حق کے مطابق ہو جانے والے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے لوگ متقی ہیں۔ ان کا ٹھکانا دنیا میں بھی احسن ہے کہ انہیں اللہ کی معیّت نصیب ہے، آخرت میں بھی احسن ہو گا، کہ یہ انعامات سے نوازے جائیں گے۔

حاصل : نصیحت کا تعلق ہمیشہ قرآنِ پاک سے ہونا چاہئے۔ نصیحت کو ماننے والوں کا ٹھکانا دنیا میں بھی احسن ہے، آخرت میں بھی احسن ہو گا۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾

سدا بسنے کے باغ۔ ان کے لئے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

متقی حضرات کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ ان کے اعمال کی جزا سدا بسنے کے باغ ہوں گے۔ جنت کے دروازے، جنتیوں کے انتظار میں کھلے ہوئے ہوں گے۔ فرشتے جنتی حضرات پر ان کے جنت میں داخلے کے وقت سلام کہیں گے۔ اللہ کے ہاں پاک لوگوں کی یہ قدر و منزلت ہو گی۔

حاصل : بسنے کے مقامات کو پودوں سے زینت دینا حسنِ معاشرت کا حصہ ہے۔ مہمانوں کی قدر و منزلت کا اظہار عملاً ہونا چاہئے۔

مُتَّكِـِٕيۡنَ فِيۡهَا يَدۡعُوۡنَ فِيۡهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

تکیہ لگائے ہوئے وہ وہاں کثیر میوے اور مشروبات طلب کرتے ہوں گے۔

اہل جنت سکھ میں ہوں گے۔ وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ انہیں جنت میں وہ ملے گا جو وہ چاہیں گے۔ بہت سے میوے اور مشروبات، ان کی طلب کے مطابق انہیں پیش کیے جائیں گے۔ جیسے اپنے گھر سے کسی شے کے طلب کرنے میں کوئی حجاب نہیں ہوتا، ویسے ہی متقین کو جنت میں کسی شے کے طلب کرنے میں حجاب نہیں ہو گا۔ طلب جو بھی ہوگی وہ ساتھیوں کی تعظیم و تکریم کے لئے ہوگی۔

حاصل : تکیہ لگا کر بیٹھنا اور بٹھانا، پھلوں اور مشروبات سے مہمانوں کی تواضع کرنا، حسنِ معاشرت کا حصہ ہے۔

وَعِنۡدَهُمۡ قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ اَتۡرَابٌ ﴿۵۲﴾

اور ان کے پاس بیبیاں ہوں گی، نیچی نگاہ والی، ہم سن۔

اہل جنت کو جنّت میں اجتماعی حیات کے ساتھ، انفرادی سطح پر بھی بڑے سکھ سے نوازا جائے گا۔ وہ عورت جو اپنے شوہر کی ہم سن ہو اور شوہر کے علاوہ کسی طرف دیکھنا اسے ناگوار ہو، یقیناً بڑی نعمت ہے، کہ جنت کی نعمتوں میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ازواج مطہرہ کی شان دیکھئے کہ اللہ نے ان کی طہارت پر شہادت دی ہے۔

حاصل : پاک بیبیوں کی صفات کو روشن کرنا چاہئے، کہ بیبیاں ان صفات کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور ان صفات کو اپنا حال بنائیں۔

هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِيَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۵۳﴾

یہ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا، یوم حساب کے لئے۔

اہل جنت کو سکھ سے نوازا جائے گا۔ اس کی تفصیل بیان فرمانے کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے : یہ ہے وہ وعدہ جو یوم حساب کے لئے متقی حضرات سے کیا جاتا تھا، اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ یہ وعدہ مالک یوم الدین کا وعدہ ہے۔ یہ وعدہ اعمال کی پوری پوری جزا دینے والے کا وعدہ ہے۔ یہ وعدہ اس کا وعدہ ہے، جو ماضی، حال اور مستقبل پر مطلق قدرت رکھتا ہے۔

حاصل : جو راہِ انعام پر ہے، اس سے حساب کے دن اس وعدے کو پورا کرنا، اللہ کی شان ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

بے شک یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہ

ہو گا۔

اہل جنّت کو جو کچھ بھی عطا ہو گا، اس کو رزق فرمایا گیا ہے۔ یہ رزق پاک ہو گا، کہ اللہ کا عطا کردہ ہو گا، اور کبھی ختم ہونے والا نہ ہو گا، کہ اللہ کے ہاں صداقت کا ثبوت ملنے کے بعد دائمی پاک دامنی کی سند مل جاتی ہے۔ پھر ایسی بہار آتی ہے جس کے بعد اللہ نے خزاں کا مقام ہی نہیں رکھا۔

حاصل : اللہ کے انعامات رزق ہیں۔ اللہ کے ہاں صداقت کا ثبوت، دائمی پاک دامنی کے انعام سے جڑا ہوا ہے۔ اللہ کا دیا ہوا رزق دائمی ہو گا۔

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾

ان کو تو یہ ہے۔ اور بے شک سرکشوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہو گا۔

متّقین اہل جنّت ہوں گے۔ ان کا انجام بیان فرمانے کے بعد، طاغوت پر ایمان لانے والوں کا انجام بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہ سرکش لوگ بڑائی اور حق سے مخاصمت کو اپنا طریق زندگی بنا لیتے ہیں۔ حال پر خوف و حزن کے مقام پر رہتے ہیں، آخرت میں عذاب کے مقام پر ہوں گے۔ من مانی کرنا سرکشی کی بنیاد ہے۔

حاصل : انجام کے تقابل سے حجّت پوری ہوتی ہے۔ من مانی کرنا سرکشی کی بنیاد ہے۔ سرکش لوگ بڑائی کے اظہار اور حق سے مخاصمت کو اپنا طریق زندگی بنا لیتے ہیں۔ حال پر خوف و حزن کے مقام پر رہتے ہیں، آخرت میں عذاب کے مقام پر ہوں گے۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

جہنّم، کہ اس میں جائیں گے، تو کیا ہی بُرا بچھونا ہے۔

سرکش لوگوں کا انجام جہنّم ہو گا۔ سرکش اپنے اعمال کی جزا جس مقام پر پائیں گے وہ مقام جہنّم ہے، اور جہنّم بہت ہی برا بچھونا ہے۔ اعمال میں رخ درست ہو تو انجام راحت کی صورت میں سامنے آتا ہے، رخ درست نہ ہو تو انجام دکھ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

حاصل : جہنّم میں جانا سرکشی کی جزا ہے۔ اعمال میں رخ درست نہ ہو تو انجام برا ہی ہوتا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

یہ ہے جلانے والا پانی اور پیپ، تو یہ لوگ اس کو چکھیں۔

سرکشوں کو ان کے اعمال کے بدلے میں جو کچھ جہنم میں ملے گا، اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تکلیف دہ مشروب ہوں گے، جو انتہائی گرم، انتہائی بدذائقہ اور سخت ناگوار بو والے ہوں گے، اور ان لوگوں کو جہنم میں مذکورہ چیزوں کو پینا پڑے گا۔

حاصل : سرکش لوگوں کو ان کے اعمال کے بدلے، حقوق العباد کی ادائیگی کے مقابل من مانی کرنے کے بدلے، ایسے مشروب پینے پڑیں گے، جو لمس کے اعتبار سے بھی شدید ہوں گے، ذائقے اور بو کے اعتبار سے بھی سخت ناگوار ہوں گے۔

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾

اور ان کے علاوہ ان کی ہم شکل اور چیزیں ہوں گی۔

جہنم میں سرکش لوگوں کو جو کچھ بھی ملے گا، وہ ان کے اعمال کا بدلہ ہو گا، جو دیکھنے میں بھی تکلیف دہ ہو گا، چکھنے میں بھی تکلیف دہ ہو گا، بو کے لحاظ سے بھی تکلیف دہ ہو گا اور اس کو کھائے پئے بغیر کوئی چارہ بھی نہ ہو گا۔

حاصل : سرکش لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ، ایسی خوراک کی صورت میں دیا جائے گا، جس کا دیکھنا، چکھنا، سونگھنا سب تکلیف دہ ہو گا، مگر اس خوراک کو استعمال بھی کرنا پڑے گا۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

یہ گروہ بھی تمہارے ساتھ دھنسے گا۔ ان کے لئے مرحبا نہیں ہے۔ وہ سب آگ میں جانے والے ہیں۔

سرداران ضلالت جب اپنے پیروکاروں کو دوزخ کی طرف آتا دیکھیں گے، تو آپس میں یہ بات کریں گے، کہ یہ گروہ بھی تمہارے ساتھ ہی جہنم میں پڑے گا، ان کے لئے خوش آمدید نہیں ہے، ان پر خدا کی مار ہو، وہ سب آگ میں جانے والے ہیں۔ خلافِ حق دوستی غرض وغایت کے لئے ہوتی ہے اور جب غرض وغایت ختم ہو جائے تو دشمنی میں بدل جاتی ہے۔ قیامت کے دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔

حاصل : سردارانِ ضلالت دنیا میں اپنے پیروکاروں کو مرحبا کہتے ہیں، آخرت میں اس کے خلاف کریں گے۔ من مانی کرنے والے عذاب کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾

وہ کہیں گے بلکہ تمہیں ہی مرحبا نہ ہو۔ تم نے ہی تو یہ ہمارے لئے فراہم کیا ہے۔ تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

پیروکار جب اپنے سرداروں کی بات سنیں گے، تو اسی زبان میں جواب دیں گے، اور یہ بھی کہیں گے، کہ جو عذاب ہم سامنے دیکھ رہے ہیں، یہ تمہارا ہی فراہم کردہ ہے۔ تم ہمیں اسی کی دعوت دیتے رہے ہو۔ تو کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے جہاں بُرائی کی ترغیب دینے والوں کا ساتھ ہے اور آگ کا عذاب ہے۔

حاصل : پیروکار جب سرداروں کی بدخواہی کو دیکھ لیں تو پھر انہیں وہ کچھ نظر آنے لگتا ہے، جو پہلے نظر نہیں آتا تھا۔ وہ ٹھکانا بُرا ہے، جہاں بُرائی کی ترغیب دینے والوں کا ساتھ ہو اور اس ٹھکانے کو تبدیل کرنے کی توفیق نہ ہو۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ ﴿۶۱﴾

وہ کہیں گے۔ اے ہمارے ربّ جس نے ہمارے لئے یہ سامان کیا اسے آگ میں دگنا عذاب دے۔

گمراہوں کے پیروکار یہ کہیں گے، کہ اے ہمارے ربّ جس نے ہمیں خلافِ حق کرنے کی ترغیب دی، جس نے ہمیں من مانی کرنے پر اکسایا، جس نے ہمیں اس منزل پر پہنچایا، اسے آگ میں دگنا عذاب دے۔ بُرائی کا انجام سامنے آئے تو بُرائی کی ترغیب دینے والے کے لئے یہی دعا نکلتی ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے پیروی تو اپنی خواہشات کی کرتے ہیں، مگر بُرائی کا انجام سامنے آنے پر سردارانِ ضلالت کے لئے بڑے عذاب کی دعا کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾

اور کہیں گے کیا بات ہے، کہ ہم ان لوگوں کو یہاں نہیں دیکھتے جنہیں ہم اشرار میں شمار کرتے تھے۔

سردارانِ ضلالت کہیں گے، کہ ہم یہاں دوزخ میں ان لوگوں کو نہیں دیکھ رہے، جن کو ہم اشرار میں شمار کرتے تھے۔ وہ لوگ رسومات کو اہمیت نہ دیتے تھے، اس لئے رسومات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ کسی کے مال کی کثرت انہیں مرعوب نہ کرتی تھی، بس پاکی کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ ناداری کی شکایت وہ نہیں کرتے تھے۔ ہم ان لوگوں کے بارے میں قسمیں کھاتے تھے، کہ ان کا کبھی بھلا نہیں ہو گا۔

حاصل : جو منکرینِ حق کے خلاف ہو وہ اسے شرپسند کہتے ہیں۔ جب انجام کار حق کو ماننے والے خسارے میں نظر نہ آئیں تو منکرینِ حق کو حیرت ہوتی ہے۔

أَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

کیا ہم نے ان کے ساتھ تمسخر کیا تھا، یا ہماری آنکھیں ان سے چوک رہی ہیں۔

سرداران ضلالت یہ کہیں گے، کہ جن لوگوں کو ہم اشرار کہتے تھے، جن کو دباتے ہوئے ہم کہتے تھے کہ تم ہماری ملت میں لوٹ آؤ، ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنے قریئے سے نکال دیں گے، اور جو ہماری اس بات کے جواب میں اپنی کراہت کا واضح طور پر اظہار کرتے تھے، کیا ہم نے ان کی ناداری کو دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ مذاق کیا تھا درآنحالیکہ وہ اللہ کے پاک بندے تھے اور ناصحین سے محبت رکھتے تھے، یا یہ بات ہے کہ وہ یہیں کہیں ہیں اور ہماری آنکھیں انہیں دیکھ نہیں رہیں۔

حاصل : عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے گزر جانے کے بعد غور و فکر کرنا اور اپنے مشاہدے اور عمل کو ناقص ماننے پر تیار ہونا بے عقل لوگوں کا کام ہے۔

إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

بے شک اہل نار کی مخاصمانہ باتیں ایک امر واقعہ ہے۔

اہلِ جہنّم کی تُو تکار ایک حقیقت ہے، جو یقیناً واقعہ ہوگی۔ جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ جن کو وہ اشرار کہتے تھے اور جن کے بارے میں قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر کبھی رحمت نہ کرے گا، وہ تو جنّت میں ہیں، تو ان کو اپنے ماضی پر سخت افسوس ہو گا۔

حاصل : اہلِ نار کا آپس میں باہمی رشتہ غرض و غایت پر قائم ہوتا ہے اور پاکی سے خالی ہوتا ہے۔ جس تعلق کی بنیاد پاکیزگی پر نہ ہو اس کا انجام باہمی جھگڑا ہی ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء (21) میں منکرینِ حق کے متعلق فرمایا ہے۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿۹۸﴾

تم اور جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہے، تمہیں اس پر پہنچنا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾

فرما دیجئے کہ میں تو منذر ہی ہوں اور معبود کوئی نہیں سوائے اللہ واحد قہّار کے۔

منذر کی شان ہے، کہ اسے علمِ الٰہی سے نوازا گیا۔ آپ نے حق پر پورا رہ کر دکھایا اور خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا۔ علمِ حقیقی کے بڑھنے سے خوفِ خدا کا بڑھنا لازم ہے۔ جو خوفِ خدا نہ رکھتا ہو، وہ ڈر سنانے کا حق ادا نہیں کر

سکتا۔ معبود قادرِ مطلق ہے، ایک ہے اور قہار ہے۔ اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے، وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے، باقی سب اس کے سامنے اس کی عطا کردہ توفیق کے مطابق جواب دہ ہیں۔ جو منذر کی مان لے، اس کی بات اللہ مان لیتا ہے۔ جو منذر کی نہ مانے وہ صراطِ مستقیم کو کہاں سے پائے گا۔ جو منذر کی صفات کو اپنالے وہ ماننے کے دعوے میں سچا ہے، جو حق کو سنے اور من مانی کرے وہ تکذیب کا مرتکب ہوتا ہے۔

حاصل : حقِ تبلیغ صرف اللہ کی رضا کے لئے ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا، ایک ماننا اور قہار ماننا بندگی ہے۔ ماننے کا ثبوت، خلوت و جلوت میں اللہ کی رضا کو مقصدِ حیات بنانے سے ملتا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے، عزت والا، بخشنے والا۔

یہ معبود کی شان ہے، جو ایک ہے اور قہار ہے، کہ آسمانوں میں، زمین میں اور آسمانوں اور زمین کے مابین تمام مقامات پر ربوبیت اسی کی طرف سے ہو رہی ہے۔ ربّ العالمین کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ جو بھی کرتا ہے، اپنے علم سے کرتا ہے۔ اس کی قدرت کا غلبہ ہر مقام پر موجود ہے۔ جو حق کو مان لے وہ عزت پالیتا ہے کہ مومنین میں شمار ہو جاتا ہے۔ اسے پاک ہونے کی سند مل جاتی ہے، اسے بخشش سے نوازا جاتا ہے۔

حاصل : ربوبیت ہر مقام پر اللہ کی شان ہے۔ حق کو ماننے والے کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے، اسے بخشش نصیب ہوتی ہے۔ تبلیغ حق کرنے والوں کو یہ دیکھنا چاہئے کہ حق کو ماننے والوں کی عزت میں اضافہ ہو اور ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے ماضی کا ذکر نہ ہو۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ﴿۶۷﴾

فرما دیجئے یہ ایک عظیم خبر ہے۔

قیامت کی خبر، بہت بڑی خبر ہے۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت کُلّی طور پر ختم ہو جانے کی خبر بہت بڑی خبر ہے۔ یوم الدّین کی خبر بہت بڑی خبر ہے۔ قیامت کے وقوع کو روکنا قطعاً ممکن نہیں کہ یہ قادرِ مطلق کے امر سے واقع ہوگی، اس دن اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو گا، اس لئے منکرینِ حق پر وہ دن بڑا بھاری ہو گا۔

حاصل : قیامت کی خبر بہت بڑی خبر ہے۔ اس خبر کے دینے والے کو ناصحؐ امین ماننا چاہئے۔

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾

تم اس سے اعراض کر رہے ہو۔

یوم الدّین کی خبر کو سن کر اصلاح کی طرف آنے سے غفلت، اعراض ہے۔ بہت بڑی خبر دینے والے سے اپنا تعلق معلوم

ہو، تو خبر دینے والے کی قدر کی جاتی ہے، اس سے ہدایت طلب کی جاتی ہے، راہِ ہدایت اختیار کی جاتی ہے اور ناصح صاحب کو اپنا شاہد بنایا جاتا ہے۔

حاصل : جزا کی خبر سن کر من مانی کے راستے کو نہ چھوڑنا وہ رویہ ہے، جو غافل کو خسارے تک پہنچا دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾

مجھے عالم بالا کا علم نہیں جب وہ تکرار کر رہے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے جو بھی فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے فرمایا ہے۔ عالم بالا میں ملائکہ کی باتیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے حوالے سے انہوں نے کی تھیں، آپ کی زبان پاک سے بیان ہوئیں۔ یہ بیان اللہ تعالیٰ سے آپ کے تعلق کو ثابت کرتا ہے۔

حاصل : علمِ حقیقی کی شان کو پہچاننا چاہیے۔ جس کو اللہ اپنی بات عطا کردے، اس کی ذاتی بات کوئی ہوتی ہی نہیں۔

إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٧٠﴾

مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ میں واضح ڈر سنانے والا ہوں۔

شانِ رسالت کو روشن فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے رسول کسی ذاتی علم سے بات نہیں کرتے، اللہ کے عطا کردہ علم سے بولتے ہیں۔ وحی سے جو علم عطا ہوا وہی سب سے ارفع ہے۔ اس عطاءِ الٰہی کا منشاء یہ بتایا گیا ہے، کہ لوگوں پر ان کے رخ کے حوالے سے ان کے انجام کو واضح کر دیا جائے تاکہ وہ شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو استعمال کریں۔

حاصل : اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ روشن راستہ ہے، جس سے قیامت تک لوگ استفادہ کرتے رہیں گے۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴿٧١﴾

جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا، بے شک میں بشر کو مٹی سے خلق کرنے والا ہوں۔

ملاءِ اعلیٰ میں جو باتیں ہوئیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے، کہ بشر پر حقائق روشن ہوں۔ اس کی ابتداء اس کے علم میں آئے،

ملائکہ کے تاثرات اس کے علم میں آئیں، خالقِ کُل کا یہ بیان اس کے علم میں آئے کہ اس نے ملائکہ سے فرمایا، مجھے علم ہے اور سب سے بڑا علم میرا ہی ہے، تم نہیں جانتے۔

حاصل : کائنات میں بشر کے مقام کو خالقِ کل نے جس قدر اہمیت دی ہے، اس پر نظر رہنی چاہئے۔ قربِ الٰہی کے لئے، نیابت کے لئے جو اہلیت بشر کو دی گئی ہے وہ کسی اور کو نہیں دی گئی۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ ﴿۷۲﴾

پھر جب میں اسے پورا کر دوں اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے سے پہلے، لباس بشریت میں آنے سے پہلے ملائکہ کو آپ کی تعظیم کے لئے تیار کیا گیا، اور یہ حکم دیا گیا، کہ جب وہ بنائے جا چکیں اور ان میں روح پھونک دی جائے تو سب سجدہ کریں۔ کائنات میں، علم کے حوالے سے، حضرت آدم علیہ السلام کے مقام کی فضیلت کو منوایا گیا۔

حاصل : بشر کو ہی خلافت کا اہل بنایا گیا ہے۔ اپنے خلیفہ کی فضیلت کا اعتراف کرانا، اللہ کی سنت ہے۔ دھیان رکھنا چاہئے کہ ابتداء درست ہو۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۷۳﴾

تو سب ملائکہ نے آپ کو سجدہ کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے کے بعد اور آپ کے وجود میں روح پھونکے جانے کے بعد سب فرشتوں نے امرِالٰہی کے مطابق آپ کی تعظیم کی اور آپ کو سجدہ کیا۔ اللہ کے حکم کو ماننا پاکیزگی کا ثبوت ہے۔ جو پاک ہے وہ صرف اللہ کی رضا کو مقصود جانتے ہوئے بندگی کا حق ادا کرتا ہے۔ حکم کو ماننا، حکم دینے والے کی شان کو تسلیم کرنا ہے اور ادب ہے۔

حاصل : امرِالٰہی کی تعمیل، اللہ تعالیٰ کو اعلم ماننے کا ثبوت ہے۔ حق کو ماننے والے ہی پاک ہوتے ہیں۔

إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۷۴﴾

سوائے ابلیس کے، اس نے تکبّر کیا اور نہ ماننے والوں سے ہو گیا۔

ابلیس بھی اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتا تھا، ملائکہ کے ساتھ تھا۔ جب ملائکہ نے امرِالٰہی کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام

کو سجدہ کیا، تو ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے امرِ الٰہی کو نہ مان کر تکبر کیا۔ اس طرح نہ ماننے والوں کے رخ کا تعین ہو گیا۔ حق کا انکار کرنے والوں کا سربراہ ابلیس ہے۔

حاصل : باادب ہونے کا دعویٰ ہو تو عملاً اس کا ثبوت بھی دینا چاہئے۔ استکبار اور حق کا انکار، ابلیس کی صفات ہیں۔

قَالَ يٰٓاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ ﴿۷۵﴾

فرمایا : اے ابلیس تجھے کس نے اسے سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں خلق کیا، کیا تو نے تکبّر کیا یا تو ہے ہی بڑائی والوں سے۔

علیمِ مطلق کی طرف سے، ابلیس کے سجدہ نہ کرنے پر یہ پوچھا گیا : تجھے کس چیز نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکا، جسے اللہ کے دستِ قدرت سے وجود پانے کا شرف حاصل ہے۔ اللہ کے ہاتھوں کا تعین ممکن نہیں۔ اس کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ پوچھا گیا : کیا تو نے خود سری کی ہے، یا تو ہے ہی ان سے جو بڑائی کے زعم میں مبتلا رہتے ہیں۔ استکبار کسی صفت یا صفات سے متعلق ہو سکتا ہے، بڑائی کا زعم نسب سے تعلق رکھتا ہے۔

حاصل : علیمِ مطلق ہر حال کا علم رکھتا ہے۔ ابلیس کو کس چیز نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے منع کیا تھا، اللہ یقیناً جانتا تھا، سنّتِ الٰہی یہ رکھی گئی ہے کہ حکم عدولی کرنے والے سے یہ سوال کرنا چاہئے۔ کسی حکم عدولی کرنے والے سے وضاحت طلب کرنے سے پہلے اگر اسے سزا دی جائے گی، تو اللہ سے آگے قدم بڑھانے والی بات ہو گی اور یہ ممنوع ہے۔

قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۷۶﴾

کہنے لگا، میں اس سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

ہر شے کا علم رکھنے والے، خالقِ کل کے سامنے ابلیس کا جواب یہ تھا : کہ میں اس بشر سے بہتر ہوں۔ مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اس حوالے سے میرا نسب برتر ہے اس کے مقابل جسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ علیم مطلق کو اپنے مقام کے بارے میں بتانا یقیناً جہالت ہے۔ مٹی کا مقام کیا ہے، اس میں کیا کیا خزانے رکھے گئے ہیں، اس کائنات کی زینت میں اس کا کتنا حصہ ہے، آگ کا مقام کیا ہے اس کا دائرہ کار کہاں سے شروع ہوتا ہے، کہاں پر ختم ہوتا ہے، یہ سب اللہ جانتا ہے کہ وہی خالقِ کل ہے۔

حاصل : نسب کا تعلق کسی برتری سے نہیں ہوتا۔ نسب کو فضیلت کی سند کے طور پر پیش کرنا، ابلیس کا کام ہے اور قطعاً جہالت ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾

حکم ہوا، تو یہاں سے نکل جا، کہ تو راندۂ درگاہ ہے۔

ابلیس نے جب تک زبان حال سے تکبّر کا اظہار نہیں کیا، اس کو جنّت سے نکل جانے کا حکم نہیں دیا گیا، اور اس کے راندۂ درگاہ ہونے کا عنوان نہیں رکھا گیا۔ جب اس نے تکبّر کا اظہار کیا، تو فرمایا گیا : تو یہاں سے اتر جا، تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر تکبر کرے۔ نکل جا، تو ذلیلوں سے ہے۔ راندۂ درگاہ، قربِ الٰہی کی اہلیت کو کھو دیتا ہے۔

حاصل : تکبّر کے اظہار کے بعد، بندہ پاکی کے مقام سے گر جاتا ہے۔ راندۂ درگاہ قربِ الٰہی کی اہلیت کو کھو دیتا ہے۔

وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾

اور بے شک تجھ پر یومِ الدّین تک میری لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابلیس کو جنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا، اسے رجیم قرار دیا گیا، اور جزا کے دن تک اسے لعنتی ٹھہرایا گیا۔ لعنتی کبھی رحمت الٰہی سے فیض یاب نہیں ہوتا۔ یومِ الدّین تک ابلیس رحمتِ الٰہی سے فیضیاب نہیں ہوسکتا۔ دارِ عمل کی انتہائی حد تک ابلیس پر لعنت ہے۔ اس کے بعد جزا کا مقام ہوگا۔ یومِ الدّین تک ابلیس کے رخ سے بچنا ہر ہر بندے کے لئے لازم ہے۔ کسی مقام پر بھی اس سے صرف نظر نہیں کرنا چاہئے۔

حاصل : ابلیس کے ساتھ سے کسی کا بھلا ہو ہی نہیں سکتا۔ لعنت ابلیس کے رُخ پر ہے، جو بھی اس کے رُخ کو اختیار کرے وہ اس آئینے میں خود کو دیکھ لے۔ دوسروں کو لعنتی کہنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔

قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾

کہنے لگا، میرے ربّ، مجھے یوم یبعثون تک مہلت دے۔

یومِ الدّین تک لعنتی قرار پانے کے بعد ابلیس نے اپنے ربّ سے یہ دعا کی، کہ مجھے اس دن تک مہلت دے دے، جس دن لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ یہ مہلت ابلیس نے اصلاح حال کے لئے تو مانگی نہیں تھی، جس نیت سے وہ مہلت مانگ رہا تھا، وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں تھی۔ اس مہلت میں اسے ایک ہی کام ہوسکتا تھا، اور وہ کام تھا، انسان دشمنی۔

حاصل : انسان دشمنی کے لئے ابلیس نے دارعمل کی انتہا تک مہلت مانگی کہ کوئی وقت اس کے دائرہ کار سے باہر نہ ہو۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٨٠﴾ ارشاد ہوا، تجھے مہلت دی گئی۔

ابلیس نے انسان دشمنی کو مقصد حیات بنانے کے لئے انتہائی مہلت مانگی۔ مہلت دینے والا ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس نے فرمایا : تجھے مہلت دی گئی۔ انسان دوستی اللہ کے نزدیک بھلائی ہے۔ اس میں اپنی حیثیت کے مطابق لگے رہنا، عبودیت کا حصہ ہے۔

حاصل : انسان دشمنی کے لئے ابلیس کے پاس مہلت ہے۔ وہ کبھی اپنے مقصدِ حیات سے غافل نہیں ہوتا۔ انسان دوست قوتوں کو منظم کرنا بہت بڑی خدمت ہے۔

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٨١﴾ وقت معلوم کے دن تک۔

یہ دن، یوم ۔بیہوشی سے پہلے ہے، کہ یوم بیہوشی کے بعد تو جزا کا مقام شروع ہو جائے گا، تب حق کا انکار ممکن ہی نہ ہو گا۔ یہ دن، ابلیس کو دی گئی مہلت کی انتہا ہے۔ اس دن تک ابلیس کی بات، ہر جگہ پہنچ جائے گی اور انسان دشمنی کے حوالے سے اس کا کام ختم ہو جائے گا۔

حاصل : ابلیس کو دی گئی مہلت، قیامت کے دن سے پہلے ختم ہو جائے گی۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٢﴾ کہنے لگا، تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا۔

مطلوبہ مہلت کے قریب مگر یقیناً اس سے کم مہلت پالینے کے بعد ابلیس نے مقصد مہلت کو بیان کیا۔ انسان دشمنی تو اس کا مقصد حیات ہے ہی مگر اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی نیت کو مخفی جانتا تھا۔ جو اللہ کی حکم عدولی کو اپنا طریق زندگی بنالے، اسے اللہ کی عزت کی قسم نہیں کھانی چاہیے، کہ ناپاک اور پاک کے مابین وقف لازم ہوتا ہے۔ ابلیس نے سب کو بہکانے کی قسم کھائی ہے، سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھنے کی قسم کھائی ہے۔ ان کے آگے سے آنے کا اعلان کیا ہے، پیچھے سے آنے کا اعلان کیا ہے، دائیں سے آنے کا اعلان کیا ہے اور بائیں سے آنے کا اعلان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے، کہ تو انہیں اکثر شکر گزار نہ پائے گا۔

حاصل : ابلیس نے مہلت پالینے کے بعد، مہلت مانگنے کا مقصد بیان کیا۔ پاک اور ناپاک کے مابین وقف لازم ہوتا ہے۔ ہمیں ذاتی حفاظت سے بھی کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے، اجتماعی حفاظت سے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۸۳﴾ سوائے تیرے بندوں کے جو ان میں سے تیرے مخلص ہوں گے۔

ابلیس نے یہ تسلیم کیا، کہ وہ مخلص کو نہیں بہکا سکے گا۔ اللہ کے مخلص بندے، ہونے اور نہ ہونے کو باذن اللہ جانتے ہیں۔ قول حق کو مانتے ہیں، عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ اپنے علم سے لوگوں کو سکھ دیتے ہیں۔ قول، عمل، علم کے مقامات پر پورا رہنے کا انعام یہ ملتا ہے کہ اخلاص ان پر حسن کی صورت میں برسنے لگ جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ جس کو رضائے الٰہی کے علاوہ کچھ مطلوب ہی نہ ہو، وہاں ابلیس کا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل: اللہ کے عباد مخلصین میں شمار ہونا وہ مقام ہے، جو حیات دنیا میں حاصل ہوتا ہے اور جس میں فلاح کی ضمانت رکھی گئی ہے۔ قول پاک ہو، عمل صالح ہوں، علم حقیقی ہو تو مخلص ہونے کی سند عطا ہو جاتی ہے۔ شاہدین اخلاص کی تصدیق کرتے ہیں۔

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿۸۴﴾ ارشاد ہوا حق کی قسم، اور میرا قول حق ہی ہوتا ہے۔

جب ابلیس نے اللہ سے ملنے والی مہلت اور توفیق کا استعمال بیان کیا، اور یہ کہا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا، سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہوں گے، تو جواب میں فرمایا گیا: کہ حق کی قسم! اور میرا قول حق ہی ہوتا ہے۔ حق وہ پاک کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، جس میں ماننے والوں کی فلاح یقینی ہوتی ہے، اور رب العالمین کی کوئی احتیاج نہیں ہوتی۔ اللہ کا فرمان یہ شان رکھتا ہے، کہ اس کے ماننے والے کا بھلا ہوتا ہے، نہ ماننے والا خسارے میں پڑ جاتا ہے۔

حاصل: حق کی قسم کھانا، پاکی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اللہ کی بات ہمیشہ حق ہوتی ہے۔ اس سے بہتریات کو تلاش کرنے والے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ حق کے بعد ہے ہی گمراہی۔

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۵﴾ میں تجھ سے اور جو تیرا اتباع کریں گے، جہنّم کو بھر دوں گا۔

ابلیس پر اس کا انجام واضح کر دیا گیا۔ جو لوگ اس کی پیروی کریں گے، ان کا انجام بھی ابلیس کے ساتھ ہوگا۔ یہ سب جہنم میں بھر دیئے جائیں گے۔ انجام سے آگاہی ہو جائے اور وہ انجام مطلوب نہ ہو تو اس سے بچنے کی راہ بھی اختیار کرنی چاہئے اور یہ حال پر ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل: حق کے مقابل من مانی کرنے والے ابلیس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس ساتھ کا انجام جہنم

ہوتا ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾

فرما دیجئے میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ اور نہ میں تکلّف کرنے والوں سے ہوں۔

تبلیغ حق کرنے والی ذات بابرکات کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں، کہ اس کی طرف سے تبلیغ اللہ کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔ اجر عطا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے اور اس سے بہتر کوئی اجر دینے والا ہو بھی نہیں سکتا۔ تکلف میں اپنی ذات کا نمود پیش نظر ہوتا ہے جس کی بے شمار صورتیں ہوتی ہیں۔ اس سے ہمیشہ ماحول غیر طبعی ہو جاتا ہے۔ تبلیغ کے لئے لازم ہے کہ ماحول طبعی ہو۔

حاصل : تبلیغِ حق کرنے والے کو اجر کے سوال سے پاک ہونا چاہئے اور تکلف سے برتر ہونا چاہئے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

یہ تو عالمین کے لئے نصیحت ہے۔

ربّ العالمین سے بڑا کوئی علیم نہیں ہے، اس لئے سب سے اعلیٰ نصیحت اسی کی ہے۔ یہ نصیحت سب کے لئے ہے، ماننے والے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ہدایت بھی پاسکتے ہیں، رحمت سے بھی فیض یاب ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ اس نصیحت کو ماننے کی بجائے، اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرتے ہیں، وہ کبھی حق کو پا نہیں سکتے۔

حاصل : قرآن پاک ہی وہ نصیحت ہے، جسے عالمین کے لئے معیار فرمایا گیا ہے۔ عالمی سطح پر بھلائی اس نصیحت کو ماننے سے ہوگی۔

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع

اور ضرور ایک وقت کے بعد تمہیں اس خبر کا علم ہو جائے گا۔

انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علوم سے راحت کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ عالمی سطح پر جب راحت کے حاصل نہ ہونے کا اعتراف کیا جائے گا، تو پھر آسمانی کتابوں کو تلاش کیا جائے گا۔ زبور، توریت اور انجیل تضادات کی وجہ سے رہنمائی نہیں کر سکیں گی۔ قرآن پاک تضاد سے پاک ہے۔ ساری کائنات اس کو مانے گی اور اس سے نصیحت لے گی۔ وقت معلوم کے دن کے بعد اور یوم بعثون سے پہلے ساری کائنات میں مومنین ہی ہوں گے، کہ اس وقت صرف قرآن پاک کو مانا جائے گا، اور خوب مانا جائے گا۔

حاصل : حق کو قبول نہ کیا جائے تو باطل کو ماننا پڑتا ہے۔ باطل کو ماننے میں مشقت ہے اور خسارہ

ہے۔ مشقت اور خسارے کے بعد حق کو ماننا پڑتا ہے اور کوئی راستہ ہی نہیں رہتا۔ باطل کو ماننے کے تجربات ختم ہونے والے ہوں تو حق کے نور کے پھیلنے کی خبر بھی قریب ہی ہوتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعراء (26) میں ارشاد فرمایا ہے، منکرینِ حق قیامت کے دن یہ کہیں گے : تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

اللہ کی قسم ہم صریحاً گمراہی میں تھے، جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔ ہمیں مجرموں نے ہی بہکایا۔ پھر کوئی نہیں جو ہماری شفاعت کرے، اور نہ کوئی دوست مہربانی کرنے والا۔ سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم مومنین سے ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۱

یہ کتاب، اللہ عزیز و حکیم کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔

قرآنِ مجید کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ نازل فرمانے والا ہی خالقِ کل ہے۔ ہماری ضروریات کو اللہ سے بڑھ کر جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ قدرت و حکمت کے ساتھ ان ضروریات کو پورا کرنا بھی اسی کی شان کے لائق ہے۔ کتاب اللہ کو ماننے سے عزیز و حکیم کی بندگی کا حق ادا ہو گا۔

حاصل : یہ مان لینے کے بعد کہ قرآنِ پاک عزیز و حکیم کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اس کے مقابل کسی بات کو اہمیت دینا اپنی تسلیم کی نفی کرنے کے مترادف ہو گا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲

ہم نے اسے تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے، تو اللہ کی بندگی کرو خالص اس کے دین کے ہو کر۔

کتاب اللہ، اللہ کے چنے ہوئے بندے پر، اللہ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے، کہ اللہ کے عبد اور رسول ہی اللہ کے احکامات کو مان کر دکھا سکتے تھے۔ ان کے نقوش قدم سے ہی صراطِ مستقیم کا تعین ہو سکتا تھا۔ فرد کے لئے بھی حکم ہوتا ہے، جماعت کے لئے بھی حکم ہوتا ہے، مقام نزول ایک ہی ہے۔ اسوۂ حسنہ کا تعین بھی وہیں سے ہوا۔ اللہ کی بندگی وہی کر سکتا ہے جو اللہ کا ہو جائے۔ اللہ کا ہو جانے کے لئے اس کے محبوب سے محبت کا رشتہ استوار کرنا ضروری ہے کہ خالص ہونے کا شرف یہیں سے عطا ہوتا ہے۔ اللہ کی بندگی صرف قولی عبادت نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اس میں بندے کو کسی بھی مقام پر من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہر ہر مقام پر اللہ کی رضا کو مقصود ہونا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع ہونا چاہئے۔ ماناسب پاک لوگوں کو جائے گا، اتباع صرف ایک کا ہو گا۔ خلوت میں بھی پاکی کو قائم رکھا جائے گا، جلوت میں بھی پاکی کو قائم رکھا جائے گا۔ خلوت کی پاکی پر اللہ کی شہادت ہو گی، جلوت کی پاکی پر اللہ کے محبوب کی شہادت ہو گی۔ اس طرح اللہ کی بندگی کا حق ادا ہو گا، تو نور ہدایت بڑھتا چلا جائے گا۔

حاصل : کتاب اللہ کی قدر و منزلت کا ثبوت عملاً ہماری زندگی میں اس طرح نظر آنا چاہئے، کہ

ہمارے معاملات میں اللہ کے احکامات کی جلوہ گری ہو، جو ہم کریں وہ حق کے مطابق ہو جو ہمارے ساتھ ہو اسے باذن اللہ مانیں، خلوت و جلوت میں پاک رہیں، تو ہمارا دین اللہ کے لئے خالص ہو جائے گا۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝

سن لو دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے مقابل اور دوست ٹھہرا لئے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت اسی لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، بے شک اللہ ان کے مابین فیصلہ فرما دے گا جس بات میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔ بے شک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو کاذب و کفار ہو۔

تاکید کے ساتھ آگاہی فرمائی گئی ہے، کہ دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ خالقِ کل بھی وہی ہے۔ توفیق دینے والا بھی وہی ہے۔ جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ اس لئے حق کے علاوہ اگر کچھ مقصود بنالیا جائے گا، تو یہ شرک ہو گا اور ظلم عظیم ہو گا۔ جو لوگ اللہ کے مقابل اور معبود ٹھہرا لیتے ہیں، جب ان سے یہ کہا جائے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت کرتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں گے۔ یہ بات قطعاً جھوٹ اور ناشکری سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ کے عباد مخلصین سے راہ قرب مل سکتی ہے۔ ان کی زبان پاک ہوتی ہے، جو ان سے میل جول رکھے اس کا قول پاک ہو جاتا ہے۔ ان کے اعمال صالح ہوتے ہیں، جو ان سے محبت رکھے وہ اصلاح حال میں لگ جاتا ہے۔ جو اپنے علم سے لوگوں کا بھلا کرے وہ سچا ثابت ہو جاتا ہے، اور مخلصین کی صف میں شمار ہو جاتا ہے۔ مقرب ہونے کی سند اسے عطا ہو جاتی ہے۔ جو لوگ قرب الٰہی کے نام پر من مانی کرتے ہیں وہ اپنی خواہشات کے دائرے سے نکل نہیں سکتے، ہدایت انہیں کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہدایت کے لئے صداقت اور شکر گزاری ضروری ہے۔ جہاں جھوٹ اور ناشکری ہو وہاں ہدایت الٰہی کا مقام ہو تا ہی نہیں۔

حاصل : دین خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ قرب الٰہی مخلصین کے اتباع سے مل سکتا ہے۔ خواہشات کی پیروی کرنے سے قرب الٰہی کا حصول ممکن ہی نہیں۔ حق کے مقابل اپنی تجاویز کو وقعت دینے والے قیامت کے دن خدائی فیصلے کو دیکھ لیں گے۔ جھوٹ اور ناشکری ہدایت سے دوری کا باعث ہی ہوتے ہیں۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا منتخب کر لیتا۔ وہ پاک ہے۔ وہ اللہ واحد ہے قہار ہے۔

جو لوگ اللہ کی اولاد ٹھہراتے ہیں، وہ اللہ کے بارے میں بے سند بات کرتے ہیں۔ کسی کو اللہ کی اولاد ہونے کا دعویٰ ہی نہیں ہے۔ اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا منتخب کر سکتا تھا۔ مگر اللہ کو اولاد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ پاک ہے۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔ اللہ ایک ہے اور لاشریک ہے۔ ہر حال پر غالب ہے۔ کوئی مقام اس کے دائرہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔

حاصل : اولاد رکھنا اللہ کی شان کے لائق نہیں۔ اللہ بے مثل ہے، پاک ہے، واحد ہے، لاشریک ہے اور ہر حال پر غالب ہے۔ کسی بھی مقام پر من مانی نہ کی جائے تو اللہ کو ماننے کا ثبوت ملتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤

اس نے آسمان اور زمین کو حق کے ساتھ خلق فرمایا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔ اور اس نے شمس و قمر کو مسخّر فرمایا کہ ہر ایک اجل مسمّٰی تک جاری ہے۔ سن لو وہی عزت والا مغفرت فرمانے والا ہے۔

مظاہر قدرتِ الٰہی بیان فرمائے گئے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق، اللہ کی شان کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ تخلیق حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جہاں کوئی کام خلافِ حق ہو گا وہ باعثِ تکلیف ہی ہو گا۔ بھلائی صرف حق کے ساتھ ہی تعلق رکھتی ہے، مقام کوئی ہو۔ رات کو دن پر لپیٹنا اور دن کو رات پر لپیٹنا اور ایک کو دوسرے سے نکالنا اللہ کی قدرت ہے۔ اتنی تدریج کے ساتھ یہ کام ہو رہا ہے کہ اس کے حسن کو دیکھنے والا، اللہ کی تسبیح کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ شمس و قمر کو جو جو کام سپرد کیا گیا ہے، وہ اپنے اپنے دائرے میں اللہ کے امر کو خوب بجالا رہے ہیں۔ کبھی کسی نے کوتاہی نہیں کی۔ جس وقت تک یہ کام ان کے ذمّے ہے منشاء الٰہی کے مطابق خوب ہوتا رہے گا۔ مذکورہ امور سے ہر مقام پر فرد کا بھی تعلق ہے، جماعت کا بھی تعلق ہے، اور ان امور کا مہتمم ہی عزت والا، بخشنے والا ہے۔ اس کی قدرت محیط عالم ہے۔ خطاؤں کو بخش دینا اللہ کا فضل ہے، اس کی رافت و رحمت ہے۔

حاصل : مظاہر قدرتِ الٰہی سے استفادہ کرتے ہوئے معبود کے عبد سے تعلق کو دیکھنا چاہیے۔

رات اور دن کا اہتمام، شمس و قمر کی تسخیر اللہ کی عطا کردہ سہولتیں ہیں، جن کی کوئی قیمت دی ہی نہیں جاسکتی۔ اللہ کی قدرت محیط عالم ہے، خطاؤں کو بخشنا اللہ کو پسند ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۞

اس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور تمہارے لئے آٹھ چوپایوں کے جوڑے بنائے۔ تمہیں تمہاری ماؤں کے بطون میں خلق فرماتا ہے، ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت میں، تین تاریکیوں کے اندر۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، بادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔

پہلے بشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ کے بعد آپ کی زوجہ کو پیدا کیا گیا، اور بقاء نسل کی صورت جاری کر دی گئی۔ انسانی ضروریات کے لئے ایک جوڑا بھیڑ اور ایک جوڑا بکری کا پیدا کیا گیا۔ ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا پیدا کیا گیا۔ یہ آٹھ نر اور مادہ ہوئے۔ انسانی ضروریات کے لئے ان جانوروں کی پرورش، ان کی حفاظتی تدابیر، ان کے استعمال کے لئے ضروری قوانین، ان سے حاصل ہونے والی اشیاء کا درست استعمال، کہ سب لوگ استفادہ کر سکیں، بہت بڑے کام ہیں۔ انسان کی پیدائش کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ یہ تین تاریکیوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جنین ایک جھلی کے اندر ہوتا ہے، یہ جھلی رحم کی دیوار کے اندر ہوتی ہے، اور رحم بطن کے اندر ہوتا ہے۔ ان تین تاریکیوں میں تخلیق کا کام ہوتا ہے۔ رحم کے اندر صورت کا بنانا اللہ کا کام ہے۔ کسی کی تجویز کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ جنین کی ابتدا جن دو مادوں سے ہوتی ہے وہ بھی اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ جنین کے قیام سے لے کر وضع حمل تک جو جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کے لئے لوازمات کا اہتمام بھی اللہ کرتا ہے۔ جس حال پر جو کچھ درکار ہوتا ہے، وہ اللہ جانتا ہے، وہی اسے مہیا کرتا ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جب خالق اللہ ہی ہے، اور اس کی قدرت محیط عالم ہے، تو پھر اس سے انحراف کے معنی کیا ہوں گے۔ یہ تو خلافِ عقل ہو گا۔

حاصل : انسان نفسِ واحدہ سے پیدا کئے گئے ہیں، اس لئے نسبی برتری کا دعویٰ ہمیشہ بے سند ہوتا ہے۔ عطاء الٰہی کو علم سے استعمال کرنا ضروری ہے۔ جانوروں کی پرورش، حفاظت اور استعمال کے قوانین واضح ہونے چاہئیں کہ سب لوگوں کا بھلا ہو۔ ماؤں کو ان کی ضروریات کے حوالے سے آسانیاں مہیا کرنی چاہئیں۔ اپنے معبود کے ساتھ لگے رہنا ہی عقل مندی ہے۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

اگر تم کفران کرو تو بے شک اللہ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے کفران سے راضی نہیں۔ اور اگر تم شکر کرو تو تمہارے لئے اس سے راضی ہوتا ہے۔ اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہیں اپنے ربّ کی طرف مراجعت کرنی ہے، تو وہ تمہیں بتا دے گا جو عمل تم کرتے تھے۔ بے شک وہ صدور کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ کفرانِ نعمت سے نقصان بندے کو ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں کہ بندے خسارے میں مبتلا ہوں۔ حق کے مطابق رخ کے اختیار کرنے کی یا حق کے خلاف رخ کے اختیار کرنے کی توفیق بندے کو دی گئی ہے۔ جو رخ وہ اختیار کرے اس کی جزا پائے گا۔ بندے کو مجبورِ محض کہنے والے لوگوں کا عقیدہ درست نہیں ہوتا۔ شکر یہ ہے کہ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے مطابق تصرف میں لایا جائے۔ شکر سے شاکر کو فائدہ پہنچتا ہے اور شاکر سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ شکر گزاری کا رخ اختیار کیا جائے یا اس کے خلاف کیا جائے شعور کے ساتھ ہی کیا جائے گا، اور اسی کی بندے کو جزا ملے گی۔ کسی دوسرے کے شعور کی ذمہ داری بندے پر نہیں ہوگی۔ انسان کا آنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اسے جانا بھی ہے۔ نہ اس کے آنے میں اس کی تجویز کو دخل ہے نہ اس کی واپسی میں اس کی تجویز مانع ہو سکتی ہے۔ توفیق دینے والا اللہ ہی ہے اور وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ وہ نیتوں کو بھی جانتا ہے، اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے۔ کفرانِ نعمت سے نقصان بندے کو ہوتا ہے، اور اللہ بندوں کے خسارے کو پسند نہیں کرتا۔ شکر گزاری اللہ کو پسند ہے۔ جب واپسی اللہ تعالیٰ کی طرف یقینی ہے تو ہماری پاکیزگی خلوت و جلوت میں نظر آنی چاہئے۔ نیت درست ہو تو عقیدہ درست ہوتا ہے، عقیدہ درست ہو تو اعمال درست ہوتے ہیں اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ

اور جب انسان کو ضرر مس کرتا ہے، تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے اس کی طرف رجوع ہو کر۔ پھر جب اللہ اسے اپنے پاس سے

نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

نعمت عطا فرما دیتا ہے تو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے پکار رہا تھا، اور اللہ کے لئے برابر والے ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے بہکائے۔ فرما دیجئے اپنے کفر سے قلیل فائدہ اٹھالے، بے شک تو اصحاب نار میں سے ہے۔

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے، تو وہ اپنی بے بسی کو دیکھتا ہے۔ پھر طبعی طور پر اپنے معبود سے اپنے تعلق کو دیکھنے لگتا ہے، اور اپنے رب کو پکارتا ہے۔ اس وقت یکسوئی بندے کا حال ہوتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسے نعمت سے نواز دے، تو وہ نعمت کو دیکھنے لگتا ہے اور نعمت عطا کرنے والے کو بھول جاتا ہے۔ جب اللہ کی عطا کو خلافِ حق استعمال کیا جائے، تو یہ شرک کی صورت ہے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکانے کی صورت ہے۔ انسان کو عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی متاع کو استعمال کرنا ہوتا ہے، اور خلافِ حق کرنے کا انجام جہنم کی آگ بتایا گیا ہے۔

حاصل : اپنے رب کو پہچان لینے کے بعد یکسوئی ہمارا حال ہو جائے تو ہم سچے ہیں ورنہ نہیں۔ نعمت عطا کرنے والے مالکِ کل سے تعلق ہو تو ہر مقام پر پورا رہنے کا شرف مل جاتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے کو قلیل فائدہ ہی ہوتا ہے، انجام تو اس کا برا ہوتا ہی ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹ ع ۱۵

کیا وہ جس کی رات فرمان برداری کے ساتھ سجدے اور قیام میں گزرے، آخرت کا ڈر رکھتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو، (ان صفات کے نہ رکھنے والے کے برابر ہو جائے گا)۔ فرمایئے کیا علم والے اور لاعلم مساوی ہوتے ہیں۔ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

جس کی خلوت پاک ہو، اس کے لئے رات کو اٹھنا، نماز تہجد ادا کرنا معمول بن جاتا ہے۔ ایسی نماز کو طویل کرنا نفس پر

گراں ہوتا ہے۔ آخرت کا ڈر رکھنا یہ ہے کہ عمل کرتے وقت جزا کا یقین پیش نظر ہو اور دکھاوے سے بچنے کی سعی کی جائے، رخ کو درست رکھنے میں کبھی غفلت نہ ہو، حق کی احسن ادائیگی میں اپنے رب کی رحمت کے شامل حال ہونے کی امید ہمیشہ رہے، یہ پاک لوگوں کی طریقت ہے اور ان لوگوں کو علم والے فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ ان صفات سے دور ہیں وہ علم والے نہیں ہیں، اور علم والے اور لاعلم کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ جو حق کو مانتا ہے وہ عقل مند ہے۔ جو نصیحت کو خواہش سے پیدا ہونے والی بات کے برابر ٹھہرائے وہ کہاں کا عقل مند ہے۔ نصیحت ہمیشہ ماننے والے کی بھلائی کے لئے ہوتی ہے، خواہش سے پیدا ہونے والی بات میں ظاہر کچھ اور ہوتا ہے باطن کچھ اور۔

حاصل : فرمان بردار اور نافرمان برابر نہیں ہوتے۔ علم والے اور لاعلم برابر نہیں ہوتے۔ نصیحت کو ماننے سے ہی عقل مندی کا ثبوت ملتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ رعد (13) میں فرمایا ہے۔

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ٱلْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰٓ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٩﴾

کیا وہ جو علم رکھتا ہو کہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے نازل ہوا ہے حق ہے، اس جیسا ہو جائے گا جو اندھا ہے۔ نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

قُلْ يَٰعِبَادِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ فِى هَٰذِهِ ٱلدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ ٱللَّهِ وَٰسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾

فرما دیجئے اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لئے اچھا اجر ہے۔ اور اللہ کی زمین وسیع ہے۔ یقیناً صبر والے بے حساب اجر سے نوازے جائیں گے۔

حکم خداوندی سے یہ ارشاد بندوں تک پہنچایا گیا۔ یہ عقل مند لوگ ہیں، جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ اس کی رضا کے خلاف کوئی کام نہ ہو جائے۔ جو لوگ انابت کرنے والوں کا اتباع کرتے ہیں، وہ من مانی کرنے سے تائب ہو جاتے ہیں۔ ان کا قول پاک ہو جاتا ہے عمل صالح ہو جاتے ہیں۔ یہ نیک لوگ ہیں۔ ان کو دنیا و آخرت میں اچھا اجر عطا کیا جاتا ہے۔ نیک لوگوں کی ایک طریقت واضح فرمائی گئی ہے، کہ جب کسی مقام پر ظلم، بندگی کے لئے حالات کو تکلیف دہ بنا دے تو وہ وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں۔ اللہ کی مہربانی سے انہیں احسن جگہ مل جاتی ہے اور وہ خوف کے بعد امن سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ حالات جو بھی ہوں، اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ یقیناً نیک لوگوں کو ہجرت کے بعد ساز گار ماحول نصیب ہوتا ہے۔ صبر کرنے والے، ہجرت کرنے والے لوگوں کے اعمال بھی کسی حساب سے تعلق نہیں رکھتے، اس لئے انہیں اجر بھی بے حساب ہی دیا

جاتا ہے۔ اللہ انہیں اپنے فضل سے اس طرح نواز تا ہے، کہ ان کا حال، ماضی کے مقابل بہت بہتر ہو جاتا ہے۔

حاصل : ایمان والوں کو ہر مقام پر دھیان رکھنا چاہئے کہ کوئی کام رضاء الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ نیکی کا بدلہ دنیا و آخرت میں بھلاہی ہوتا ہے۔ بندگی، جبر و قہر کی وجہ سے مشکل ہو جائے تو ہجرت کا مقام آتا ہے۔ ہجرت صبر کے ساتھ ہی ممکن ہوتی ہے۔ جو اللہ کے ساتھ بے حساب ہو جائے، اللہ اس کے ساتھ بے حساب ہو جاتا ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾

فرما دیجئے مجھے تو یہی امر ہوا ہے، کہ اللہ کی بندگی کروں خالص اسی کے دین کا ہو کر۔

امرِ الٰہی کو روشن کرنا شان رسالت ہے، کہ عباد کو معبود سے ملانے کا وسیلہ بھی اللہ نے بنایا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا، وہ امرِ الٰہی کا درجہ رکھتا ہے، اور امرِ الٰہی یہ بتایا گیا ہے، کہ اللہ کی بندگی کی جائے خالص اسی کے دین کا ہو کر۔ بندہ اللہ کا ہو جائے تو بندگی کا حق ادا کر سکتا ہے، ورنہ نیک عادت کے مقام پر رہتا ہے جس کا دائمی پاک دامنی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حاصل : امرِ الٰہی کو روشن کرتے رہنا شاہدین کی طریقت ہے۔ بندہ اللہ کا ہو جائے تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے، ورنہ نہیں، اور اللہ کا ہونے کے لئے اس کا اتباع ضروری ہے جو اللہ کا ہو چکا ہے۔

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

اور مجھے امر دیا گیا ہے کہ سب سے پہلا تسلیم کرنے والا بنوں۔

احکامِ الٰہی کو بیان کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان پر پورا رہ کر دکھاتے ہوئے راہِ راست کو روشن کرے اور پیچھے آنے والوں کو گمان کے دائرے سے نکلنے میں مدد دے۔ سب سے پہلے تسلیم کرنے والا ہی معیار قرار دیا گیا ہے، قول میں، عمل میں، علم میں اور اخلاص میں۔ اسی کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اسی اطاعت سے آپ سے رشتۂ محبت استوار ہوتا ہے، ایمانِ قلب میں زینت پاتا ہے، اور کفر، فسوق اور عصیان سے کراہت ہوتی ہے۔ رشد و ہدایت والے حضرات کی یہی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔

حاصل : سب سے پہلے حق کو ماننے والے کی زبان پاک ہے، سب سے پہلے حق کو ماننے والے کے ہاتھ امین ہیں۔ ان دو صفات سے تسلیم کی ابتدا ہوتی ہے۔ حق کو بیان کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ

خود نمونہ بن کر دکھائے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾

فرما دیجئے اگر میں اپنے ربّ کی نافرمانی کروں تو میں یومِ عظیم کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔

اوّل المسلمین نے حق کی اہمیت کی وضاحت میں حکمِ الٰہی سے یہ فرمایا ہے کہ خلافِ حق کرنے کا انجام آخرت کا عذاب ہے اور یومِ عظیم کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ جو بھی خلافِ حق کرے گا وہ یہ جان لے کہ وہ عذابِ الٰہی کی طرف بڑھتا چلا جارہا ہے۔

حاصل: خلافِ حق کرنا اللہ کی نافرمانی ہے۔ نافرمانی کے انجام سے آگاہ کرنا پاک لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

فرما دیجئے میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں خالص اس کے دین کا ہو کر۔

اللہ کی بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے، اللہ کا ہو جانا ضروری ہے۔ جس کا مقصود ہو رضاءِ الٰہی، ہر مقام پر وہ اپنے نفس کی شح سے بچے اور ادب سے حق کو مانتا رہے، اس کا دین خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ جو سلامتی کے مقام پر ہو وہی دوسروں کو سلامتی کی دعوت دے سکتا ہے۔ اپنا حال بیان کرنا حق کو روشن کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

حاصل: تبلیغِ حق کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کے حوالے سے اپنا حال بیان کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں خالص اللہ کے دین کا ہو کر اس کی بندگی کرتا ہوں۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾

تو تم اس کے مقابل جس کی چاہو بندگی کرو۔ فرما دیجئے، بے شک خسارے والے وہی لوگ ہیں، جنھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن خسارے میں ڈالا۔ سن لو یہی صریح خسارہ ہے۔

شرک کرنے والوں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ خسارے والوں میں ہو جاتے ہیں۔ جو خسارے والوں کو اپنا رہبر

بنالے وہ ان کا اہل ہے۔ حزب الشیاطین خسارے والے ہیں۔ اسلام کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کیا جائے آخرت میں اس کا انجام خسارہ ہی ہو گا۔ حال پر عمل کے لئے مہلت موجود ہے اس لئے اصلاحِ حال کی توفیق سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے، آخرت میں عمل کے لئے مہلت نہیں ہوگی کہ وہ دار جزا کا مقام ہو گا، اس لئے اس خسارے کو صریح خسارہ فرمایا گیا ہے۔ صریح خسارے سے بچنا عقل مندی کا تقاضا ہے۔

حاصل : شرک سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، خسارہ یقینی ہو جاتا ہے۔ خلافِ حق کرنے سے بچنا ہمارے لئے اور ہمارے اہل کے لئے بہتر ہے۔ عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ صریح خسارے سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۚ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

ان کے اوپر بھی آگ کے پردے ہوں گے، ان کے نیچے بھی آگ کے پردے ہوں گے۔ یہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔ اے میرے بندو مجھ ہی سے ڈرو۔

قیامت کے دن خسارے والے مع اپنے اہل کے اس حال میں ہوں گے، کہ ان کے اوپر بھی آگ کا سائبان ہو گا، ان کے نیچے بھی آگ ہوگی۔ جہنّم کی آگ شرک کرنے والوں کو اس طرح گھیرے گی کہ اوپر نیچے ہر طرف انہیں آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ یہ مشرکین کے اعمال کی جزا ہوگی۔ اس سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو گا۔ اس لئے حال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو اس انجام سے ڈرایا جارہا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔ جزا سے بچ جانا کسی کے بس میں نہیں ہو گا، اس لئے بھلائی کی طلب رکھنے والوں کو اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہئے۔

حاصل : جہنّم میں خسارے والے ہی ہوں گے، جن کے اوپر بھی آگ ہوگی، نیچے بھی آگ ہوگی۔ کسی کو آگ کی سزا دینا بندے کا مقام نہیں ہے۔ اللہ حال پر انجام سے آگاہ کر کے لوگوں کو نافرمانی سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾

جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع لائے ان کے لئے بشارت ہے، تو میرے ان بندوں کو بشارت دیجئے۔

من مانی کرنے سے اجتناب ہو تو طاغوت کی بندگی سے اجتناب ہوتا ہے. خواہشات کے دائرے سے نکلنے کی یہی صورت ہے۔ طاغوت کے انکار کے بعد اللہ پر ایمان لانے کا مقام آتا ہے، اور ناصحین سے محبت باعثِ ایمان ہوتی ہے۔ محبّ صرف محبت سے بنتا ہے، اور محبّ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرتا ہے کہ وہ محبوب سے اپنی کوئی صورت رکھتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کو ہدایت ملتی ہے اور یہ ہدایت فلاح کی بشارت ہے۔ جو لوگ یہ صفات رکھتے ہوں انہیں بشارت دینے کا حکم ہے کہ وہ فلاح پائیں گے۔

حاصل : طاغوت کی بندگی من مانی کرنا ہے۔ اس سے اجتناب ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے کا مقام آتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کا اتباع کریں، ان سے محبت رکھیں، انہیں فلاح کی بشارت دینی چاہیئے۔

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾	وہ لوگ جو باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں، پھر ان میں سے احسن کا اتباع کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقل والے ہیں۔

فلاح کی بشارت پانے والوں کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ جب ان کے سامنے حقائق بیان ہوتے ہیں، تو بڑی توجہ سے سنتے ہیں، اور جہاں مخلصین کی طریقت ان کے سامنے آئے اسے احسن جانتے ہیں، اور اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقل والے ہیں۔

حاصل : خواہشات کی پیروی کی ترغیب دینے والوں سے اجتناب ضروری ہے۔ پاک لوگوں کی باتوں کو توجہ سے سننا چاہیئے۔ جس بات میں مخلصین کی طریقت روشن ہو اس کو احسن ماننا چاہیئے، اس کا اتباع کرنا چاہیئے، اس سے ہدایت ملتی ہے۔ یہی عقل مندی ہے۔

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾	تو کیا وہ جس پر عذاب کی بات پوری ہو چکی ہے، کیا آپ اسے آگ سے نکال دیں گے۔

جو ابلیس کی پیروی کو اپنا حال بنالیتا ہے وہ متاعِ حیات کو حق کے انکار پر لگاتا رہتا ہے، ایسے لوگوں کو بتا دیا گیا ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ جس نے شعور کے ساتھ اپنے لئے جہنم کو منزل ٹھہرایا ہے، اسے کب آگ سے بچایا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں کو المناک عذاب کی خبر دینے کا حکم ہے، ان کو آگ سے بچانے والا کون ہو سکتا ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنا جس کا حال ہو جائے اس پر عذاب کی بات پوری ہو چکی ہوتی ہے۔ جو عدو مبین کو دوست بنالے اسے آگ سے کب نکالا جا سکتا ہے۔

لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾

لیکن جن لوگوں نے اپنے رب پر تقویٰ کیا، ان کے لئے بالاخانے ہیں جن کے اوپر پھر بالا خانے آراستہ ہیں۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور وعدہ خلافی اللہ کی شان کے منافی ہے۔

اللہ سے ڈرنے والے صابر ہوتے ہیں اور متوکّل ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال صالح ہوتے ہیں۔ ان کو کفر، فسوق اور عصیان سے کراہت ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ان کو ان کے اعمال کی جزا اس طرح دی جائے گی کہ آراستہ بالا خانے ان کی قیام گاہ ہوں گے، اور اللہ بھی ان کے انجام خیر سے خوش ہو گا۔ ان قیام گاہوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اس طرح یہاں ایسی بہار ہوگی، جس کے بعد خزاں کا مقام نہیں آئے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے، کہ مالکِ کل کے وعدے کی یہی شان ہے۔

حاصل : صبر و توکّل اللہ سے ڈرنے کا ثبوت ہے۔ اس کی جزا جنت میں آراستہ قیام گاہیں ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ وعدہ خلافی اللہ کے بندے کو بھی زیب نہیں دیتی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾

دیکھتے نہیں کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کو زمین کے سوتوں میں سمو دیتا ہے، پھر وہ اس سے مختلف رنگوں کی زراعت نکالتا ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اسے زرد دیکھتے ہو، پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

بندے کو اس کے مشاہدے کے حوالے سے نصیحت فرمائی گئی ہے، کہ زمین کو دیکھو، اسے بارش کے پانی سے زندہ کیا جاتا

ہے۔ آسمان سے پانی کا برسنا زمین کے لئے باعثِ حیات ہے، اور زمین کو زندہ رکھنا اللہ کا کام ہے۔ پھر وہ پانی زمین کے سوتوں میں، نفوذ پذیر تہہ کی بدولت داخل ہو کر اللہ کی مشیّت کے مطابق کام کرتا ہے، جس سے مختلف رنگوں کی کھیتیاں نکلتی ہیں۔ پھر ایک وقت کے بعد وہ کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں، زرد ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ پک کر خشک ہو جاتی ہیں اور چورا چورا ہو جاتی ہیں۔ حیاتِ انسانی کے مدارج کو بھی دیکھنا چاہئے۔ حلب و ترائب سے مادوں کے اخراج کے بعد رحم میں پیدائش ہوتی ہے۔ وہاں جنین کو اس کے لئے لوازمات مہیا کئے جاتے ہیں۔ پھر ایک مقررہ وقت کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے وہ جوانی کو پہنچتا ہے۔ پھر وہ بڑھاپے کو پہنچتا ہے۔ پھر موت کا مقام آجاتا ہے۔ جس قادرِ مطلق کے علم سے یہ تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، اس کی قدرت ہم پر محیط ہے۔ اس کے سامنے حاضری ہوگی، اور ہم کو ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ جزا کا یقین ہمارے ہر عمل میں نظر آئے تو ہم عقل مند ہیں اور ہم نے نصیحت سے فائدہ اٹھایا ہے۔

حاصل : جو تبدیلیاں ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے قادرِ مطلق ہونے کا ثبوت ہیں۔ ہماری زندگی میں تبدیلیاں لانے والا اللہ ہی ہے۔ ہم جہاں بھی ہیں، جو حق ہم پر عائد ہوتا ہے، اس حوالے سے ہم اللہ کے حضور جواب دہ بھی ہیں۔ جزا کا یقین ہمارے ہر عمل میں نظر آئے تو یہ ہماری عقل مندی کا ثبوت ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان (31) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور جو اپنا رُخ اللہ کی تسلیم کی طرف رکھے اور وہ ہو محسن، تو بے شک اس نے مضبوط گرہ تھامی۔ اور امور کی عاقبت اللہ ہی کی طرف ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

تو جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے تو وہ اپنے ربّ کے نور پر ہے (دل کے اندھوں کی طرح نہیں ہو گا)۔ سو خرابی ہے ان کے لئے جن کے قلوب اللہ کے ذکر کی طرف سے سخت ہیں، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

آسمان سے پانی تو ایک ہی برستا ہے، مگر ہر جگہ پر اس کے اثرات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کا نزول ہوا ہے، اس سے استفادہ کرنے والے بھی سب ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جس دل میں ناصح سے محبت کا مقام ہو، اللہ اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اسے نورِ ہدایت سے نوازا جاتا ہے۔ دل کے اندھے لوگ کبھی اس کیفیت کو نہیں

پاسکتے۔ جو لوگ حق کو نہیں مانتے، اپنی پسند کے دائرے سے نہیں نکلتے، ان کے قلوب سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی پسند کے مقابل حق کو کم اہمیت دیتے ہیں۔ وہ ناصحؑ امین کی قدر نہیں کرتے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

حاصل : طلب ہدایت رکھنے والے کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔ جسے نورِ ہدایت حاصل ہو اس کی شان سبحان اللہ۔ طلبِ ہدایت نہ رکھنے والے کبھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ جو دل اندھا ہو وہ سخت ہوتا ہے، خوفِ خدا سے خالی ہوتا ہے اور کھلی گمراہی اس کا حال ہوتی ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اللہ نے احسنُ الحدیث کتاب نازل فرمائی ہے، ایک جیسی دہرے بیان والی۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلدیں نرم ہو جاتی ہیں اور ان کے قلوب اللہ کے ذکر پر متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ ہے اللہ کی ہدایت، ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی کتاب ہے۔ کسی حال پر اس سے بہتر بات کا تصور بھی درست نہیں ہو سکتا۔ اچھی بات وہی ہو گی، جس کی قرآن پاک سے تصدیق ہو۔ یہ کتاب مقدس ہم رنگ ہے۔ اس کے بیان میں تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ حسن بیان کی شان یہ ہے کہ جب کوئی بیان دہرایا جاتا ہے تو اس سے نور ہدایت بڑھتا ہے۔ ایک جگہ اگر دعویٰ ہو تو دوسری جگہ اس کی شہادت ہوتی ہے۔ یہ کلام اپنے اجزاء کے لحاظ سے بھی احسن ہے، مطالب کے لحاظ سے بھی احسن ہے۔ اپنے رب سے ڈرنے والے جب اس پاک کلام کو سنتے ہیں، تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، خوفِ خدا ان پر طاری ہو جاتا ہے۔ وہ آئینہ قدرت میں اپنا حال دیکھتے ہیں، علیم مطلق کی طرف سے بھیجے گئے معیار کے اسوہ حسنہ کو دیکھتے ہیں۔ پھر رحمت الٰہی انہیں سہارا دیتی ہے، عمل کے لئے دی گئی مہلت اصلاح حال کے امکان کو واضح کرتی ہے، تو ان لوگوں کی سختی نرمی میں بدل جاتی ہے۔ وجود کا تناؤ ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ انہیں پتہ لگ جاتا ہے، کہ ان کے لئے سب سے بہتر وہی ہے جو ان کا ربّ ان کے لئے پسند کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ کی ہدایت۔ ہدایت اسے ہی ہوتی ہے جو طالب ہدایت ہو۔ طالبِ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرتا ہے۔ جو لوگ فاسق ہو جائیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جسے اللہ

گمراہ کرے اسے ہدایت دینا ممکن ہی نہیں۔ جو قبولِ حق کی استعداد کو ہی ضائع کرے وہ نورِ ہدایت نہیں پا سکتا۔

حاصل : جس بات کی قرآن پاک سے تصدیق ہو وہ اچھی ہے کہ اللہ نے قرآنِ پاک کے احسنُ الحدیث ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ قرآن پاک میں تضاد بھی نہیں ہے، اختلاف بھی نہیں ہے۔ اس کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اپنے ربّ سے ڈرنے والے اس سے فیض یاب ہو چکے ہیں، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ حق کو ماننے والوں کے وجود میں تناؤ نہیں ہوتا، ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔ طلبِ ہدایت ہو تو ہدایت ہوتی ہے۔ فاسق طلبِ ہدایت نہیں رکھتے۔ فاسق ہی گمراہ ہوتے ہیں۔

أَفَمَن يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّٰلِمِينَ ذُوقُوا۟ مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾

تو وہ جو قیامت کے دن بُرے عذاب کے لئے اپنے چہرے کے سوا ڈھال نہ پائے گا (اس جیسا ہو جائے گا جو اس عذاب سے محفوظ ہو گا) ۔ اور ظالموں کو حکم ہو گا، کہ جو کسب تم کرتے رہے ہو اس کا مزہ چکّھو۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، خلاف حق کرنے والے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جو لوگ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے، جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے، وہ اپنے چہروں کی حفاظت نہیں کر سکیں گے، اور بُرے عذاب سے وہ چہرے براہِ راست متاثر ہوں گے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو حکم ہو گا، یہ تمہارے اعمال کا صلہ ہے جو تمہارے سامنے ہے۔ اب اس کا مزہ چکّھو۔

حاصل : چہرے کی حفاظت طبعی طور پر کی جاتی ہے، کہ شناخت اسی سے ہوتی ہے۔ آنکھیں، ناک، کان اور زبان بھی اسی حصے میں ہیں۔ خلاف حق کرتے ہوئے جن مقامات نے مزا لیا، عذاب کا مزا بھی وہیں آئے گا۔ ظالموں سے یہ فرمایا جائے گا، جو کسب تم کرتے رہے ہو اس کا مزہ چکّھو۔

كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَىٰهُمُ ٱلْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾

ان سے قبل والوں نے بھی تکذیب کی تو ان پر عذابِ الٰہی آیا جہاں سے انہیں شعور بھی نہ تھا۔

حال پر منکرینِ حق کو یہ دکھایا جارہا ہے، کہ حق کی تکذیب کی جو راہ تم نے اختیار کی ہے، اس راہ پر حق کو جھٹلانے والے تم سے پہلے بھی گئے ہیں۔ انہیں بھی حق کے انکار سے منع کیا گیا تھا، مگر وہ من مانی کرنے سے باز نہ آئے، تو ان پر عذاب آیا اور انہیں شعور بھی نہ تھا کہ وہ اس طرح عذابِ الٰہی میں پکڑلئے جائیں گے۔ عذابِ الٰہی کی گرفت ایسی ہوتی ہے کہ اس سے چھوٹ جانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

حاصل : حق کو جھٹلانے والے اس انجام کو پہنچتے ہیں، جس انجام کو پہلے مکذّبین پہنچ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت اس طرح سے ہوتی ہے کہ منکر کو اس کا شعور بھی نہیں ہوتا۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اللہ نے انہیں حیاتِ دنیا میں رسوائی کا ذائقہ چکھایا، اور بے شک عذابِ آخرت تو بڑا ہے ہی۔ کہیں انہیں علم ہوتا۔

مرسلین کی تکذیب، استکبار کرنے والوں کا طریقِ زندگی رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی قوم کو اتمام حجت سے پہلے ہلاک نہیں کیا گیا۔ اتمام حجت کے بعد کسی قوم پر اللہ نے اس کے کئے کو ہی انڈیل دیا ہے۔ رسوائی کے عذاب کی شکل ہمیشہ اس قوم کے اعمال کے مطابق بنی ہے۔ حق کی تکذیب کرنے والے ہمیشہ رسوا ہی ہوئے ہیں۔ عذابِ آخرت اس لئے بڑا ہوگا، کہ وہاں پوری پوری جزا دی جائے گی۔ توفیق دینے والا، توفیق کے حوالے سے پوچھا بھی کرتا ہے۔ توفیق اللہ نے دے رکھی ہے تو اللہ کی طرف سے پوچھ بھی ضرور ہوگی۔ اس پوچھ کا یقین ہو تو پھر اصلاحِ حال سے غفلت نہیں ہو سکتی۔

حاصل : حق کو جھٹلانے والے حیاتِ دنیا میں بھی رسوائی کا ذائقہ چکھتے ہیں، آخرت کا عذاب تو بڑا ہو گا ہی۔ توفیق اللہ نے دی ہے تو پوچھ بھی اس کی طرف سے یقیناً ہو گی۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثل بیان کی ہے کہ وہ نصیحت مانیں۔

حقائق کو جاننے کے لئے مثل سے بڑی مدد ملتی ہے۔ مثل سے یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ ہم کس رخ پر ہیں، اور اس رخ پر رہنے کا انجام کیا ہو گا، اصلاح حال کس طرح ہو سکتی ہے اور حفاظت کے تقاضوں کو کس طرح پورا ہونا چاہئے۔ مثل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا گیا ہو، تو اس میں نصیحت کو ماننا یقیناً آسان ہوتا ہے، کہ اعلم کی طرف سے بیان کردہ مثل سے بڑی بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : قرآن پاک کی ہر مثل، بہترین مثل ہے، اور اس میں نصیحت ماننے والوں کے لئے بھلائی

یقیناً موجود ہوتی ہے۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِىْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

قرآنِ عربی، اس میں کوئی کجی نہیں، کہ وہ تقویٰ کریں۔

قرآن پاک عربی زبان میں نازل فرمایا گیا ہے، اس لئے فصاحت کا جو مقام عربی کو حاصل ہے، وہ دوسری کسی زبان کو حاصل نہیں ہے۔ دوسری تمام زبانوں میں تراجم ہوں گے۔ قرآن پاک عربی زبان میں آیات کے اس مجموعے اور سورتوں کی اس ترتیب کا نام ہے جس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی ہے، اور جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہو رہا ہے۔ پڑھنے کی کوئی چیز اس کے مقابل کسی لحاظ سے اہم نہیں ہو سکتی۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔ اس میں کوئی تضاد نہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ اس کی آیات ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں کا بہترین استعمال یہی ہے کہ قرآن پاک کو پڑھا جائے، خلوت و جلوت میں پاک رہتے ہوئے اس سے ہدایت لی جائے اور اپنے تقوے پر قرآن پاک سے سند لی جائے۔

حاصل : قرآن پاک عربی زبان میں آیات کے اس مجموعے اور سورتوں کی اس ترتیب کا نام ہے، جس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی ہے اور جس کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہو رہا ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی تضاد نہیں۔ قرآن پاک کو ماننا ہی ہمارے متقی ہونے کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

اللہ مثل بیان فرماتا ہے کہ ایک شخص ہے جو کئی مختلف الاغراض شرکاء کو مانتا ہے اور ایک شخص ہے جو صرف ایک صاحب کو ہی مانتا ہے، کیا یہ دونوں مساوی ہیں۔ حمد اللہ ہی کی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر لاعلم ہیں۔

شرک کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے یہ مثل بیان فرمائی گئی ہے کہ ایک خادم جس کو کئی مختلف الاغراض آقاؤں کی خدمت کرنی پڑے وہ کس قدر مشکل میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو بھی ٹھیک طور پر استعمال نہیں کر سکتا، اور اپنی اپنی منوانے کی طلب رکھنے والے آقا بھی اسے ہمیشہ پریشان ہی کرتے ہیں۔ اس کے مقابل ایک شخص ہے جو صرف ایک صاحب کو مانتا ہے۔ اس کو یکسو رہنے میں بھی کوئی مشکل نہیں ہوتی، اپنے صاحب کی خدمت میں ہمہ وقتی حاضری بھی ممکن ہوتی ہے اور وہ اپنی استعداد

کا درست استعمال بھی کر سکتا ہے۔ بہت سے آقاؤں کی جو ہم آہنگ بھی نہ ہوں خدمت کرنے والا، اور ایک صاحب کی خدمت کرنے والا کبھی مساوی نہیں ہو سکتے۔ بندہ اپنے معبود کے ساتھ طبعی تعلق رکھتا ہے۔ اس تعلق میں جو راحت ہے، وہ کسی دوسرے مقام سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ حق کے مقابل من مانی کرنے کو چھوڑ دیا جائے تو بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور علم والوں سے ہو جاتا ہے، ورنہ لاعلمی سے کب نجات ہوتی ہے۔

حاصل : مشرک غرض و غایت کی بندگی کرتا ہے، مومن اللہ کی بندگی کرتا ہے، اور یہ دونوں کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ عبد و معبود کا طبعی تعلق بندے کا حال ہو جائے تو اسے وہ راحت ملتی ہے جس کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ لاعلم کو اس راحت کا پتہ نہیں ہوتا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾

بے شک موت آپ کو بھی آئے گی اور وہ بھی مریں گے۔

بندے کو حیاتِ دنیا میں عمل کے لئے دیا گیا وقت محدود ہے۔ اس وقت کے پورا ہو جانے کے بعد موت کا مقام رکھا گیا ہے۔ اللہ نے موت و حیات کو خلق ہی اس لئے کیا ہے کہ یہ دیکھا جائے کون حق کو ادا کر رہا ہے اور کون حق کے خلاف کر رہا ہے۔ موت کے وقت یہ پتہ چل جاتا ہے کہ زندگی خلافِ حق کرتے ہوئے گزاری گئی ہے، حق کو مانتے ہوئے گزاری گئی ہے، یا ابرار کی صورت سے گزاری گئی ہے۔ اس وقت رخ کو درست کرنے کی توفیق ختم ہو چکی ہوتی ہے، اس لئے اس وقت توبہ فائدہ نہیں دیتی۔

حاصل : موت کے دروازے سے سب کو گزرنا پڑتا ہے، مگر موت کے دروازے سے گزرتے وقت بھی سب مساوی نہیں ہوتے۔ منکرین حق کی موت کا تعلق عذاب سے ہوتا ہے، ابرار کے ساتھ وفات باعثِ راحت ہوتی ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾ ع

پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

منکرین حق کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے، کہ جس دن صور پھونکا جائے گا اور یوم الوعید سامنے آئے گا، تو منکر کو یہ بتایا جائے گا : یہ ہے وہ جس سے تو غفلت میں رہا، اب ہم نے تجھ سے تیری اندھیری کھول دی ہے، تو آج تیری نگاہ تیز ہے (50: 22) پھر حکم ہو گا : ہر ناشکرے مخالف کو، نیکی سے روکنے والے کو، حد سے بڑھنے والے کو جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود ٹھہرایا سخت عذاب میں ڈال دیا جائے۔ اس وقت منکر کا ساتھی شیطان کہے گا، اے رب میں نے اس کو شرارت پر نہیں ابھارا تھا یہ تو خود ہی دور کی گمراہی میں پڑا تھا۔ حکم ہو گا : میرے پاس نہ جھگڑو میں پہلے ہی تمہیں وعدہ سے آگاہ کر چکا تھا۔ میرے پاس بات بدلتی نہیں، اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ مرسلین کی صداقت تو قیامت کے دن بالکل واضح ہو گی، ان سے

جھگڑنے کا مقام وہاں نہیں ہو گا۔

حاصل : خلافِ حق کرنے پر ابھارنے والا اپنے ساتھی سے بھی قیامت کے دن جھگڑے گا, تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا : میرے پاس مت جھگڑو, میں تو تمہیں پہلے ہی عذاب سے ڈرا چکا تھا, میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ (58) میں فرمایا ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٦﴾

جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے اعمال کی خبر دے گا, اللہ نے اسے سنبھال رکھا اور یہ اسے بھول گئے۔

الجزء الرابع والعشرون ٢٤

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جب اس کے پاس پہنچا۔ کیا جہنّم ہی کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے۔

سب سے بڑا ظلم یہی ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھا جائے, کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے, اور اللہ کے فرمان کو سننے کے بعد اس کا انکار کیا جائے۔ اظلم, ظلم کو پھیلایا کرتے ہیں۔ ان کا انجام جہنم ہی ہے۔ خلافِ حق کرنے والے یہاں خوف و حزن میں مبتلا رہتے ہیں, آخرت میں ان کا مقام جہنّم ہو گا۔

حاصل : اللہ کے بارے میں وہی کہنا چاہئے, جو اللہ کے فرمان پر مبنی ہو۔ حق کو ادب سے ماننا چاہئے, کوئی مقام اپنی سمجھ سے بالا نظر آئے تو یہ کہنا چاہئے یہ میری سمجھ میں انشاء اللہ آ جائے گا, مگر اللہ کا فرمان یقیناً حق ہے۔ اظلم یقیناً جہنّم میں جائیں گے۔

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٣٣﴾

وہ جو سچ کو پیش کرے اور وہ جو اس کی تصدیق کرے وہی متقی ہیں۔

جس کی بات اللہ کی بات ہو اور جس کے اعمال صالح ہوں, وہ ہمیشہ سچ کو بیان کرتا ہے۔ اس کا رخ درست ہوتا ہے۔ ایسے پاک صاحب سے محبت رکھنے والا بھی اپنی کوئی صورت نہیں رکھتا۔ وہ محبوب کے قول کو بھی مانتا ہے اور اعمال کو بھی مانتا ہے اور اپنے علم سے اپنے صاحب کی صداقت کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ اللہ سے ڈرنے والوں کا طریق زندگی ہے۔

حاصل: حق کو بیان کرنے والے کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ جو اس سے محبت رکھے اس کی بھی اپنی کوئی بات نہیں رہ جاتی۔ اللہ سے ڈرنے والوں کا قول پاک ہوتا ہے، اعمال صالح ہوتے ہیں۔

لَهُم مَّا يَشَآءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾

ان کے لئے جو وہ چاہیں ان کے رب کے پاس ہے۔ محسنین کی جزا یہی ہے۔

اللہ سے ڈرنے والے لوگ خوشی میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، رنج کے وقت بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ وہ غصے کو پی جایا کرتے ہیں اور لوگوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرتے ہیں۔ یہ محسنین ہیں۔ ان کو جزا کے دن ان کے رب کے حضور قرب نصیب ہو گا۔ محبّ کو محبوب کی معیّت کی طلب ہوتی ہے، محبوب کو محبّ کے ساتھ سے راحت ہوتی ہے۔

حاصل: محسنین کی قدر کرنی چاہئے کہ یہ اللہ کی سنّت ہے۔

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾

تاکہ اللہ ان سے ان کے بُرے اعمال کی نفی کر دے، اور انہیں ان کے اچھے اعمال کی جزا دے جو وہ کرتے تھے۔

ایمان والوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں، اللہ ان کے لئے فرقان ٹھہرا دے گا، ان کی برائیوں کی نفی کر دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ یہ اللہ کا فضلِ عظیم ہے۔ جس ماضی کا حال شاہد نہ ہو اس ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ شاہد کے ساتھ رشتہ محبت استوار ہونے سے پہلے من مانی کرنے کے وقت میں جو اعمال ہوتے رہے وہ برے اعمال تھے۔ محسنین کے دامنوں سے ایسے داغوں کو صاف کر دیا جائے گا۔ شاہد کے اسوۂ حسنہ کے حوالے سے جو اعمال کئے گئے وہ اچھے اعمال ہیں، جن کی جزا بصورت انعام ہو گی۔

حاصل: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو معیار جانتے ہوئے اپنے رخ کو درست رکھنا چاہئے۔ بُرے اعمال کے اثرات کو مٹانا اور اچھے اعمال کی جزا دینا اللہ کا فضلِ عظیم ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾

کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں۔ اور آپ کو ان سے خوف دلاتے ہیں جو اس کے مقابل بنا رکھے ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اللہ اپنے بندے کے لئے ہر مقام پر کافی ہے۔ اللہ ہی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ بندہ اپنی ضرورت کو جانتا ہو یا نہ بھی جانتا ہو تو بھی اللہ ہی اس کو پورا کرتا ہے۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے، حق کی احسن ادائیگی کو اپنا حال بناتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ حق کی احسن ادائیگی کے لئے درکار ہے وہ موجود ہے، آئندہ جو درکار ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا، وہ اللہ کو کافی جانتا ہے۔ جو لوگ اسباب کو قادرِ مطلق کے برابر اہمیت دیتے ہیں، وہ اپنے مخالفین کو ان کے انجام سے خوف زدہ کرتے رہتے ہیں اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ پاک لوگ ان کی ملت میں لوٹ آئیں۔ مگر پاک لوگوں کو ہمیشہ کفر، فسوق اور عصیاں سے کراہت ہوتی ہے۔ پاک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتا دیا گیا ہے، کہ ان منکرینِ حق کا داؤ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ بے شک اللہ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔ جو حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگا رہے وہ کبھی طالبِ ہدایت نہیں ہوتا۔ اللہ فاسق کو ہی گمراہ کرتا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ سے بڑا رحم کرنے والا بھی کوئی نہیں، اس سے بڑا علم والا بھی کوئی نہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہی کی مہر لگا دی جائے وہاں ہدایت کا مقام ممکن ہی نہیں رہتا۔

حاصل : ہمارے اعمال سے یہ بات عیاں ہونی چاہئے، کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ اسباب پر اللہ کی قدرت ہر مقام پر ہے، تو ڈر اللہ کا ہونا چاہئے نہ کہ اسباب کا۔ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست، بڑا انتقام لینے والا نہیں ہے۔

اللہ نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے، وہ شکر گزاری سے اپنی صداقت کا ثبوت دے تو اسے ہدایت حاصل ہوتی ہے، ناشکری کرتے ہوئے اپنے کذب کا ثبوت دے تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ ہدایت و گمراہی کے لئے انسان پر کوئی جبر نہیں ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے اسے ہدایت ملتی ہے، اور جسے اللہ ہدایت دے اسے گمراہ کرنا کسی کے بس میں ہو نہیں سکتا۔ مجرمین سے انتقام لینا اللہ کی سنت ہے، اور اللہ بڑی قدرت والا ہے اس لئے اس کی گرفت سے بڑی گرفت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

حاصل : جسے اللہ ہدایت دے اسے گمراہ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اللہ مجرمین سے انتقام لیتا ہے اور وہ ہمیشہ عبرتناک انجام کو پہنچتے ہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق فرمایا، تو کہیں گے اللہ نے۔ فرما دیجئے بتاؤ تو جن کو تم اللہ کے

مَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِیۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِکٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ قُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیۡهِ یَتَوَکَّلُ الۡمُتَوَکِّلُوۡنَ ﴿۳۸﴾

مقابل پوجتے ہو اگر اللہ مجھے ضرر پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس ضرر کو کھول دیں گے، یا وہ مجھ پر رحمت کرنے کا ارادہ فرمائے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک لیں گے۔ فرما دیجئے مجھے اللہ کافی ہے، متوکّل اسی پر توکّل کرتے ہیں۔

آسمانوں اور زمین سے انسان کو اپنے تعلق کا علم ہوتا ہے، اس لئے ان کے بارے میں پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ آسمانوں اور زمین کو اللہ نے نہیں بنایا، کسی دوسرے نے بنایا ہے۔ اللہ کی قدرت کا اللہ کے مقابل ٹھہرائے گئے معبودوں سے تقابل کرنے کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ مجھے ضرر پہنچانا چاہے اور یہ اس ضرر کے دائرے کو مجھ سے دور کر دیں اور مجھے ضرر سے بچانے کی قدرت کا ثبوت دیں، دوسری یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے نوازنا چاہے، تو یہ اس کی رحمت کو روک کر مجھے اس سے محروم کر دیں اور یوں اپنی قدرت کا ثبوت دیں۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے، نہ کبھی ہو گا۔ جب دکھ بھی باذنِ اللہ ہے، اور سکھ بھی باذن اللہ ہے، تو پھر یہی کہنا حق ہے کہ مجھے اللہ کافی ہے، متوکّل اللہ پر ہی توکّل کرتے ہیں۔ متوکّل یہ یقین رکھتے ہیں کہ بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے جو کچھ حال پر درکار ہے، وہ موجود ہے، جو آئندہ درکار ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کر دیا جائے گا۔

حاصل: اگر ہم متوکل ہیں تو اللہ کو کافی ماننے کے دعوے میں ہم سچے ہیں۔ ضرر بھی باذن اللہ ہوتا ہے، رحمت بھی باذن اللہ ہوتی ہے۔ اللہ کے ساتھ سے جو کچھ ملتا ہے، وہ اللہ کے محبوب کے اتباع کی صورت سے ہی ملتا ہے، یہی راہ، شاہراہ ہے۔

قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ۙ

فرما دیجئے اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ، میں اپنا حق ادا کروں گا، پھر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

اتمامِ حجّت میں یہ مقام بھی آتا ہے کہ شاہد کی طرف سے اپنی قوم کو خطاب کر کے یہ کہا جاتا ہے، اے میری قوم تم خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنا چکے ہو، میں اپنا حق ادا کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا، خلافِ حق رخ اختیار کرنے کا انجام جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

حاصل: خلافِ حق کرنے والوں سے یہ کہنے کا مقام آتا ہے کہ تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ، میں اپنا حق ادا کروں گا، پھر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

کس پر رُسوا کرنے والا عذاب آتا ہے، اور پھر قائم رہنے والا عذاب آتا ہے۔

حیاتِ دنیا میں منکرینِ حق پر رُسوا کرنے والا عذاب آتا ہے، آخرت میں ان پر قائم رہنے والا عذاب آئے گا۔ عذابِ اکبر سے پہلے عذابِ ادنیٰ دیا ہی اس لئے جاتا ہے، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت میں اصلاحِ حال کا آخری موقع بھی انہیں حاصل ہو۔ پہلے منکرینِ حق کو عذاب ہو چکا ہے، تو اسی راستے پر جانے والے کس زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، اور آخرت کا عذاب تو قائم رہنے والا ہو گا ہی۔

حاصل: اتمامِ حجّت کی بات یہاں ختم ہوتی ہے، کہ خلافِ حق کرنے والوں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا، کہ دنیا میں ان کے لئے رُسوا کرنے والا عذاب ہے اور آگے قائم رہنے والا عذاب ہو گا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾ ع

بے شک ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں کے لئے حق کے ساتھ نازل فرمائی، تو جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی لئے پائی اور جو بھکا اس کا بھکنا بھی اسی پر ہے، اور آپ ان پر وکیل نہیں۔

کتاب اللہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی، کہ آپ حکمِ خداوندی پر عمل کر کے دکھائیں تو لوگوں کو حق کے ماننے کی طریقت معلوم ہو گی۔ احکامِ الٰہی کو جس نمونے کے حوالے سے ماننا ضروری ہے وہ نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حق کے روشن ہو جانے کے بعد اس کو قبول کرنا اور شعور کے ساتھ بھلائی کا رُخ اختیار کرنا باعثِ ہدایت ہوتا ہے، اور حق کا انکار اور شعور کے ساتھ خسارے کا رُخ اختیار کرنا گمراہی کا باعث ہوتا ہے۔ حق پہنچانے والے سے اس بات کی پوچھ نہیں ہو گی کہ تبلیغ حق کے نتائج کیا ہوئے۔

حاصل: کتاب اللہ کو ماننے والے ہی اپنی پسند کے دائرے سے نکل سکتے ہیں۔ بھلائی کا رخ اختیار کرنا بھی شعور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، خسارے کا رخ بھی شعوری کوشش سے اختیار کیا جاتا ہے اور تبلیغ حق کرنے والے سے نتائج کی پوچھ نہیں ہوتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ روم (30) میں ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

جو کفر کرے اس کا کفر اسی پر پڑے گا، اور جو صالح عمل کرے تو اپنے لئے ہی تیاری کر رہے ہیں۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِہَا ۚ فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡہَا الۡمَوۡتَ وَ یُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اللہ موت کے وقت انفس کو وفات دیتا ہے، اور جن کی موت نہ ہو ان کو نیند میں۔ پھر جن کی موت کا فیصلہ کر چکا ہو انہیں روک رکھتا ہے اور دوسروں کو اجلِ مسمّٰی تک لوٹاتا رہتا ہے۔ بے شک اس میں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

جو حرکات انسانی ارادے سے تعلق رکھتی ہیں، وہ نیند کی حالت میں نہیں پائی جاتیں۔ جن کا تعلق انسانی ارادے سے نہیں ہے وہ جاری رہتی ہیں۔ وفات اور نیند کے تعلق کو روشن کیا گیا ہے۔ جو حرکات انسانی ارادے سے تعلق رکھتی ہیں ان کا خاتمہ نیند میں بھی دیکھا جاسکتا ہے اور جو حرکات انسانی ارادے سے تعلق نہیں رکھتیں ان کا خاتمہ موت کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جس پر موت کا حکم آجائے اس کو عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو چکی ہوتی ہے، اس لئے اسے روک لیا جاتا ہے۔ اور جس کے لئے عمل کا وقت باقی ہو اسے نیند سے بیداری کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ اعمال کے لئے دی گئی مہلت کا وقتی خاتمہ نیند ہے، اعمال کے لئے دی گئی مہلت کا کلّی خاتمہ موت ہے۔ اعمال کے بعد جزا کا مقام رکھا گیا ہے۔ نیند سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ اپنے قول کی حفاظت میں کہاں کوتاہی ہوئی ہے، رخ کو درست رکھنے میں کہاں کوتاہی ہوئی ہے۔ بُری عادت جو بھی ہو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اسوۂ حسنہ کو ہر مقام پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اللہ رات کو ہمیں وفات دیتا ہے۔ پھر ہمیں دن میں اٹھاتا ہے، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت پوری ہو۔ اسے علم ہے جو ہم دن میں کماتے ہیں۔ پھر اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے، وہ ہمیں بتادے گا جو ہم کرتے رہے تھے۔ غور و فکر کرنے والے لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت گزر رہا ہے، اور اسی وقت میں صلاح و فلاح کو حاصل کیا جاسکتا ہے، اس لئے وہ نیند سے پہلے تلاوت الوجود کرتے ہیں، اصلاحِ حال کے لئے عہد کرتے ہیں اور اللہ سے استقامت کی دعا کرتے ہوئے سو جاتے ہیں۔

حاصل : رات کو سونے سے پہلے اپنے قول و عمل پر نظر کرنی چاہئے۔ اپنے حال کو احسن بنانے میں کبھی غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ بعثَ بعدَ الموت کا انکار اپنے مشاہدے کا انکار ہے۔ جزا کا یقین ہمارے قول و فعل میں نظر آنا چاہئے۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ؕ قُلۡ

کیا انہوں نے اللہ کے مقابل شفاعت

اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤٣﴾

کرنے والے ٹھہرا رکھے ہیں۔ فرما دیجئے کہ چاہے وہ کسی شے کا اختیار نہ رکھتے ہوں اور عقل نہ رکھتے ہوں۔

خلاف حق کرنے والے اس زعم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اگر ان کو جزا کے وقت گرفت ہوگی، تو ان کو ان کے معبود اپنی شفاعت سے چھڑالیں گے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شفاعت کرنے والے کیا اختیار رکھتے ہیں، اور کتنے عقل والے ہیں۔ اللہ کے حضور تو اس کے اذن کے بغیر شفاعت ممکن ہی نہیں ہوگی۔ شفاعت کا اذن انہی صاحبان کو ہوگا جو حق کے ساتھ شہادت دیں اور ہوں علم والے۔ جو فرمان الٰہی کے حوالے سے اس زمرے میں شامل ہی نہیں، ان کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ شفاعت کریں گے، اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے والی بات ہے۔

حاصل : جو اللہ کے حضور شفاعت کرنے کا اذن رکھتا ہو اور عقل والا ہو، اس کا اتباع کیا جائے تو فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔ اس کی حکم عدولی سے کسی کا بھلا ہو جائے یہ ممکن نہیں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٤٤﴾

فرما دیجئے شفاعت جمیع اللہ کے ہاتھ ہے۔ اسی کے لئے ہے، آسمانوں اور زمین کی شاہی، پھر تمہیں اسی کی طرف مراجعت کرنی ہے۔

شفاعت کے بارے میں یہ وضاحت فرما دی گئی ہے کہ اس کا منشاء ایزدی کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں۔ شفاعت وہی کرے گا، جس کو اللہ کے حضور شفاعت کا اذن ہو گا۔ ماننے والا مالکِ کل ہے۔ آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اسی کا ہے۔ ہر ایک کو توفیق اسی اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔ ہر ایک کو اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ جس نے حق کو مانا ہو، اس سے بھول چوک ہو جائے، تو اس کو نیتاً خلافِ حق کرنے والے کے برابر نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

حاصل : شفاعت قطعاً اللہ کے اذن سے ہوگی۔ اللہ کی عطا کو استعمال کرتے وقت یہ احساس بھی رہنا چاہئے، کہ ہم کو اللہ کے حضور لوٹ کر جانا ہے، اور ہمیں ہمارے کئے کی جزا دی جائے گی۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا

اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے قلوب کُڑھتے ہیں اور جب اس کے ماسوا کا ذکر

هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٤٥﴾

ہوتا ہے تو جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

مومنین کی صفات یہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کا حال اس کے خلاف ہے، کہ اللہ کی وحدانیت کا ذکر انہیں ناگوار ہوتا ہے، اور اللہ کے مقابل اوروں کے ذکر سے انہیں خوشی ہوتی ہے۔ قادرِ مطلق کی بات ہو تو انسانی پسند اور ناپسند کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اور انسان کو اپنی پسند اور ناپسند کے بیان میں بڑی خوشی ہوتی ہے۔

حاصل : آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل، اللہ کی وحدانیت کے بیان سے کڑھتے ہیں، اللہ کے ماسوا کا ذکر ہو تو انہیں خوشی ہوتی ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٦﴾

کہیے، اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب اور حاضر کا علم رکھنے والے، تو ہی اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔

آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں سے اعراض کرنے کے بعد اللہ کے حضور اظہار عبدیت کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ یہ دعا سکھائی گئی ہے، کہ اے اللہ تو ہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، غیب اور حاضر کا علم رکھنے والا ہے۔ حق کے مقابل جو لوگ اپنی پسند کو وقعت دیتے ہیں، وہی اختلاف پیدا کرتے ہیں، یا اللہ تیری شان ہے کہ تو ایسا فیصلہ فرمائے گا، کہ جو ہر لحاظ سے پورا ہو گا، ہر لحاظ سے روشن ہو گا۔

حاصل : منکرینِ حق سے اعراض کرنے کے بعد یہ دعا کرنی چاہئے۔ ہمارے ظاہر و باطن میں تضاد نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں حق کو ادب سے جان لینا چاہئے۔ اللہ ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ

اور اگر ظالموں کے لئے ہوتا جو کچھ زمین میں ہے، اور اس کی مثل اور بھی، تو وہ یوم قیامت کے برُے عذاب سے رہائی حاصل کرنے کے لئے فدیہ میں دینے پر

مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾

تیار ہو جائیں گے۔ اور اللہ کی طرف سے انہیں وہ پیش آئے گا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔

خلافِ حق کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں عبث ہی پیدا کیا گیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت نہیں کرنی۔ جب قیامت واقع ہوگی اور عذابِ خداوندی ان کے سامنے ہو گا، تو یہ لوگ اپنی جانوں کا فدیہ دینے کے لئے اور عذاب سے رہائی حاصل کرنے کے لئے اس قدر متاع دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ اس کا حساب لگانا بھی آسان نہیں۔ جو کچھ زمین پر ہے اور اسی کی مثل اور بھی اگر ان کی ملکیت ہو تو عذابِ الٰہی سے رہائی حاصل کرنے میں دینا انہیں قبول ہو گا۔ عذابِ الٰہی انہیں اس طرح گھیرے گا جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا۔

حاصل : قیامت کا عذاب، عذابِ اکبر ہو گا۔ اس سے رہائی حاصل کرنے میں سب کچھ دے دینا بھی ظالموں کو قبول ہو گا۔ اس عذاب سے بچنے کی فکر حال پر کرنی چاہئے۔ عذابِ الٰہی سے بچنے کے لئے حال پر اپنے رخ کو درست کرنا چاہئے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾

اور ان پر ان کے کئے کے بُرے نتائج کھل جائیں گے اور انہیں گھیرے گا جس کا مذاق اڑاتے رہے تھے۔

منکرینِ حق قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں۔ حال پر جو جلوت میں ہے، قیامت کے دن یہ خلوت میں ہو گا، اور جو اس وقت خلوت میں ہے وہ قیامت کے دن جلوت میں آ جائے گا، اس لئے منکرین حق کے اعمال کے بُرے نتائج ان پر واضح ہو جائیں گے۔ منکرینِ حق کو جب ان کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ اس انجام کا مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ منکر اپنے لئے سامان عذاب ساتھ لے کر جائے گا۔

حاصل : من مانی کرنا بندگی کی نفی ہے۔ قیامت کے دن بُرے اعمال کے نتائج سامنے آ جائیں گے، اور جس عذاب کا مذاق اڑانا منکرینِ حق کا معمول تھا وہی عذاب ان کو گھیرے میں لے لے گا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۫ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ

تو جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے، تب ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسے اپنے

اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

پاس سے نعمت عطا فرما دیتے ہیں، تو کہتا ہے، کہ یہ تو مجھے میرے علم کی بدولت ملی ہے۔ بلکہ یہ تو فتنہ ہے ولیکن ان میں اکثر لاعلم ہیں۔

انسان دکھ کے وقت اپنی بے بسی کو مانتا ہے۔ یہ بے بسی اسے اللہ کے قریب ہونے کے لئے سواری کا کام دیتی ہے۔ تب وہ اللہ کو پکارتا ہے، پاک رہنے کا عہد کرتا ہے اور خلافِ حق کرنے سے تائب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی صداقت کو دیکھنے کے لئے نعمت عطا کر دی جاتی ہے، تو پھر وہ اسے عطاءِ الٰہی ماننے کی بجائے اپنے علم کی بدولت دیکھنے لگتا ہے۔ حالانکہ بے بسی کا اظہار کرتے وقت بھی تو انسان کو یہی علم تھا جس پر وہ ناز کر رہا ہوتا ہے۔ علم والے ہمیشہ یہ جانتے ہیں، کہ دکھ بھی اللہ کے اذن سے ہوتا ہے، سکھ بھی اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ آسانیوں کو اپنے علم کی بدولت جانتے ہیں وہ یقیناً بے علم ہوتے ہیں۔

حاصل : دکھ اللہ کے قریب ہونے کے لئے سواری کا کام بھی دیتا ہے۔ بے بسی کا احساس انسان کو خود شناسی میں مدد دیتا ہے۔ عطاءِ الٰہی بصورتِ نعمت یہ دیکھنے کے لئے ہوتی ہے کہ انسان نعمت کو مانتا ہے یا عطا کرنے والے مالکِ کل کو مانتا ہے۔ علم والے اللہ کا ساتھ رکھتے ہیں، بے علم اشیاء کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

ان سے پہلے والے بھی یہی کہتے رہے، تو ان کا کمایا ہوا ان کے کسی کام نہ آیا۔

دکھ کے وقت بے بسی کا اظہار کرنے والے اور نعمت کو پا کر اسے اپنے علم کی بدولت جاننے والے جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں۔ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کا مقام آتا ہے تو ان کا کسب ان کے کسی کام نہیں آتا۔ پہلے بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ سابقہ واقعات سے سبق لینا بھی عقل مندی ہے۔ خسارے کی راہ کو اختیار کرنے والے فلاح نہیں پا سکتے۔

حاصل : ناشکری کا راستہ اختیار کرنے والے اس انجام کو پہنچیں گے، جس انجام کو پہلے ناشکری کرنے والے پہنچ چکے ہیں۔ اللہ کی پکڑ انسان کو دوسروں کے لئے عبرتناک بنا دیتی ہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ

تو ان پر پڑ گئیں ان کے کسبوں کی برائیاں۔ اور جو ظالم ہیں ان پر عنقریب

مَا كَسَبُوْا ۭ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

پڑیں گی ان کے کسبوں کی برائیاں اور وہ عاجز نہیں کر سکیں گے۔

جو لوگ پہلے خلافِ حق کر چکے ہیں، ماضی میں عذاب الٰہی نے ان کا احاطہ کیا ہے۔ جو حال پر خلافِ حق کر رہے ہیں ان کو بھی اتمام حجت کے بعد عذابِ الٰہی اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اور یہ نہیں ہو گا کہ وہ عذابِ الٰہی کے احاطے سے نکل جائیں۔ جو خلافِ حق کر رہا ہے اور کرتا چلا جا رہا ہے اس کے پاس عمل کے لئے دیا گیا وقت کم ہی ہو رہا ہوتا ہے۔

حاصل : اپنے بُرے اعمال کے انجام سے بچ جانا ممکن نہیں۔ خلاف حق کرنا ظلم ہے، اور ظالم جلد ہی عذابِ الٰہی کی گرفت میں آجاتا ہے۔ عذابِ الٰہی کے دائرے سے نکل جانا قطعاً ناممکن ہے۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی رزق میں بسط دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہے)۔ بے شک اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

رزق میں کشادگی اور تنگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ سے بڑا کوئی علم والا نہیں۔ کشادگی کی صورت میں اظہارِ عبدیت یوں ہو گا کہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے عطا کردہ رزق کو محسنین کی طرح لوگوں پر خرچ کیا جائے۔ معیارِ مطلق بہرحال اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ تنگی کی صورت میں اظہارِ عبدیت یوں ہو گا، کہ صبر کے ساتھ حال کو گزارا جائے اور یہ یقین رہے کہ موجودہ حالات اس علم کے عطا ہونے کے لئے موزوں ترین ہیں جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو رہا ہے۔ ایمان والے کشادگی کو بھی اللہ کی مہربانی جانتے ہیں، اور رزق میں تنگی کو بھی اللہ کی مہربانی جانتے ہیں۔ ہونے کے مقام پر بھی اللہ کا ساتھ ہو، نہ ہونے کے مقام پر بھی اللہ کا ساتھ ہو تو صداقت کا ثبوت مل جاتا ہے۔

حاصل : رزق میں کشادگی ہو یا تنگی ہو، ہوتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ کا ہر کام علم اور حکمت سے ہوتا ہے۔ ایمان والے لوگ اپنے مشاہدات میں اللہ کے کرم کو بہرحال دیکھتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ شوریٰ (42) میں فرمایا ہے۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۷

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے رزق میں بسط دیتا، تو ضرور زمین میں فساد کرتے۔ ولیکن وہ اتارتا ہے جس قدر چاہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

فرما دیجئے اے میرے بندو، جنہوں نے اپنے نفس پر اسراف کیا ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جانا، بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہ غفور و رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نصیحت سے اعراض کرنا اسراف ہے، اور اسراف کرنے والے اللہ کو نہیں بھاتے۔ فرمانِ الٰہی سب سے بڑی نصیحت ہے۔ اس کے مقابل جو بات بھی مانی جائے، اس سے پریشانی ضرور پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ پریشانی بھی قبولِ حق میں حائل ہونے لگتی ہے، اور بندہ رحمتِ الٰہی سے مایوسی کی طرف چل پڑتا ہے۔ گناہ کرتے کرتے حق کی طرف واپسی اسے ناممکن معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس مقام پر بھی رحمتِ الٰہی کی امید کے ساتھ اصلاحِ حال کرنے کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ جب بندہ پاک ہو جائے تو اس کے ناپاک ماضی کی نفی کر دی جاتی ہے۔ اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : اللہ کے فرمان کے خلاف کرنا اسراف ہے۔ اسراف کرنے والا ہمیشہ پریشان ہو جاتا ہے۔ پریشانی میں بھی بندہ حق کو ماننے کا عہد کرے تو رحمتِ الٰہی اس کو سہارا دیتی ہے، اور بندے کو بخش بھی دیا جاتا ہے اس پر رحم بھی کیا جاتا ہے۔ عبداللہ ہونے کا حق اللہ کی سنّت کے مطابق ہونے سے ہی ادا ہوتا ہے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور اپنے ربّ کی طرف رجوع لاؤ اور فرمان برداری کرو، قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے، پھر کوئی تمہاری نصرت کو نہ آئے گا۔

اسراف کرنے والوں کو اپنے گناہوں کی بہتات کو دیکھتے دیکھتے حق سے اعراض کے رخ پر ٹک نہیں جانا چاہئے۔ اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ حق کو مان لینے والے کے سب گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ رحمتِ الٰہی سے فیض یاب ہونے کا طریقہ بتایا گیا ہے : پہلا قدم ہے انابت اور دوسرا قدم ہے فرمان برداری۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتے والے کا اتباع کیا جائے تو انابت کا حق ادا ہوتا ہے، اور شاہد کے فرمان پر اپنی پسند کو قربان کر دیا جائے تو فرمان برداری کا حق ادا ہوتا ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد خلافِ حق کرنے والے پر گرفت ضرور ہوتی ہے۔ گرفت سے پہلے ہی حق سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد مدد کرنا کسی کے بس میں نہیں ہو گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والا، اللہ کی فرمان برداری کرنے والا، مسرف نہیں رہتا۔ اصلاحِ حال کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد مدد کرنا کسی کے بس میں نہیں ہو گا۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٥٥﴾

اور اس احسن کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہے، قبل اس کے کہ عذاب اچانک تم پر آپڑے اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔

قرآن پاک احسن الحدیث ہے۔ بہترین نصیحت کا تعلق ہمیشہ قرآن پاک سے ہوتا ہے۔ صریحاً عربی زبان میں ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں، کوئی تضاد نہیں۔ حق کو ماننے کی صورت میں بشارت کو واضح فرمایا گیا ہے، حق کے انکار کے انجام سے بھی وضاحت کے ساتھ ڈرایا گیا ہے۔ کوئی حال ہو کوئی مقام ہو قرآن پاک سے ہدایت لی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب اللہ، ہمارے پالنے والے علیم مطلق کی طرف سے ہمارے لئے بھیجی گئی ہے۔ اس میں جو بھی فرمایا گیا ہے، ہمارے لئے ہے۔ ہم اس سے عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں ہی فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے بعد گرفت کا مقام آئے گا، اور وہ گرفت ایسی نہیں ہوگی جس سے بچ جانا ممکن ہو۔

حاصل : اجتماعی طور پر قرآن پاک کو ماننا، عطاء الٰہی کی قدر کرنے کا ثبوت ہے۔ اس بہترین عطا کی بےقدری ہو گی تو عذاب بھی ضرور آئے گا، جو اچانک بھی ہو گا، اور اس سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو گا۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾

مبادا کوئی کہے کہ اے حسرت میری کوتاہی پر جو اللہ کے بارے میں مجھ سے صادر ہوئی، اور میں تو تمسخر ہی کرتا رہا۔

جو حال پر اللہ کی بہترین عطا کی بےقدری کرے گا، اسے مستقبل میں اپنے کیے پر ندامت ہوگی۔ اپنی کوتاہیوں پر افسوس بذاتِ خود مستقل دکھ ہو گا، اور یہ احساس بھی دکھ دے گا کہ ناصحین کا مذاق اڑانے والوں میں شمولیت رہی۔

حاصل : اللہ کے فرمان کی قدر کرنی چاہئے، ناصحین کا ادب کرنا چاہئے، یہ بھلے لوگوں کا طریق زندگی ہے۔ اللہ کے فرمان کی بےقدری اور ناصحین سے تمسخر یہ بُرے لوگوں کا طریقِ زندگی ہے۔ جو حال پر بُرا کرے گا، اسے مستقبل میں اپنے کئے پر افسوس ہو گا۔

أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللَّهَ هَدَانِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾

یا کوئی یہ نہ کہے کہ اگر اللہ مجھے راہ دکھاتا تو میں متّقین سے ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو نصیحت نازل فرمائی ہے، جس طرح عملاً اس کو لوگوں تک پہنچایا ہے، جس طرح کے مشاہدات لوگوں کو کرائے ہیں، اس کی بدولت قیامت کے دن کسی کے لئے یہ کہنا ممکن نہ ہو گا، کہ مجھے تو حق کا پتہ ہی نہیں لگا، اگر پتہ لگ جاتا تو میں اللہ سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتا۔

حاصل : حق ہر ہر بندے تک پہنچتا ہے۔ اس کے ماننے یا نہ ماننے کی شعوری کوشش کی بندے کو جزا دی جائے گی۔

أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

یا کوئی عذاب کو دیکھ کر کہے کاش میں لوٹ کر جا سکوں تو محسنین سے ہو جاؤں۔

جزا کے انکار پر انحصار کرنے والے کو بتا سب کچھ دیا جاتا ہے، اس کو انجام سے آگاہی بھی ہو جاتی ہے، حال پر غفلت سے بچنے کی اہمیت بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے، اس کو یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی اس نے اپنی صداقت یا کذب کا ثبوت دینا ہے۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر دارِ عمل کی طرف لوٹنے کی طلب اور محسنین کے ساتھ ہونے کی طلب کوئی قابلِ قدر بات نہیں ہے۔

حاصل : محسنین کے ساتھ ہونے میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر محسنین کے ساتھ کی قدر کا پتہ لگے گا، مگر اس وقت اصلاح کو قبول کرنے کی حسرت ہی رہے گی۔

بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٩﴾

ہاں بے شک تیرے پاس میری آیات آئی تھیں پر تو نے ان کی تکذیب کی اور استکبار کیا اور تو کافروں سے تھا۔

خلافِ حق کرنے والے لوگوں میں سے ہر ایک کے پاس اللہ کی نشانیاں آتی ہیں۔ خلاف حق کرنے والا ان کو جھٹلاتا ہے، اپنی پسند کو حق کے مقابل اہمیت دیتا ہے اور استکبار کرتا ہے، اور پورے شعور کے ساتھ حق کے انکار کی راہ کو اختیار کرتا ہے۔ یہ بات اس اضطراری کیفیت میں مجرمین پر واضح کر دی جائے گی جو عذابِ الٰہی کے مشاہدے سے ان کے اندر پیدا ہو گی۔

حاصل : اللہ کی نشانیاں دیکھنا، ان کو جھٹلانا، استکبار کرنا اور کافروں کی راہ اختیار کرنا، ہر منکرِ حق کو ان مقامات سے گزرنا ہوتا ہے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٦٠﴾

اور قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا، ان کے چہرے سیاہ ہیں، کیا متکبّرین کا ٹھکانا جہنم میں نہیں۔

فلاح کی راہ اختیار کرنے والے لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے۔ خسارے کی راہ اختیار کرنے والے لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ سیاہ چہرے والے لوگوں سے فرمایا جائے گا، کیا تم ایمان کے بعد کافر ہوئے تو اب چکھو عذاب، اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔ روشن چہرے والے حضرات کو اللہ کی رحمت سے نوازا جائے گا۔ اللہ کے بارے میں وہی کہنا حق ہے، جو قرآن پاک کی رو سے مستند ہے اور ہم عملاً اس کو مانتے ہیں۔ متکبّرین کا ٹھکانا صرف اور صرف جہنّم میں ہی ہو سکتا ہے کہ ان کے اعمال کی جزا یہی ہے۔

حاصل : اللہ پر جھوٹ باندھنے والے لوگوں کا رخ حیاتِ دنیا میں بھی سیاہ ہوتا ہے مگر یہ سیاہی خلوت میں ہوتی ہے، آخرت میں یہ سیاہی جلوت میں آجائے گی۔ متکبّرین کا ٹھکانا صرف اور صرف جہنم میں ہے۔

وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦١﴾

اور اللہ ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، کامیابی کے ساتھ نجات دے گا، نہ انہیں تکلیف پہنچے گی اور نہ انہیں حُزن ہو گا۔

اللہ سے ڈرنے والے لوگوں کو عزت و رحمت سے نوازا جائے گا۔ ان کی کوتاہیوں کو بخش دیا جائے گا۔ ان کا اللہ پر ایمان رکھنا، اللہ کے رسول پر ایمان رکھنا اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرنا، ان کی کامیابی کا باعث ہو گا۔ ہدایت کے اتباع کو حال بنانے والے یہ لوگ غم میں مبتلا نہ ہوں گے۔

حاصل : مُتّقی ہونے میں فلاحِ دارین ہے۔ اللہ نے یہ سند نازل فرمائی ہے کہ آخرت میں متقی لوگوں کو نہ دکھ پہنچے گا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾

اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، اور وہی ہر شے پر وکیل ہے۔

اللہ خالقِ کل ہے۔ ہر شے کو اس نے اپنے علم سے بنایا ہے۔ کسی شے کو اس نے بے مقصد نہیں بنایا۔ ہر شے کو اس کے منشاء تخلیق کے مطابق ایک دائرہ کار میں لگائے رکھنا اور کائنات کے توازن کو قائم رکھنا اللہ کے ہر شے پر وکیل و محافظ ہونے کا ثبوت ہے۔ جس شے کو بھی خلافِ حق استعمال کیا جائے گا، اس کے نتائج بُرے ہی ہوں گے۔ اور اللہ کی قدرت کے ہر شے پر محیط ہونے کا مشاہدہ تو انسان کو ہوتا ہی رہتا ہے۔

حاصل : کسی بھی شے کو اس کے منشاء تخلیق کے مطابق استعمال کرنا اور اللہ کی قدرت کے احاطے کو ہر مقام پر دیکھتے رہنا بھلائی کی راہ ہے۔ ہمیں اسی کی جزا دی جائے گی، جو رخ ہم اختیار کریں گے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

اسی کی ملکیت ہیں، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی خسارے والے ہیں۔

آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے۔ تمام خزانوں کا خالق و مالک بھی اللہ ہی ہے۔ ان خزانوں کی کنجیاں بھی اسی کے پاس ہیں۔ کسی خزانے کو مشیتِ الٰہی کے خلاف استعمال کرنا ممکن ہی نہیں۔ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی کرتے وہی ہیں، جو ان کا جی چاہتا ہے، یہ لوگ شعوری کوشش کے ساتھ خسارے کی راہ کو اپناتے ہیں۔ دنیا میں خوف و حزن ان پر مسلط ہو جاتا ہے، آخرت میں عذابِ الٰہی ان کو گھیرے گا۔ یہی دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین سے جو کچھ بھی حاصل ہو اس کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے تو اجتماعی بھلائی کا راستہ کھلے گا۔ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر بھی من مانی کرنے سے باز نہ آئیں وہی خسارے والے لوگ ہوتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ زمر (39) میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

فرما دیجئے : اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے رب پر تقویٰ کرو۔ جنھوں نے بھلائی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے، اور اللہ کی زمین وسیع ہے۔ تو صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا

فرمائیے۔ اے جاہلو کیا پھر بھی تم مجھے

الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ غیر اللہ کی بندگی کے لئے کہتے ہو۔

آسمانوں اور زمین کے خالق و مالک کے مقابل اپنے گمان سے بنائے گئے معبودوں کو ماننا قطعاً جہالت ہے۔ جب حق کو سن لیا جائے، اس کی اسناد بھی نظر آجائیں، تو پھر خلافِ حق کرنے سے باز نہ آنا اور جہالت کو پھیلانے کے لئے زور لگانا جاہلوں کا طریقِ زندگی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو وہ لوگ کہنے لگے، لے آیئے اس عذاب کو اگر آپ سچے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس کے آنے کا وقت تو اللہ کے علم میں ہے، میں تو تمہیں اپنے ربّ کا پیغام پہنچاتا ہوں، ولیکن میں دیکھ رہا ہوں تم لوگ ہو جاہل۔

حاصل: غیر اللہ کی بندگی کا امر کرنے والے قطعاً جاہل ہوتے ہیں۔ جو حق کے مقابل اپنے گمان کو وقعت دیں ان کے اختیارات کو بڑھانے سے جہالت ہی بڑھتی ہے۔

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۚ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾

اور بے شک تیری طرف بھی اور تجھ سے قبل والوں کی طرف بھی یہی حکم بھیجا گیا، کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو خسارے والوں سے ہو جائے گا۔

قرآن پاک میں فرد کو بھی خطاب فرمایا گیا ہے، جماعت کو بھی خطاب فرمایا گیا ہے۔ مثلاً اسی سورۃ کی آیت 59 میں فرمایا گیا ہے: بے شک تیرے پاس میری آیات آئیں تو تو نے ان کو جھٹلایا اور استکبار کیا اور تو کافروں سے تھا۔ یہ حق کا انکار کرنے والے ہر ہر فرد سے خطاب ہے۔ یہاں بھی یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ حق کا ہر ہر بندے تک پہنچانا اللہ کی شان ہے۔ حال ہو یا ماضی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی فرمایا گیا ہے کہ بندے اگر تو نے شرک کیا تو تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو خسارے والوں سے ہو جائے گا۔ شرک ظلم عظیم ہے۔ مشرک کبھی حنیف نہیں ہو سکتا، اور حنیف ہونا، یک سو ہونا، فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

حاصل: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا حق ہی سند کا درجہ رکھتا ہے، اور حق میں اختلاف کا مقام نہیں ہوتا۔ حق کو ماننے کا دعویٰ شرک کے ارتکاب سے جھوٹا ثابت ہو جاتا ہے اور وہ سب عمل بھی ضائع ہو جاتے ہیں جو حق کو ماننے کے حوالے سے کئے گئے ہوں۔ شرک کا انجام قطعاً خسارہ ہے کہ مشرک حزبُ الشیطٰن سے ہوتا ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ بلکہ صرف اللہ کی بندگی کر اور شاکرین

سے ہو۔

بندے کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ صرف اللہ کی بندگی کرے، اور شکر کرنے والوں کے ساتھ رہے۔ اللہ کی بندگی وہی کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے۔ جس کا مقصود اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ نہ ہو، وہ شاکرین کے ساتھ لگے گا تو اس کی شکر گزاری کی تصدیق ہو جائے گی۔ اللہ کی عطا کو، اللہ کی رضا پر لگانے کا علم شاکرین سے ہی سیکھا جا سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی بندگی کرنے والے کے لئے شاکرین سے ہونا لازم ہے۔ مشرک کبھی شاکر نہیں ہو سکتا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسے اس کی قدر کا حق تھا، اور قیامت کے دن ساری زمین اسی کے قبضہ قدرت میں ہو گی اور آسمان بھی اسی کے ہاتھ ہوں گے۔ اس کی ذات ان کے شرک سے پاک اور بلند ہے۔

مشرک اللہ کی بے قدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کی جہالت ان کو قدردان بننے سے روک دیتی ہے۔ اور جہالت کو چھوڑنے کے لئے مشرک تیار نہیں ہوتے۔ اللہ کی قدر کا حق یہ ہے کہ اس کے فرمان کی ادب سے تعمیل ہو اور اس کا شکر ادا کیا جائے کہ جو نصیحت اس نے بھیجی ہے، اس سے بہتر کچھ نہیں ہے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بہتر کوئی راہ عمل نہیں ہے۔ زمین و آسمان حال پر بھی اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں مگر قیامت کے دن حقائق جس طرح واضح ہوں گے کسی اختلاف کا وہاں امکان ہی نہ ہو گا۔ جب زمین کا مقصد تخلیق پورا ہو جائے گا، آسمانوں کا مقصد تخلیق پورا ہو جائے گا، تو یہ ماحول بدل جائے گا۔ جو اب جلوت ہے یہ خلوت ہو جائے گی اور جو اب خلوت ہے وہ جلوت میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے، واحد ہے اور بے مثل ہے، قادر مطلق ہے، خالق کل ہے، اس کی ذات ان کے شرک سے بلند و بالا ہے۔

حاصل : مومن اللہ کی قدر کرتے ہیں، مشرک بے قدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جو کچھ اب جلوت میں ہے اللہ کی قدرت سے ہے، جو کچھ اب خلوت میں ہے وہ بھی اللہ کی قدرت سے ہے۔ قیامت کے دن یہ جلوت خلوت ہو جائے گی، اور خلوت جلوت ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے خسارے میں پڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور بے مثل ہے۔ کوئی اس کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور صور پھونکا جائے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے جتنے بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، مگر جن کو اللہ چاہے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

عمل کے لئے دی گئی مہلت کے ختم ہوتے ہی، حکم الٰہی سے صور پھونکا جائے گا، تو آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اور جن کو عمل کے لئے مہلت دی گئی ہے، ان پر ہوش کا مقام نہیں رہے گا۔ اس وقت بھی اللہ جن کو ہوش میں رکھنا چاہے گا وہ ہوش میں رہیں گے۔ اللہ کی قدرت کا مشاہدہ حیات دنیا میں بھی بندے کو ہوتا رہتا ہے، مگر جو کچھ آخرت میں ہو گا، وہ اس لحاظ سے بڑا ہو گا کہ گمان کی سب صورتیں ختم ہو جائیں گی۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا، تو جزا کا مقام آجائے گا، اور سب دفعتاً کھڑے ہو جائیں گے اور وہ کچھ دیکھنے لگیں گے، جس کے بارے میں انہیں آگاہ کیا گیا تھا۔ اللہ کی قدرت کی شان یہ ہے، کہ اس کی ایک آواز سے ہونا، نہ ہونے میں بدل جائے گا، اور ایک ہی آواز سے نہ ہونا، ہونے میں بدل جائے گا۔ تمام تبدیلیاں اس سرعت کے ساتھ ہوں گی کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : اللہ کی قدرت یہ شان رکھتی ہے، کہ اس کی ایک آواز سے ہونا، نہ ہونا ہو جائے گا، اور پھر ایک ہی آواز سے نہ ہونا، ہونا ہو جائے گا۔ دارِ عمل بھی اللہ کا ہے، دارِ جزا بھی اللہ کا ہے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور زمین اپنے ربّ کے نور سے جگمگا اٹھے گی، اور کتاب رکھی جائے گی، اور انبیاء اور شاہد لائے جائیں گے، اور ان کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

قیامت کے دن نورِ الٰہی حقائق کو اس طرح روشن کر دے گا، کہ کسی کو ان کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے گا، یوں زمین اپنے ربّ کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ فلاح پانے والے کو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا، وہ کہے گا مجھے یقین تھا کہ حساب پیش آنے والا ہے۔ خسارے والے کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا، وہ کہے گا : افسوس میرا نامہ اعمال مجھے نہ ہی ملتا، اور مجھے پتہ ہی نہ لگتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ افسوس موت ہی خاتمہ کر چکی ہوتی۔ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، میری جاہ و حشمت بھی گئی گزری ہو گئی۔ وہ حضرات عالی قدر جنہوں نے حق کی تبلیغ کی وہ اللہ کے نبی اور اللہ کے نبی سے محبت رکھنے والے

شاہدین ہیں۔ ان کو دربار الٰہی میں لایا جائے گا۔ جن کی اطاعت اللہ کے نزدیک صداقت کا ثبوت ہے، جن کا اتباع اللہ کے نزدیک حبّ الٰہی کا ثبوت ہے، ان حضرات عالی قدر کی شہادت اللہ کے دربار میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جس کے عمل صالح ہوں گے، وہ شاہدین کے ماننے کے دعوے میں سچا ثابت ہو جائے گا۔ جس کے عمل غیر صالح ہوں گے وہ ماننے والوں میں شمار نہیں ہو گا۔ حق فرمانِ الٰہی ہے، قیامت کے دن اسی حوالے سے فیصلہ فرمایا جائے گا، اور کسی پر بھی ذرّہ برابر زیادتی نہ ہو گی۔

حاصل : حق کو روشن کرتے رہنا بندے کی شان ہے۔ اپنے اعمال کو جزا کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔ شاہدین سے تعلق کا دعویٰ ہو تو حسنِ عمل سے اس کا ثبوت بھی دینا چاہئے۔ ہماری بات حق کے مطابق ہونی چاہئے، اور کبھی خلافِ حق نہیں ہونی چاہئے۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾

اور ہر نفس کو پورا ملے گا جو عمل وہ کرتا تھا اور اللہ کو سب سے زیادہ علم ہے جو فعل وہ کرتے تھے۔

پوری پوری جزا دینا اللہ کی شان ہے۔ اس کا وقت اللہ نے یوم الدّین رکھا ہے۔ کوئی مقام ہو عمل کرنے والے کی نیت بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوتی، عمل بھی اللہ سے مخفی نہیں ہوتا۔ ہمارے ہر فعل کا سب سے بڑا علم اللہ کو ہی ہوتا ہے، اس لئے پوری پوری جزا اللہ ہی دے سکتا ہے۔

حاصل : اپنے قول کی بھی حفاظت کرنی چاہئے، اعمال کی بھی حفاظت کرنی چاہئے، کہ ہمیں ہمارے کئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مومن (40) میں ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾

جس نے بُرا عمل کیا اسے اسی کی مثل جزا ملے گی۔ اور جو صالح عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت اور ہو مومن تو یہی لوگ جنّت میں داخل کئے جائیں گے، جہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَ

اور کافروں کو جہنّم کی طرف ہانکا جائے گا، گروہ در گروہ، حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے، اس کے دروازے کھولے جائیں

قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾

گے، اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول تشریف نہیں لائے کہ تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے۔ عرض کریں گے، آئے تو تھے۔ ولیکن کافروں پر کلمۂ عذاب پورا ہو کر رہا۔

کافروں کو جہنّم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ جو حال پر منکرینِ حق کے ساتھ ہے وہ قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ ہو گا، اس طرح گروہ در گروہ کافروں کو جہنّم کی طرف ہانکا جائے گا۔ سزا کا مقام جہنّم ہے۔ جب کافر یہاں پہنچیں گے، تو جہنّم کے دروازے کھولے جائیں گے، اور مقامِ سزا ان کے سامنے ہو گا۔ جہنّم پر مقرر کردہ داروغے کافروں سے پوچھیں گے : کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول تشریف نہیں لائے کہ تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے، اور تمہیں اس دن کے بارے میں آگاہ کرتے۔ کافر عرض کریں گے : وہ تو آئے تھے، مگر ہم نے ان کی تکذیب کی، اور ہم نے کہا اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ اگر ہم سنتے اور عقل کرتے تو عذاب میں نہ پڑتے۔ شیطان کی پیروی کرنے والوں کے لئے جو کچھ فرمایا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

حاصل : مقامِ سزا کا دروازہ مجرمین کے پہنچنے پر کھلتا ہے۔ جس کا حال پر ساتھ ہو گا آخرت میں بھی وہی ساتھی ہو گا۔ جہنّم کے داروغے بھی جو کچھ پوچھیں گے وہ امرِ الٰہی سے پوچھیں گے۔ رسولوں کی تشریف آوری کا بھی مجرمین اعتراف کریں گے، انجام سے آگاہی کا بھی اعتراف کریں گے، اور فرمانِ الٰہی کے پورا ہونے کو بھی دیکھ رہے ہوں گے۔

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾

حکم ہو گا۔ ابواب جہنّم میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ کے لئے اس میں رہو۔ تو کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے متکبّرین کا۔

جہنّم کے دروازوں میں داخلے کے حکم سے پہلے مذکورہ باتیں ہوں گی، اور کافروں کے اس اعتراف کے بعد کہ ان تک حق پہنچا، انہوں نے اس کو جھٹلایا، اور وہ استکبار کرتے رہے، ان کو جہنّم میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ انہیں یہ بھی بتا دیا جائے گا، کہ یہ ہی تمہارا دائمی ٹھکانا ہے۔ متکبّرین کا ٹھکانا بہت بُرا ہے، کہ وہ دائمی دکھ کا مقام ہے۔

حاصل : کافروں سے اعترافِ جرم کروا کر ان کو جہنّم میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، اور ان کو بتا دیا جائے گا، یہ تمہارا دائی ٹھکانا ہے۔ استکبار سے تمام گناہ پیدا ہوتے ہیں، اس لئے فلاح کی طلب ہو تو استکبار سے بچنا ضروری ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾

اور جو لوگ اپنے ربّ سے ڈرتے رہے انہیں گروہ در گروہ جنّت کی طرف لایا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوں گے، اور ان سے جنّت کے داروغے کہیں گے، سلام ہو تم پر، تم پاک ہو، تو جنّت میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ رہنے کے لئے۔

جو لوگ احکامِ الٰہی کو مانتے ہیں، وہی اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور حق کی ادائیگی کے بعد یہ کہتے ہیں : یا اللہ ہمارا رخ تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ہمارے حال کو آپ کے اسوۂ حسنہ سے نسبت ہی کیا ہے۔ تو قبول کرے تو یہی تیری مہربانی ہے۔ جن پاک لوگوں کا حال پر ساتھ ہو گا، وہی آخرت میں بھی ساتھ ہوں گے، اس طرح پاک لوگوں کو بڑی عزت کے ساتھ جنت کی طرف گروہ در گروہ لایا جائے گا۔ ان لوگوں کو نہ بُرائی مس کرے گی، نہ انہیں غم ہو گا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچیں گے تو جنت کے دروازے ان حضرات کے انتظار میں کھلے ہوں گے، اور ملائکہ ان حضرات کو سلام کہیں گے اور ان سے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ رہنے کے لئے۔

حاصل : پاک لوگوں کی تکریم کا ایک رکن یہ بھی ہے کہ ان کی تشریف آوری سے پہلے ان کی آرام گاہ کے دروازے کھلے ہوں اور خوش آمدید کہنے والے ان کے منتظر ہوں۔ جنّت دائمی راحت کا مقام ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾

اور وہ کہیں گے الحمدللہ، اللہ نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا، کہ ہمیں اس زمین کا وارث کیا، ہم جنّت میں رہیں جہاں چاہیں۔ تو کیا ہی اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کے لئے۔

جنّتی حضرات اللہ کا شکر بجالائیں گے، کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نوازا ہے اور انھیں دائمی راحت عطا فرمائی ہے۔ جنّت میں رہنے کا شرف، جہاں چاہیں رہنے کی آزادی، خدائی مہمانوں کی شان ہے۔ جنّتی حضرات کو وہی ملے گا جو وہ چاہیں گے۔ صالح عمل کرنے والے جو اجر پائیں گے، وہ ربّ العالمین کی طرف سے ہو گا، جس سے بہتر اجر دینے والا کوئی نہیں ہے۔

حاصل : سکھ عطا کرنے والے مالکِ کُل کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ دائمی راحت کا مقام اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ اللہ سب سے بہتر اجر دینے والا ہے۔ صالح عمل کرنے والوں کی قدر کرنی چاہئے۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور تم ملائکہ کو دیکھو گے، عرش کے گرد حلقہ کئے ہوئے، حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کر رہے ہیں۔ اور بندوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، اور پکار ہو گی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ربّ الْعالمین۔

قیامت کے دن ملائکہ عرشِ الٰہی کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہوں گے۔ حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کر رہے ہوں گے تقدیس بیان کر رہے ہوں گے۔ اور بندوں کے مابین تمام معاملات کا حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، کسی پر قطعاً کوئی زیادتی نہ ہو گی۔ جزا کا مقام اس قدر عیاں ہو گا، کہ اللہ کے پاک بندے بھی الحمد للہ ربّ العالمین پڑھ رہے ہوں گے، ملائکہ بھی یہی پڑھ رہے ہوں گے، اور کائنات بیک آواز الحمد للہ ربّ العالمین پڑھے گی۔

حاصل : اللہ کی شان بیان کرنا بندے کی بھلائی ہے۔ فیصلہ حق کے مطابق ہو تو اللہ کی تائید شاملِ حال ہوتی ہے۔ دنیا میں بھی حق کے مطابق فیصلہ ہو جانے کے بعد الحمد للہ ربّ العالمین پڑھنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد (47) میں فرمایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو، اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

سُوْرَةُ غَافِرٍ

آیاتہا ۸۵ — رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① — حروف مقطعات

سورتوں کے ناموں کی حد تک بھی اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ معیار وہی ہے، جس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات سے ہو رہی ہے۔ یہ حروف الگ الگ پڑھے جاتے ہیں، کہ معلم قرآن نے یہی تعلیم دی ہے۔ ان کے معانی کا تعین نہیں کیا جاتا، کہ یہ خاموشی کا مقام ہے۔

حاصل : بولنا بھی علم سے ہونا چاہئے، خاموشی بھی علم سے ہونی چاہئے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ② — اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہوا ہے جو عزیز ہے، علیم ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ اس کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس کی نصیحت کو کسی دوسرے کی بات کے مقابل رکھنا، حق کی بے قدری ہوگی۔ اللہ کی کتاب حصولِ عزت کا بہترین ذریعہ ہے، حصولِ علم کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے مقابل بندہ جس راستے کو بھی اختیار کرے گا، پریشان ہی رہے گا۔

حاصل : قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ حصول عزت کے لئے، حصولِ علم کے لئے، اسی سے ہدایت لینی چاہئے۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ③ — جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، شدید عقاب والا، بڑے انعام والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اللہ عزیز و علیم ہے۔ گناہ ہو جائے تو بندے کو بخش دینا اللہ کی شان ہے۔ بخشش طلب کرتے رہنا اللہ کے بندوں کی طریقت

ہے۔ بندہ خلافِ حق کرنے سے رک جائے اور من مانی کرنے سے توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور توبہ کے عہد کو سچا ثابت کرنے والے کے گناہوں کی نفی کر دیتا ہے۔ جو خلافِ حق کرنے سے باز نہ آئے اس کو سختی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے۔ اللہ کی پکڑ اتنی شدید ہوتی ہے کہ کسی دوسرے کی گرفت سے اس کا تقابل نہیں کیا جا سکتا۔ حق کو مان لینے والوں کے لئے اس کے پاس بے حساب نعمتیں ہیں۔ حضرتِ انسان کی زندگی کے اہم مقامات یہی ہیں۔ گناہوں کا بخشنا بھی اللہ کی شان ہے، توبہ قبول کرنا بھی اللہ کی شان ہے، خلافِ حق کرتے چلے جانے والے کو شدید گرفت میں لینا بھی اللہ کی شان ہے، اور حق کے ماننے والوں کو، وہ جس قدر بھی ہوں، رحمت و برکات سے نوازنا بھی اللہ کی شان ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مذکورہ صفات میں اس کے مقابل کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی کی طرف سے سب کا آنا ہوا ہے، اسی کی طرف سب کا جانا ہو گا۔ ان حقائق کو مان لینے کے بعد حیاتِ دنیا میں من مانی کرنے کا راستہ چھوڑ دینا ہی بندے کے صادق ہونے کا ثبوت ہو گا۔

حاصل : اللہ سے بخشش طلب کرنی چاہئے۔ خلافِ حق کرنے سے توبہ کرنی چاہئے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ یہ یقین رکھنا چاہئے جو اللہ عطا کر سکتا ہے وہ کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا۔ ان مقامات پر پورا رہنا، اللہ کو معبود ماننے کا ثبوت ہو گا۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف واپسی ہو گی، تو پھر شعوری زندگی میں من مانی کرنا قطعاً بے جا ہو گا۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④

اللہ کی آیات میں وہی لوگ مجادلہ کرتے ہیں جو کافر ہیں۔ تو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکہ نہ دے۔

اللہ کی آیات حق ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں۔ یہ ماننے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہیں۔ جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ظن کو حق کے مقابل وقعت دیتے ہیں، اللہ کی عطا کو اپنی کارکردگی کی بدولت جانتے ہیں اور من مانی کرنے کو بہترین طریقِ زندگی ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی شہروں میں ظاہری شان و شوکت عام بندے کو دھوکے میں ڈال سکتی ہے، کہ خلاف حق کرنے والے لوگ اسے موجیں کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حیاتِ دنیا میں اترانے والے لوگ، آخرت کے مقابل حیات دنیا میں دل لگا کر کج روی اختیار کرنے والے لوگ تو صریحاً گمراہی میں ہیں۔ متاعِ حیات تو دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ اس کا استعمال کس طرح کیا جاتا ہے، کون رخ کو درست رکھتا ہے، اور کون رخ کو درست نہیں رکھتا۔

حاصل : حکمِ الٰہی کے مطابق رہنا مومن کی شان ہے، اللہ کی آیات میں مجادلہ کرنا کفر ہے۔ زینت حیاتِ دنیا اور ظاہری شان و شوکت کسی کی صداقت کا ثبوت نہیں ہے۔ جس قدر توفیق دی گئی ہے، اسی قدر پوچھ بھی ہو گی۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾

ان سے قبل قومِ نوح نے اور ان کے بعد کے گروہوں نے تکذیب کی، اور ہر امت نے اپنے رسول کو پکڑنے کا ارادہ کیا، اور حق کو پسپا کرنے کے لئے بالباطل مجادلہ کیا۔ تو میں نے انہیں پکڑا۔ پھر کیسی ہوئی میری پکڑ۔

شہروں میں ظاہری شان و شوکت سے دندناتے پھرتے کافر پہلے بھی ہوئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی بڑے وسائل رکھتی تھی۔ عاد اور ثمود بھی زینتِ حیاتِ دنیا پر اترانے والے لوگ تھے۔ یہ لوگ حق کو جھٹلاتے رہے۔ ان کا انجام تباہی ہی ہوا۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا، ان لوگوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو اللہ نے اگلوں سے پچھلوں کو ملا دیا، اور انہیں کہانیاں کر ڈالا۔ ہر امت نے اللہ کے رسول کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ حق کے پسپا کرنے کے لئے پورا پورا زور لگایا۔ مجادلے میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر گرفت آئی، تو وہ ایسے مٹا دیئے گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

حاصل : کافروں کی ظاہری شان و شوکت سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے۔ حق کی تکذیب کرنے والوں کا انجام تباہی و بربادی ہی ہوتا ہے۔ اللہ کی پکڑ سے ڈرنا چاہئے، اور ہر مقام پر پاک رہنا چاہئے۔ سلامتی کے رخ پر رہنے والے ہی فلاح پاتے ہیں۔

وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿٦﴾

وقف لازم
وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسی طرح تمہارے ربّ کی بات، ان لوگوں کے لئے جو کافر ہو چکے ہیں، حق ہے کہ وہ دوزخ والے ہیں۔

کافروں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ زمین میں عاجز کرنے والے بن جائیں گے، اور انہیں حق کے مقابل غلبہ حاصل ہو جائے گا، ان کا ٹھکانا تو آگ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے رہنے کی۔ جو لوگ کفر کو اپنی شناخت بنا چکے ہیں، وہ اس راستے پر پڑ چکے ہیں، جو جہنم میں ختم ہوتا ہے۔

حاصل : کفر کا انجام یقیناً جہنم ہے۔ بھلائی کا رُخ اختیار کرنے کے لئے دیئے گئے وقت میں ہی اصلاحِ حال ممکن ہوتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٧﴾

وہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اے ربّ ہمارے تیری رحمت اور تیرا علم ہر شے پر وسیع ہے، تو انہیں بخش دے جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے، اور انہیں آگ کے عذاب سے بچا۔

عرش الٰہی کو اٹھانے والے اور اس کے گرد طواف کرنے والے حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کرتے ہیں، اس کی تقدیس بیان کرتے ہیں، اللہ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہیں، اور اللہ کی مشیت کو ادب سے مانتے ہیں۔ ایمان والے لوگوں کے لئے ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے ربّ تیری رحمت اور تیرا علم ہر شے پر وسیع ہے۔ تیری رحمت اور تیرے کرم سے ہی ہر مقام پر پورا رہنا ممکن ہوتا ہے۔ تو ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ تو ان لوگوں کو بخش دے جنھوں نے توبہ کی، من مانی کرنے کو چھوڑ دیا اور تیری راہ کو اختیار کیا، تیری طرف رجوع لانے والوں کا اتباع کیا۔ ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دے، اور انہیں دوزخ کی آگ سے بچا۔ مقرب فرشتوں کی دعا سے یہ روشن ہوتا ہے، کہ اللہ کے نزدیک خیر کا رخ رکھنے والوں کی کتنی اہمیت ہے۔

حاصل : اللہ کے مقرب فرشتے حمد سے اپنے ربّ کی تسبیح کرتے ہیں، اور ایمان والے لوگوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ توبہ کرنے والے اللہ کی راہ پر چل کر ہی اپنی صداقت کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ صادق لوگ آگ کے عذاب سے بچائے جاتے ہیں۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٨﴾

اے ربّ ہمارے انہیں رہنے کے باغوں میں داخل فرما، جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا تھا، اور ان کے آباء و ازواج اور اولاد کو بھی، جو صالح ہوں۔ بے شک تو عزیز ہے حکیم ہے۔

اللہ کے مقرب فرشتے توبہ کرنے والوں کے لئے، حق کا اتباع کرنے والوں کے لئے، بخشش کی دعا کرنے کے بعد اپنے ربّ سے یہ درخواست کریں گے : کہ اے ربّ ہمارے ان لوگوں کو بسنے کے باغوں میں داخل فرما، جن کا تو نے اپنے پاک بندوں

سے وعدہ کیا تھا، اور ان لوگوں کے آباء کو بھی یہاں لا، ان کی ازواج کو بھی یہاں لا اور ان کی اولاد کو بھی یہاں لا جو صالحین کے رخ پر رہے ہوں۔ اللہ عزیز ہے، وہی عزت بڑھا سکتا ہے، حکیم ہے، وہی دکھ کو سکھ میں بدل سکتا ہے۔

حاصل : اپنے رب سے دعا کرنے میں بندگی کا جو اظہار ہوتا ہے، وہ کسی دوسری صورت میں نہیں ہوتا، اس لئے دعا کرنے کا یہی طریقہ احسن ہے۔ آباء، ازواج اور ذریت میں سے تعلق انہی کے ساتھ ہوگا جو صالحین کے رخ پر ہوں گے۔ ربّ العالمین، عزیز و حکیم ہے۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور انہیں برائیوں سے بچا، اور جسے تو برائیوں سے بچا لے اس دن تو بے شک اس پر تُو نے رحم فرمایا، اور یہی عظیم کامیابی ہے۔

برائیوں کے انجام اور نتائج سے بندے کو بچانا، عزیز و حکیم کی شان ہے۔ اور جس پر رب العالمین کا رحم ہو گا، وہی کوتاہیوں کے نتائج سے بچایا جائے گا۔ کوتاہی بندے سے ہو جاتی ہے۔ نتائج اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کا رخ صالحین کا ہو گا، اس کی کوتاہیوں کے نتائج سے اس کو بچانا رب العالمین کی شان ہے۔ جس کو اللہ نے اپنے رحم سے نوازا، اسی نے عظیم کامیابی پائی۔

حاصل : برائی سے بچنا چاہئے۔ کوتاہی بندے سے ہو جاتی ہے۔ کوتاہی کے نتائج سے اللہ ہی بچا سکتا ہے جو ہمارا رب ہے۔ جس پر اللہ کا رحم ہوا اسے عظیم کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت پر اپنا استحقاق نہیں ثابت کیا جا سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء (17) میں فرمایا ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

اگر تم صالح ہوئے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝

بے شک کافروں کو ندا کی جائے گی، کہ اللہ کی بیزاری اس سے بہت زیادہ ہے، جیسے تم آج اپنی جان سے بیزار ہو۔ جب تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔

کافروں کی صفات یہ ہیں کہ جب انہیں ہدایت کی طرف بلایا جائے تو سنتے ہی نہیں، اور حق سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن کافر اپنے آپ سے بیزار ہوں گے۔ اس وقت ان کو یہ آواز دی جائے گی، کہ اللہ تم سے بہت زیادہ بیزار ہے، جیسے تم اپنی جان سے بیزار ہو۔ جب تمہیں ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی، تو تم اس کا انکار کرتے تھے، اس دعوت سے بیزار ہوتے تھے. آج تم اپنے اعمال کے نتائج کو دیکھ رہے ہو۔ حیاتِ دنیا میں اللہ لوگوں کو اپنے فضل سے نوازتا ہے ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ گناہوں کو بخشنا، توبہ قبول کرنا، مہلت دینا اور اتمامِ حجت کرنا اللہ کی شان ہے، اس لئے اللہ کی بیزاری حال سے تعلق نہیں رکھتی۔

حاصل : کافر حق کو سن کر اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، قیامت کے دن وہ اپنے آپ سے بیزار ہوں گے۔ قیامت کے دن اللہ ان سے اپنی بیزاری کا اعلان کرے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾

عرض کریں گے۔ اے رب ہمارے تو نے ہمیں دو بار موت دی، دو بار حیات دی، تو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے، پھر یہاں سے خروج کی کوئی سبیل ہے۔

حیاتِ دنیا سے پہلے کی حالت کو بھی قرآنِ پاک نے موت کا نام دیا ہے۔ یہ فرمایا گیا ہے : تم کیسے اللہ کا انکار کرتے ہو، تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں موت دی، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تمہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کافر قیامت کے دن یہ عرض کریں گے : اے رب ہمارے تو نے ہمیں دو بار موت دی دو بار حیات دی، تو ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے، اب اس مقامِ سزا سے نکلنے کی کوئی راہ مل سکتی ہے۔ گناہوں کا اعتراف اسی صورت میں فائدہ دیتا ہے، جب عملاً اپنے آپ کو سچا ثابت کیا جا سکتا ہو۔

حاصل : موت و حیات کو یہ دیکھنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ کون حق کو مانتا ہے، کون نہیں مانتا۔ اعترافِ گناہ اسی صورت میں فائدہ دیتا ہے، جب عمل کے لئے دیا گیا وقت موجود ہو۔ جہنّم سے بچنے کا راستہ بتانے کے لئے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جاتا ہے اس سے زیادہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ حال پر ہی اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ

یہ اس لئے ہوا کہ جب محض اللہ کو پکارا جاتا تو تم انکار کرتے تھے، اور کسی کو اس

الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫

کا شریک ٹھہرایا جاتا، تو تم مان لیتے تھے۔ تو اب حکم اللہ ہی کا ہے جو سب سے اعلیٰ اور بڑا ہے۔

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، جب ان کے سامنے اللہ کی وحدانیت کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل سمٹ جاتے ہیں، اور جب ان لوگوں کے سامنے اللہ کے مقابل غیروں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ نظر آئے گا کہ یوم الدّین کا مالک تو اللہ ہی ہے۔ نہ کوئی مرتبے میں اس جیسا ہے نہ کوئی بڑائی کے لحاظ سے اس جیسا ہے۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے، سب اسی کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اللہ کے حکم کی یہ شان ہے کہ ہر شے ادب سے اس کو ماننے کے لئے تیار ہے۔

حاصل : اللہ کو ایک ماننے سے ہی بھلائی حاصل ہوتی ہے۔ مشرک کبھی یکسو نہیں ہوتے۔ یوم الدّین کا مالک اللہ ہے، اس کے حکم کے مقابل کسی بات کو اہمیت دینا ایسے خسارے میں پڑنے کی صورت ہے، جس سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ⑬

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے۔ اور اس کی طرف رجوع لانے والے ہی نصیحت کو مانتے ہیں۔

اللہ کی قدرت کا مشاہدہ بہرحال ہوتا رہتا ہے۔ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر بندوں کو اپنی حیثیت کا تعین کرنے میں کوئی مشکل نہیں پیش آتی۔ رزق دینا بھی اللہ کی شان ہے۔ وہ ہر ایک کو پالتا ہے اور اپنے علم سے پالتا ہے۔ جو رزق اللہ عطا کرتا ہے وہی بندے کے لئے مفید ہوتا ہے، وہی پورا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نصیحت بھیجی گئی ہے، اس کے بہترین ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ ہی ہر شے کا علم رکھتا ہے، مگر اس نصیحت سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جو طلب ہدایت رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتے ہیں۔

حاصل : اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر استقامت کے ساتھ راہِ حق پر رہنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ رزق اللہ عطا کرتا ہے، جو حدود اللہ کا احترام کرتے ہوئے عطاءِ الٰہی کو پورا جانتا ہے، اسے بے چینی نہیں ہوتی۔ بہترین نصیحت قرآن پاک ہی ہے، مگر فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں جو طلب ہدایت رکھتے ہیں۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

تو اللہ ہی کی دعوت دو، خالص اسی کے دین کے ہو کر، اور اگرچہ کافروں کو اس سے کراہت ہو۔

اللہ کی طرف بلانے والے، حکم خداوندی کو مان کر دکھاتے ہیں۔ ان کا دین خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے۔ منکرین کی تضحیک واستہزاء اور عداوت بھی ان کی استقامت پر اثر انداز نہیں ہوتی، اور ماننے والوں کی کثرت پر بھی انہیں فخر نہیں ہوتا۔ وہ اپنا حق ادا کرنے پر نظر رکھتے ہیں، اور حق کی ادائیگی میں اللہ کی رضا ہی مقصود ہوتی ہے۔ کافروں کو یکسوئی سے ہمیشہ کراہت ہوتی ہے، مگر یکسوئی ہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

حاصل : اللہ کی طرف بلانے والے کو، خالصتاً اللہ کے دین کا ہو جانا چاہئے۔ کافروں کو یک سوئی سے ہمیشہ کراہت ہوتی ہے، مخلص اور حنیف کو اس نشانی سے بھی پہچانا جاتا ہے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

درجات میں رفعت دینے والا، عرش کا مالک، اپنے امر سے روح کو القا فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کہ وہ ملنے کے دن سے ڈرائے۔

درجات میں بلندی عطا کرنا اللہ کا کام ہے اور اللہ کا کام بڑی حکمت اور بڑے علم سے ہوتا ہے۔ عرش کا مالک اللہ ہے۔ اللہ جس کا درجہ بلند کرے، اس کے درجے کو کم کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہ بلندی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بصورتِ علم القا کی جاتی ہے، اور جس کو یہ بلند درجہ عطا ہو وہ لائقِ احترام ہو جاتا ہے۔ جس کو اللہ یہ بلند درجہ عطا کرنا چاہے اسی کو عطا کرتا ہے۔ اللہ کا فیصلہ ہمیشہ حکمت سے ہوتا ہے، علم سے ہوتا ہے۔ بلند درجے والے صاحبِ علم کو جو فضیلت عطا کی جاتی ہے، اس کا منشاء یہی ہوتا ہے، کہ وہ لوگوں کو جزا کے دن سے خوب آگاہ کر دے، اللہ کے حضور پیش ہونے کا یقین دلائے، اور خلافِ حق کرنے سے ڈرائے۔

حاصل : درجات کو بلند کرنا اللہ کی شان ہے، کہ اللہ عرش کا مالک ہے۔ جس کو عرش کا مالک رفعت عطا کر دے اس کے درجے کو کم کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ جس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلند کیا جائے، وہ جزا کا یقین دلاتے ہوئے اللہ کے حضور پیشی کو روشن کرتا رہتا ہے، یہ عطاء الٰہی ہوتی ہی تقسیم کے لئے ہے۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ

جس دن وہ نکل کھڑے ہوں گے، اللہ پر

مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ⑯

ان کی کوئی شے مخفی نہ ہو گی۔ آج بادشاہی کس کی ہے۔ اللہ کی ہے جو واحد ہے، قہار ہے۔

ملاقات کے دن کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے، اور منکرینِ حق پر وہ دن بڑا بھاری ہو گا۔ جن حقائق کو وہ جھٹلاتے رہے تھے وہ ان کے سامنے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واضح کر دیا جائے گا، کہ منکرین نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے سامنے کیا، کہ اللہ سے مخفی کچھ ہوتا ہی نہیں۔ قیامت کے دن منکرینِ حق یہ دیکھ لیں گے کہ اللہ پر ان کی کوئی شے مخفی نہیں ہے، اس وقت یہ سوال سنائی دے گا، کہ آج بادشاہی کس کی ہے۔ منکرینِ حق یہ جواب دیں گے، کہ اللہ کی ہے جو واحد ہے اور قہار ہے۔ اس دن اللہ کے ایک ہونے کو مان لیا جائے گا، اور پوری پوری جزا دینے والا بھی مان لیا جائے گا۔

حاصل : ملاقات کے دن منکرینِ حق بھی اللہ کی بادشاہی کو تسلیم کر لیں گے، مگر تسلیم تو وہی فائدہ دے سکتی ہے جو حال پر ہو۔ جو خلافِ حق کرتے ہیں، انہیں اللہ کے قہر سے واسطہ ہو گا۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑰

آج ہر نفس اپنے کسب کی جزا پائے گا، آج ظلم نہ ہو گا، بے شک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

یہ شاہدین کی شہادت ہو گی۔ حیاتِ دنیا میں جو کچھ وہ کہتے رہے، حیاتِ آخرت میں وہی مشاہدے میں آئے گا، تو وہ اپنی شہادت کو روشن کرتے ہوئے یہ کہیں گے : آج ہر نفس اپنے کئے کی جزا پائے گا، آج ظلم نہیں ہو گا، اور اللہ کو حساب کرنے میں دیر تو لگتی ہی نہیں۔ اس دن کوئی جان کسی دوسرے کا بدلہ نہیں ہو سکے گی، کسی منکرِ حق کی شفاعت نہ ہو گی، کسی منکرِ حق کی نصرت نہ ہو گی، اور اپنے اعمال کی جزا سے بچ جانا ممکن نہ ہو گا۔ ایمان والوں کو حال پر بتا دیا گیا ہے، کہ وہ اللہ سے ڈریں، اور ہر نفس یہ دیکھے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے۔

حاصل : اللہ سے ملاقات کے دن کو مان لیا جائے، تو پھر خلافِ حق کرنے کا مقام ہی کہاں رہتا ہے۔ ظلم کرنے والے اپنے کئے کی جزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ اللہ کو حساب کرنے میں دیر نہیں لگتی۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

اور انہیں ڈرایئے اس نزدیک آنے والے دن سے جب قلوب غم سے بھرے ہوئے

لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ﴿١٨﴾

ہوں گے اور حلق تک پہنچ جائیں گے، اور ظالمین کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ کوئی شفاعت کرنے والا، جس کا کہا مانا جائے۔

شاہد کو ڈر سنانے کا جو مرتبہ عطا فرمایا گیا ہے، اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے، کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرایئے۔ اس دن منکرینِ حق کے دل غم سے بھرے ہوئے ہوں گے، اور غم سے ان کے دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور آنکھیں پھر جائیں گی۔ شدتِ غم کی انتہا ہو گی۔ اس دن ظالمین کوئی دوست نہ پائیں گے کوئی شفاعت کرنے والا نہ پائیں گے۔ اللہ کے دوست کو دوست نہ بنانے والے، اس دن بہت افسوس کریں گے۔ اس دن ان کی شفاعت کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔ ان کے گہرے دوست تو ان کے دشمن ہو جائیں گے۔

حاصل : قیامت کے دن سے ڈرانا شاہد کا کام ہے۔ شدّتِ غم سے قلب، قیامت کے دن حلق تک آجائیں گے۔ جو تعلق پاکیزگی پر قائم نہ ہو وہ بے حقیقت ہوتا ہے، اس لئے قیامت کے دن ظالمین کا کوئی دوست نہ ہو گا، شفاعت تو بعد کی بات ہے۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾

وہ آنکھوں کی خیانت کا بھی علم رکھتا ہے اور سینوں میں مخفی بھیدوں کا بھی علم رکھتا ہے۔

جزا دینے والے، مالکِ یوم الدّین کے علم کی شان یہ ہے، کہ وہ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے، سینوں میں چھپے ہوئے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ نیتوں کو بھی جانتا ہے، اعمال کو بھی جانتا ہے۔ ہر کسی کے عمل کے پیچھے اس کی نیت کو جاننے والے کی طرف سے جو فیصلہ کیا جائے گا، وہ پورا ہو گا۔

حاصل : ہماری آنکھوں کو حق کے مطابق رہنا چاہئے۔ ہمارے سینوں کو بھی حق کے مطابق رہنا چاہئے۔ ہماری خلوت پاک ہو گی تو جلوت درست ہو گی۔ جزا دینے والے سے کچھ مخفی نہیں ہوتا۔ جزا کا یقین ہو تو پھر خلافِ حق کرنے کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اور جن کو اللہ کے مقابل یہ لوگ پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کریں گے۔ بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

حق اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ قیامت کے دن اسی معیار سے فیصلہ کیا جائے گا۔ فیصلہ کرنے والا اللہ ہی ہو گا، کہ اس دن بادشاہی اسی واحد و قہار کی ہوگی۔ جن کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، ان کے پاس تو کسی فیصلے کا اختیار ہی نہیں ہو گا۔ ان کو معبود ماننا تو اپنے آپ کو صریحاً دھوکے میں ڈالنا ہے۔ معبود کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کی سنتا ہے، ہر ایک کو دیکھتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو یہ دعویٰ ہی زیب نہیں دیتا کہ وہ ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کو دیکھتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دینے والا اللہ ہی ہے۔

حاصل : فیصلہ وہی درست ہے جو حق کے حوالے سے ہو۔ معبود کی شان ہے کہ وہ توفیق دیتا ہے، مہلت دیتا ہے، حق کی ادائیگی کا نمونہ دکھاتا ہے، حجت پوری کرتا ہے اور قیامت کے دن حق کے ساتھ فیصلہ کر دے گا۔ وہی ہر ایک کی سنتا ہے وہی ہر ایک کو دیکھتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور (24) میں فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾

اور کافروں کے اعمال ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو وہاں کچھ نہ پائے، اور اللہ کو قریب پائے تو اللہ اس کا حساب پورا بھر دے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

تو کیا انہوں نے زمین میں سیر نہ کی کہ نظر کرتے کہ ان سے قبل والوں کی عاقبت کیسی ہوئی۔ وہ قوت و آثار کے لحاظ سے جو وہ زمین میں چھوڑ گئے، ان سے اشد تھے۔ تو اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا، اور کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوا۔

ماضی کو دیکھنا، حال کو درست رکھنے میں بڑی مدد دے سکتا ہے، اور عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے راہِ راست پر ہونے کا یقین حاصل کیا جائے۔ زمین میں سیر کر کے پہلے لوگوں کے آثارِ قدیمہ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ

کیا کرتے تھے، اور وہ کس انجام کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ سند نازل فرمائی ہے کہ وہ موجودہ لوگوں کے مقابل بڑی قوت والے تھے۔ زمین میں ان کے آثار قدیمہ سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ ماضی میں منکرینِ حق کو ان کے گناہوں پر پکڑا گیا، تو وہ کچھ بھی نہ کر سکے اور کوئی ان کی مدد کو بھی نہ آیا، کوئی انہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوا۔ جو بھی خلافِ حق کرے وہ اپنی گرفت کا سامان کر رہا ہوتا ہے، حجت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور پوری کی جاتی ہے، کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اللہ کی پکڑ سے بے پرواہی صرف جہالت کا ثبوت ہی ہو سکتی ہے۔

حاصل : زمین میں سیر کرنی چاہئے، کہ پہلے لوگوں کے انجام سے آگاہی ہو۔ ان کے آثارِ قدیمہ سے ان کے کاموں کا پتہ چلتا ہے۔ جب بڑی قوت والے خلافِ حق کرنے کے انجام سے بچ نہیں سکے، تو پھر کم قوت والوں کو خلاف حق کرنے کے انجام سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۚ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آتے رہے، پھر وہ ان کا انکار کرتے رہے، تو اللہ نے انہیں پکڑا۔ بے شک وہ قوت والا، شدید عقاب والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، خلافِ حق کرنے والے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ جو خلافِ حق کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی قوت انہیں کسی ناگہانی صورت سے بچالے گی، اس لئے وہ استکبار میں بڑھتے جاتے ہیں۔ ماضی میں بھی یہی ہوا ہے، کہ اللہ کے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ تشریف لاتے رہے، مکذّبین ان کا انکار کرتے رہے۔ روشن نشانیوں کو دیکھ کر حق کا انکار کرنے والے، اتمامِ حجت کے بعد پکڑ لئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اتنی قوت والا ہے، اتنی شدید پکڑ والا ہے کہ اسے عاجز کرنا ممکن ہی نہیں۔

حاصل : روشن نشانیوں کا انکار باعثِ عذابِ الٰہی ہوتا رہا ہے۔ اللہ کی قوت اور اس کے شدید عقاب کے سامنے کسی عددی قوت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اس کے سامنے وسائل کی کثرت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی آیات اور روشن سند کے ساتھ بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت یہ بتا دیا گیا، کہ تم دونوں اور جو تمہارا اتباع کریں گے، غالب رہیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کچھ عطا فرمایا گیا، جو اس زمانے کے علوم پر علمِ الٰہی کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے ضروری تھا۔ ایک ایک مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت روشن ہوتی رہی۔ جب فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے والے، بڑے بڑے علم والے جادوگر اکٹھے کر لئے، آپ نے حکم الٰہی سے اپنا عصا ڈالا جو ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا، تو وہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لے آئے۔ جس روشن سند کو دیکھ کر جادوگر ایمان لائے وہ روشن سند سب نے دیکھی، مگر ایمان وہی لائے، جو حق کی فضیلت کو مان گئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرسلین کو وہ کچھ عطا ہوتا رہا ہے، جو حق کو روشن کرنے کے لئے ضروری تھا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾

فرعون، ہامان اور قارون کی طرف، تو وہ کہنے لگے ساحر و کذّاب ہے۔

فرعون اور ہامان تو ہم قوم تھے، قارون بنی اسرائیل سے تھا۔ ان سب میں قدر مشترک وسعتِ مال تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں یہ کہا کہ انہیں میرے ساتھ بھیج دیا جائے، تو فرعون نے کہا کہ تم اپنی صداقت کی سند لاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا، جو فوراً اژدھا بن گیا، اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے جگمگانے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی نشانیوں کو دیکھ کر ان لوگوں نے آپ کو علم والا جادوگر کہا اور جھوٹا کہا۔ جادوگر اس لئے کہا کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ حیران کن تھا، اور جھوٹا اس لئے کہا کہ مال کی حق کے مطابق تقسیم کو ماننے کے لئے وہ تیار نہ تھے۔

حاصل : وسعتِ مال پر فخر کرنے والے، تبلیغِ حق کرنے والے کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ کر بھی اسے ساحر و کذّاب ہی کہتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾

تو جب آپ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لائے، انہوں نے کہا جو لوگ آپ پر ایمان لائیں ان کے بیٹوں کو قتل کرو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو۔ اور کافروں کی چال ناکام ہوئی۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا، کہ بنی اسرائیل کو غلامی کے دائرے سے نکلنے نہ دیا جائے۔ اس کے لئے طریقہ یہ اختیار کیا جائے کہ جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے آپ کی خدمت میں یہ گزارش کی کہ آپ کی تشریف آوری سے قبل بھی ہمیں ایذا دی گئی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی ہمیں ایذا دی جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور تمہیں زمین میں خلافت دے گا، پھر دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔ کافروں نے جو چال چلی وہ ناکام ہی ہوئی، اور وہی ہوا جس سے انہیں آگاہ کیا جا چکا تھا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ انسانی تجویزیں حق کے مقابل ہمیشہ ناکام رہتی ہیں۔ ہمارا رخ ہمیشہ درست ہونا چاہئے کہ اسی میں فلاحِ دارین ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو، کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکارے، مجھے تو ڈر ہے کہ وہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں فساد نہ پھیلا دے۔

فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو خطرات نظر آ رہے تھے، وہ دوسرے لوگوں کو ان کا قائل کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے درباری اس کے ساتھ خدشات کی حد تک متفق ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے انتہائی قدم اٹھانے کو درست نہیں جانتے تھے۔ فرعون نے کہا، تم لوگ مجھے چھوڑو، کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دوں اور وہ اپنی مدد کے لئے اپنے رب کو پکارے۔ اس سے کم اس دکھ کو دور کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات لوگوں کی توجہ کا مرکز تو بن ہی گئی تھی، اس لئے فرعون کو یہ دو خطرات نظر آئے، کہ لوگ ان کے دین کو قبول کرنے لگ گئے تو اس کا اقتدار ختم ہو جائے گا، اور اگر انہوں نے حاکم و محکوم کے درمیان فاصلوں کو کم کرنے کے لئے تحریک چلا دی تو ملک میں امن تباہ ہو جائے گا۔

حاصل : فرعون صفت لوگ بھی اپنے درباریوں کی رائے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے لوگوں کے سامنے ان کی غرض و غایت کا جال پھیلا دیتے ہیں۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ

موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں تمہارے اور اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں، ہر

عِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ — متکبّر سے جو یومِ حساب پر ایمان نہیں لاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی بات سے خائف نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ جس رب کو میں پکارتا ہوں وہی تمہارا بھی رب ہے، اور میں تمہارے اور اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں، اس سے بڑی کوئی پناہ نہیں ہے، ہر متکبر سے جو یومِ حساب پر ایمان نہیں لاتا، (اسے جو متاع بھی حاصل ہو) وہ اپنے رب کی پناہ پکڑنے والوں کو مغلوب نہیں کر سکتا۔

حاصل : منکرینِ حق کے تکلیف دہ کلمات کا جواب بطریقِ احسن دینا چاہیے۔ یومِ حساب پر ایمان رکھنے والے کو تکبّر کی بات کب زیب دیتی ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ حج (22) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾

اور موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب ہوئی، تو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر انہیں پکڑا، تو کیسا ہوا میرا انکار۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾

اور آلِ فرعون سے ایک مردِ مومن نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہا، کیا تم ایک صاحب کو اس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو، کہ وہ کہتے ہیں میرا ربّ اللہ ہے، اور بے شک وہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے روشن نشانیاں لائے۔ اگر وہ کاذب ہیں تو ان کا کذب انہی پر پڑے گا، اور اگر وہ صادق ہیں تو تمہیں پہنچے گا کچھ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ بے شک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو مسرف و کذّاب ہو۔

فرعون نے جب آلِ فرعون کے اکابرین سے یہ بات کی کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو راستے سے ہٹانا ضروری ہو گیا ہے تو آلِ فرعون سے ایک صاحب نے جو اس وقت تک اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے یہ کہا، کہ اس بنا پر ایک صاحب کو قتل کرنا کہ

وہ کہتے ہیں میرا رب اللہ ہے، کیا معنی رکھتا ہے۔ عقیدے سے جبر کا تو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ صاحب رب العالمین کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور اپنے دعوے کے ساتھ روشن نشانیاں دکھا چکے ہیں، اب ان کے دعوے کو جھٹلانا کیسے درست ہو گا۔ اگر اسی بات پر اصرار کیا جائے کہ وہ کاذب ہیں، تو پھر ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت ہی نہیں، ان کا کذب ہی انہیں مٹا دے گا۔ اور اگر وہ صادق ہیں، تو پھر جس عذاب سے وہ ڈرا رہے ہیں وہ آ کر رہے گا، اور اس عذاب سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو گا۔ اللہ سیدھی راہ اسی کو بھاتا ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔ جو اسراف کرتا ہو اور جھوٹ گھڑتا ہو اسے کبھی ہدایت نہیں ملتی۔

حاصل : جب تبلیغ حق کرنے والوں کے خاتمے کے مشورے ہونے لگیں تو اس وقت اپنے ایمان کو مخفی نہیں رکھنا چاہئے۔ بات حقائق کی روشنی میں ہونی چاہئے، امکانات کے حوالے سے ہونی چاہئے۔ اسراف اور کذب سے بچنا، ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اے میری قوم آج اقتدار تمہارے پاس ہے، تم ملک میں غالب ہو، تو کون اللہ کے عذاب کے سامنے ہماری نصرت کرے گا، اگر وہ ہم پر آ گیا۔ فرعون نے کہا میں تو تمہیں وہی دکھاتا ہوں جو میں دیکھتا ہوں، اور میں سیدھی راہ کی طرف ہی تمہاری راہنمائی کرتا ہوں۔

آلِ فرعون سے مرد مومن نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا : آج حکومت تمہارے پاس ہے، تم ملک میں غالب ہو، اس لئے تم اس آگاہی کو وقعت نہیں دے رہے، جو عذابِ الٰہی کے حوالے سے تمہیں دی گئی ہے۔ اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا، تو کون اس عذاب کے سامنے ہماری مدد کرے گا، کون ہمیں عبرتناک انجام سے بچا سکے گا۔ یہ باتیں سن کر فرعون کو احساس ہوا کہ اس مدلل گفتگو کے جواب میں کچھ کہنا ضروری ہے، ورنہ میری قوم میری سیادت کو درست ماننے سے ہی انکار کر دے گی۔ اس لئے اس نے کہا : اے میری قوم میں تمہیں اپنی سوچی سمجھی رائے بتاتا ہوں، اور تمہیں وہی بتاتا ہوں جس میں تمہاری بھلائی دیکھتا ہوں۔ فرعون نے مرد مومن کے بیان کردہ حقائق کے جواب میں بالکل بے سند باتیں کیں۔

حاصل : اقتدار کی موجودگی میں یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ ہم سلامتی کی راہ پر ہیں یا تباہی کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ اللہ کے عذاب کے سامنے ٹھہرنا کسی کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ فرعون صفت لوگوں کی باتیں بے سند ہی ہوتی ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٣٠﴾

اور ایمان والے صاحب نے کہا، اے میری قوم مجھے ڈر ہے تم پر اسی طرح عذاب آئے گا، جس طرح اگلے گروہوں پر آیا۔

آل فرعون سے ایمان والے صاحب نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا: کہ اے میری قوم تم نے جو روش اختیار کی ہے، اس سے تم عذاب میں پکڑ لئے جاؤ گے، جس طرح پہلے خلاف حق کرنے والے گروہ عذاب میں پکڑ لئے گئے۔ جب تمہارا حال عذاب پانے والوں کی مثل ہے تو تمہارا مستقبل بھی انہی کی مثل ہو گا۔

حاصل: جو لوگ خسارے کے راہ پر جا رہے ہوں انہیں عذابِ الٰہی سے آگاہ کرنا ایمان والوں کے ذمے ہوتا ہے۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾

ویسا ہی عذاب جو قوم نوح اور عاد و ثمود پر آیا، اور ان کے بعد والے لوگوں پر آیا، اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں چاہتا۔

قوم نوح نے حق کو جھٹلایا، اور حضرت نوح علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیں جس کا آپ وعدہ دیتے ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام نے عاد والوں سے یہ کہا کہ تم لوگ تباہی کے راستے پر پڑ چکے ہو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا، اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ پھر وہی ہوا جس سے ان کو آگاہ کیا گیا تھا۔ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ آپ نے منکرینِ حق کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا تو منکرین نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں جس کو برائی سے مس نہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اور کہنے لگے، وہ عذاب آتا کیوں نہیں جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ عذاب آیا اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ اس کے بعد بھی منکرینِ حق اپنے کئے کے انجام کو پہنچتے رہے۔ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم ہو، وہ خود ظلم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

حاصل: جس قوم میں منکرین حق کی صفات پائی جائیں گی، اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ اللہ یہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم ہو، لوگ خود ہی خسارے کی راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾

اور اے میری قوم مجھے تم پر اس دن کے آنے کا ڈر ہے، جس دن پکار مچے گی۔

ایمان والے صاحب نے آل فرعون کو خطاب کرتے ہوئے کہا : اے میری قوم تم لوگ جس رخ پر جارہے ہو، یقیناً تم عذاب الٰہی میں پکڑ لئے جاؤ گے۔ اس دن تم بہت ہانک پکار کرو گے، بہت شور کرو گے مگر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا، توبہ کا دروازہ تمہارے لئے بند ہو چکا ہو گا، تمہاری کوئی بات سنی نہیں جائے گی، اور تم مٹا کر رکھ دیے جاؤ گے۔

حاصل : انجام سے آگاہ کرنا بہت بڑی خدمت ہے، اور لوگوں کی بھلائی چاہنے والے ہی اس خدمت کو سرانجام دیتے ہیں۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، کوئی تمہیں اللہ سے بچانے والا نہ ہو گا۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے، اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

عذاب الٰہی کے آنے سے پہلے عمل کے لئے دی گئی مہلت میں ہی اصلاح کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ عذاب الٰہی کو روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اللہ کی پکڑ سے کوئی بچ کر کہاں جائے گا۔ ایمان والے صاحب نے آل فرعون کو ان کے انجام سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا، کہ تم لوگ جس منزل کی طرف بڑھتے چلے جارہے ہو، وہ عذاب الٰہی ہے۔ جب وہ تمہارے سامنے ہو گا، تو تم اس کو دیکھ کر پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، مگر کوئی تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے گا۔ تم لوگ فسوق میں پڑ چکے ہو، اور اللہ فاسقین کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے، اسے ہدایت دینا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

حاصل : عذابِ الٰہی ہی منکرین حق کے لئے منزل کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کو دیکھ کر ظالم پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں، مگر عذابِ الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ فاسق لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، منافق ہی فاسق ہوتے ہیں، اور انہیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

اور بے شک اس سے قبل یوسف (علیہ السلام) تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو تم نے ان کے لائے ہوئے میں شک ہی کیا۔ حتیٰ کہ جب ان کی وفات ہوئی تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ کوئی رسول مبعوث نہیں فرمائے گا۔ اللہ اسی

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ﴿۳۴﴾

طرح اسراف کرنے والے، شک کرنے والے کو گمراہ کر دیتا ہے۔

آل فرعون سے مردِ مومن اب ماضی کے حوالے سے بات کر رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے، کہ ان کی رسالت پر بھی شک ہی کیا گیا تھا۔ تمام عمر وہ لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے اور حسنِ عمل کا نمونہ بن کر دکھاتے رہے مگر ان سے نورِ ہدایت نہ لیا گیا، اور اس بے قدری کا احساس ان کے وصال پر ہوا۔ پھر تم یہ بھی کہتے رہے کہ اب اللہ کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ تمہاری نامراوی تمہارے لئے پریشان کن ہو گئی۔ جو حق کو ماننے کا دعویٰ بھی کرے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز بھی کرے وہ اسراف کر رہا ہوتا ہے۔ جو ناصحین سے محبت نہ رکھتا ہو وہ شک میں مبتلا ہوتا جاتا ہے۔ اسراف کرنے والے اور شک کرنے والے کا گمراہ ہو جانا لازم ہے۔

حاصل: حال پر عطاء الٰہی کی ناشکری ہو رہی ہو تو ماضی سے بھی اسی رویے کی تصدیق ہوتی ہے۔ ناشکری کا انجام ندامت ہی ہوتا ہے۔ اسراف کرنے والے اور شک کرنے والے، گمراہی سے بچ نہیں سکتے۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

وہ جو اللہ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں بغیر سند کے جو انہیں ملی ہو، یہ اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک بڑی بیزاری کی بات ہے۔ اسی طرح اللہ ہر متکبّر اور جبّار کے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔

طلب ہدایت نہ رکھنے والے اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں۔ ان کی بات کبھی سند سے نہیں ہوتی۔ حق کے حوالے سے بات کرنے کی بجائے اپنی پسند کے حوالے سے بات کی جائے تو یہ اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک بڑی بیزاری کا باعث ہوتی ہے۔ حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینے والا متکبر ہوتا ہے اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو من مانی پر لگاتے چلے جانے والا جبّار ہوتا ہے۔ کبر و جبّاریت جس قلب میں جمع ہو جائے وہ ناقابل اصلاح ہو جاتا ہے، اس پر مہر کر دی جاتی ہے۔

حاصل: اللہ کی آیات میں سند سے بات کرنی چاہئے۔ جس بات سے اللہ بیزار ہو وہ قطعاً چھوڑ دینی چاہئے۔ اپنے قلب کو کبرّ و جبّاریت سے بچانا چاہئے، ورنہ نورِ ہدایت سے استفادہ کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ

اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے لئے

صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ﴿۳۶﴾

ایک بلند عمارت تیار کر، کہ میں اسباب کو پہنچوں۔

مرد مومن کے روشن بیان کے بعد لوگوں کو الجھانے کے لئے فرعون نے ہامان سے یہ کہا کہ ایک بلند محل تیار کیا جائے، جس کی بلندی ممکن حد تک ہو، اور ان ذرائع کے حصول کی کوشش کی جائے جو مجھے صحیح نتیجے پر پہنچنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ انتہائی بلند عمارت کو بھی آسمان کی بلندی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ لوگوں کو الجھانے کے لئے بڑی وسیع و عریض بنیاد پر ایک عمارت بنوانی شروع کی گئی، جس میں بہت لوگوں کو لگا دیا گیا، اور فن تعمیر میں مہارت رکھنے والوں کا کام ایک عرصے تک گفتگو کا موضوع بنا رہا۔

حاصل : فرعون صفت لوگ جب رائے عامہ کو اپنے خلاف ہوتا دیکھتے ہیں، تو لوگوں کو الجھانے کے لئے خود کوئی چال چلتے ہیں۔

اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰہِ مُوۡسٰی وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا ؕ وَ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیۡلِ ؕ وَ مَا کَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِیۡ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع

آسمانوں کے اسباب میں، کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے معبود کی خبر لوں، میرے گمان میں ہے تو وہ کاذب ہی۔ اور اس طرح فرعون کے بُرے عمل اس کو مزیّن کر کے دکھائے گئے اور وہ راہِ حق سے روک دیا گیا۔ اور فرعون کے داوٗ کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہ ہوا۔

فرعون نے لوگوں کو الجھانے کے لئے بہت کچھ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معبود سے باخبر ہونے کے لئے ایسی بلند عمارت تو در کار ہی نہ تھی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کاذب ثابت کرنا اس کے نزدیک ضروری تھا، اس لئے حق کو پانا فرعون کی ضرورت نہ تھی۔ یہ ایک مکر تھا جو وہ کر رہا تھا۔ جب لوگ اس کے کام میں دلچسپی لینے لگے تو وہ بہت خوش ہوا، کہ لوگوں کو الجھانے کا مقصد اسے پورا ہوتا نظر آنے لگا۔ اب وہ صحیح نتیجے پر پہنچنے کی اہلیت کھو چکا تھا۔ اس نے جو چال بھی چلی، جو مکر بھی کیا، وہی اسے لے ڈوبا۔

حاصل : جب منشاء ہی تبلیغِ حق کرنے والے کو کاذب ثابت کرنا ہو، تو پھر ہدایت سے دوری ہی ہو گی۔ کافروں کے مکر کی زینت ہی ان کے لئے سدِراہ بن جاتی ہے۔ فرعون صفت لوگوں کا داوٗ ہی انہیں لے ڈوبتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (7) میں فرمایا ہے۔

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾

اور میں اپنی آیات سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔ اور اگر سب نشانیاں دیکھیں ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس پر چلنا پسند نہ کریں، اور گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس پر چلنا پسند کریں۔ یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ ان سے غافل رہے۔

وَقَالَ الَّذِىۡۤ اٰمَنَ يٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِكُمۡ سَبِيۡلَ الرَّشَادِ ۚ ﴿۳۸﴾

اور اس صاحب ایمان نے کہا، اے میری قوم تم میرا اتباع کرو کہ میں تمہیں سبیل الرشاد کی ہدایت دوں۔

سبیل الرشاد بھلائی کی راہ ہوتی ہے، جو شعور کی موجودگی میں ہمیشہ لوگوں کو مطلوب ہونی چاہئے۔ اس راہ پر چلنے والے ماضی میں فلاح پاچکے ہیں، حال پر وہ خوف و حزن سے پاک رہتے ہیں۔ آخرت کا یقین ان کے حسنِ عمل میں ہر مقام پر دیکھا جا سکتا ہے۔ آل فرعون سے صاحب ایمان نے یہ کہا کہ اے میری قوم تم میرا اتباع کرو، میں تمہیں وہ راستہ دکھاؤں گا جس پر چل کر تمہاری دنیا بھی سنور جائے گی، آخرت بھی سنور جائے گی۔

حاصل : بھلائی کی راہ دکھانے والے کی ذات بابرکات وہ نمونہ ہوتی ہے جو قول، عمل، علم اور اُخلاص کے اعتبار سے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

يٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا مَتَاعٌ ۖ وَّاِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾

اے میری قوم یہ حیاتِ دنیا تو کچھ متاع ہی ہے، اور بے شک آخرت دارِ قرار ہے۔

بھلائی کی راہ دکھانے والے حیاتِ دنیا کو حیات آخرت کے مقابل صحیح تناظر میں دیکھنے کا حکم لگاتے ہیں۔ حیاتِ دنیا کی متاع یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے، کہ کون اس کا استعمال حق کے مطابق کرتا ہے، کون اس کا استعمال خلافِ حق کرتا ہے۔ جو حق سے بغاوت کرتا ہے اس کا کیا اسی پر پڑتا ہے۔ جو حیاتِ دنیا پر راضی ہو جاتا ہے اور اس پر ریجھ جاتا ہے، وہ آخرت سے غافل ہوتا ہے۔ بعث بعد الموت کے ساتھ جو حیات شروع ہوگی وہ دائمی ہوگی، اس لئے آخرت کو دارِ قرار فرمایا گیا ہے۔ حیاتِ دنیا کی متاع کو حق کے مطابق استعمال کیا جائے تو حال پر صالحین کا ساتھ نصیب ہوتا ہے، آخرت میں بھی ان کا ساتھ نصیب

ہو گا۔ حیاتِ دنیا کی متاع کو خلافِ حق استعمال کرنے والے یہاں خوف و حزن کے احاطے میں رہتے ہیں، آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

حاصل : حیاتِ دنیا کی متاع کو حق کے مطابق استعمال کرنے میں ہی فلاح ہے۔ آخرت یقیناً دار قرار ہے، دائمی زندگی ہے۔ وقتی خوشی کے حصول کے لئے دائمی دکھ کو گلے لگالینا قطعاً عقل مندی نہیں ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾

جو بُرا عمل کرے گا تو اسے اسی کی مثل جزا ملے گی۔ اور جو صالح عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مومن تو انہیں جنّت میں داخل کیا جائے گا، جہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔

جس کا رخ خلافِ حق ہو گا، اس کا عمل بُرا ہو گا۔ جس کا عمل بُرا ہو گا، اسے اس کے عمل کی مثل سزا بھی ملے گی۔ یہ اللہ کے لئے قطعاً آسان ہے۔ جس کا رخ حق کے مطابق ہو گا، اس کا عمل صالح ہو گا۔ جس کا عمل صالح ہو وہ مرد ہو یا عورت، مومن ہونے کی بدولت ان کا مقام جنّت ہو گا، جہاں انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ مردِ مومن نے آلِ فرعون کو اپنا اپنا حال دیکھنے کی ترغیب دی، کہ بُرا بھی اپنے انجام کو جان لے اور بھلا بھی اپنے انعام کو جان لے۔

حاصل : بُرے عمل کی جزا اسی کی مثل ہونی چاہئے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ صالح عمل کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں ان کا مقام جنّت ہو گا، جہاں انہیں انعامات سے نوازا جائے گا۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾

اور اے میری قوم کیا وجہ ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔

مردِ مومن کے روشن بیان کو سن کر فرعون کے درباریوں نے بادشاہ سے اظہارِ عقیدت کے لئے یہ ضروری جانا، کہ حق کو بیان کرنے والے کے سامنے، اس کے آباؤ اجداد کا ذکر کیا جائے، قومی تفاخر کو بیان کیا جائے، اپنے اجتماعی مفادات کے تحفظ کو ضروری ثابت کیا جائے، اور فرعون اور اس کے طریقِ زندگی کو درست ثابت کیا جائے۔ اس مقام پر مردِ مومن نے کہا، کہ میں تو

تمہیں عذابِ الٰہی سے نجات کی راہ دکھا رہا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلا رہے ہو۔

حاصل : اللہ کے پاک بندے ہمیشہ عذابِ الٰہی سے نجات کا راستہ دکھاتے ہیں۔ خلافِ حق کرنے والے دوسروں کو بھی عذاب کی طرف ہی بلا رہے ہوتے ہیں۔

تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَ اُشۡرِکَ بِہٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

تم مجھے اس کی دعوت دیتے ہو کہ اللہ سے کفر کروں اور اس کا شریک ٹھہراؤں اس کو جس کا مجھے علم نہیں، اور میں تمہیں عزیزالغفار کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔

مردِ مومن نے آلِ فرعون کے اکابرین کی دعوت کی حقیقت کو واضح کیا اور یہ کہا کہ تم لوگ مجھے اللہ سے کفر کرنے کی ترغیب دے رہے ہو، شرک کرنے کا حکم دے رہے ہو، میرے علم میں تو اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ تمہاری دعوت کو ماننے کے معنی یہی ہوسکتے ہیں کہ حقائق کا انکار کیا جائے، اپنے ظن کی پیروی کی جائے اور دائمی خسارے کو گلے لگالیا جائے۔ میری دعوت ایسی نہیں ہے، میں تو تمہیں عزت والے، بخشنے والے کی طرف بلا رہا ہوں۔ میری دعوت کو ماننے سے تم یکسو ہو جاؤ گے اور سکھی ہو جاؤ گے۔

حاصل : دعوتِ کفر و شرک ہی دعوتِ جہنّم ہے۔ عزّت والے، بخشنے والے کی طرف بلانے والا بڑا محسن ہوتا ہے۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ لَیۡسَ لَہٗ دَعۡوَۃٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَا فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اَنَّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ہُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

اس سے ظاہر ہوا کہ جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، اس کی دعوت، دنیا و آخرت میں کسی کام کی نہیں، اور یہ کہ ہمارا پھرنا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور یہ کہ مسرفین جہنّمی ہیں۔

مردِ مومن نے کہا کہ جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، اس کی حقیقت کو بھی دیکھو۔ دنیا میں جو کچھ اللہ مجھے دینا چاہے اس کو روک لینا کسی کے بس میں نہیں، اور جو نہ دینا چاہے وہ لا دینا کسی کے بس میں نہیں، اور آخرت تو ہے ہی متقین کے لئے۔ پھر تمہاری دعوت، دنیا و آخرت میں کس کام کی ہے۔ جس کی طرف سے ہم آئے ہیں، وہ اللہ ہے۔ جس کی طرف ہم کو جانا ہے وہ

اللہ ہے۔ جس نے توفیق دی ہے وہ اللہ ہے۔ جو جزا دے گا وہ اللہ ہے۔ جو بھلا کرے گا، وہی فلاح پائے گا۔ جو اللہ کی مقرر کردہ حدوں کو پھلانگے گا وہ خسارے میں پڑے گا۔

حاصل : خلافِ حق کرنے سے کبھی کسی کا بھلا ہوا ہی نہیں۔ وقتی فائدہ نظر آئے تو دائمی خسارے کو بھی دیکھنا چاہئے۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف واپسی ہوگی۔ وہی جزا دینے والا ہے، اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے ہی دوزخی ہوں گے۔

فَسَتَذْكُرُونَ مَآ أَقُولُ لَكُمْ ۚ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ ﴿٤٤﴾

تو جلد ہی یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ اور میں اپنا کام اللہ کو سونپتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

مردِ مومن نے آلِ فرعون سے یہ کہا کہ اتمامِ حجت کے بعد تم پر جلد ہی عذاب آجائے گا۔ اس وقت تمہیں یاد آئے گا، جو میں اب تم سے کہہ رہا ہوں۔ مگر اس وقت حق کو مان لینے کا دعویٰ مانا نہیں جائے گا، کہ عملاً سچا ثابت ہونا ممکن نہ ہو گا۔ مردِ مومن نے بات یہاں ختم کی کہ جو کچھ عبداللہ ہونے کے اعتبار سے میرے ذمے تھا وہ میں نے کیا، اب تم میرے ساتھ عداوت کی راہ اختیار کرتے ہو تو میں اپنا کام اللہ کو سونپتا ہوں، وہ خوب جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں اور مجھے کیا درکار ہے، اس سے بڑا مدد کرنے والا کوئی نہیں۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والوں سے آخری بات یہی ہوتی ہے کہ جلد ہی تم یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، اور میں اپنا کام اللہ کو سونپتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔

فَوَقَىٰهُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِ مَا مَكَرُوا۟ ۖ وَحَاقَ بِـَٔالِ فِرْعَوْنَ سُوٓءُ ٱلْعَذَابِ ﴿٤٥﴾

تو اللہ نے اسے ان کے مکر کی برائیوں سے بچالیا، اور آلِ فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا۔

آلِ فرعون نے مردِ مومن کو دکھ دینے کی تجاویز کو ضروری جانا، کہ ان کی ملت کفر کے دائرے سے آئندہ کوئی باہر نکلنے کی جسارت نہ کرے۔ اللہ نے ان صاحب کو آلِ فرعون کی بُری چالوں سے بچالیا، اور ان کو وہاں پہنچا دیا جہاں وہ راحت محسوس کرتے تھے اور خود کو محفوظ پاتے تھے۔ آلِ فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا اور وہ بڑے لشکر کے ساتھ اور بڑی تیاری کے ساتھ ان کے پیچھے لگے، تو انہیں غرق کر دیا گیا، اور ان کا وہ کروفر، وہ شان و شوکت، پاک لوگوں کے سامنے، دیکھتے دیکھتے ختم ہو گئی۔ عذابِ الٰہی میں گھر جانے کے بعد ان لوگوں نے حق کو ماننے کا اعلان تو کیا، مگر عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا تھا، اب توبہ قبول نہیں ہو سکتی تھی۔

حاصل : پاک لوگوں کو منکرینِ حق کے مکروں سے بچانا اللہ کا کام ہے، اور اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ تکبّر کرنے والوں کو بُرے عذاب سے واسطہ پڑتا ہے۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

آگ ہے جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں، اور جس دن ساعت قائم ہو گی (حکم ہو گا) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔

منکرینِ حق میں سے جب کسی کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے، اے میرے رب مجھے واپس بھیج دے کہ میں صالح عمل کروں جو میں نے ترک کر رکھے تھے۔ یہ کلمہ کہنے والے کو بتا دیا جائے گا کہ اب آگے برزخ ہے، اور یوم یبعثون تک ہے، عمل کا وقت گزر چکا ہے۔ برزخ کا مقام موت سے لے کر یوم یبعثون تک ہے۔ اس وقت میں صبح و شام آلِ فرعون کو یہ مشاہدہ کرایا جاتا ہے کہ تمہارے اعمال کا انجام یہ آگ ہے جس میں تمہیں جلنا ہے، اور اس سے بچ جانے کی قدرت تم نہیں رکھتے۔ عذاب کے واقع ہونے کا یقین اور اس مشاہدے کا اعادہ یقیناً سزا ہے۔ قیامت کے دن حکم ہو گا، آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دیا جائے، ان کو ان کے اعمال کی پوری جزا تو اسی دن ہی ملے گی۔

حاصل : عذابِ قبر برزخ کی حد تک ہو گا۔ عذاب کے واقع ہونے کا یقین، بڑی سزا ہے۔ منکرینِ حق کو پوری پوری سزا قیامت کے دن ملے گی۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

اور جب وہ آگ میں باہم جھگڑیں گے تو ضعفاء، استکبار کرنے والوں سے کہیں گے، ہم تمہارے تابع تھے، تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ گھٹا لو گے۔

آلِ فرعون کو جب شدید ترین عذاب میں داخل کیا جائے گا اور وہ آگ میں باہم جھگڑیں گے تو کمزور لوگ، بڑے بننے والوں سے یہ کہیں گے کہ ہم تمہاری پیروی کرتے رہے، تمہارا کہا مانتے رہے، اس وقت اس تابع داری کے صلے میں ہم سے عذاب کے کچھ حصے کو اپنے لئے قبول کرو گے۔ یہ ایک طرح کی درخواست بھی ہو گی سوال بھی ہو گا۔ اپنے ضعف کا احساس بھی خلافِ حق کرنے کا جواز فراہم نہیں کرتا، کہ اللہ تعالیٰ تو کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ رکھتا ہی نہیں۔ ضعفاء اور مستکبرین دونوں خلافِ حق کرتے ہیں۔

حاصل : کمزور لوگ، استکبار کرنے والوں کی تابع داری اپنی غرض وغایت کے لئے کرتے ہیں۔ استکبار کرنے والے، کمزور لوگوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ آگ کے عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت، ضعیف لوگ، استکبار کرنے والوں سے جو کچھ کہیں گے، وہ انہیں خسارے میں اپنے ساتھ دیکھنے کی وجہ سے ہو گا۔ اپنے ضعف کا احساس بھی خلافِ حق کرنے کا جواز فراہم نہیں کرتا۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾

استکبار کرنے والے کہیں گے، ہم سب اسی (آگ) میں ہیں، بے شک اللہ بندوں کے مابین فیصلہ فرما چکا ہے۔

ضعیف لوگوں کی طرف سے، بڑے بننے والوں سے جب یہ کہا جائے گا کہ ہم تمہارا اتباع کرتے رہے اب تم اس آگ کو جو تمہاری پیروی کی وجہ سے ہمیں ملی ہے، ہم سے گھٹا سکو تو گھٹاؤ، تو استکبار کرنے والے یہ جواب دیں گے : کہ ہم سب اسی آگ میں ہیں، اور اللہ بندوں کے مابین فیصلہ فرما چکا ہے، اور اللہ نے ہر ایک کو اس کے اعمال کے حوالے سے ہی جزا دی ہے۔

حاصل : آگ کا عذاب، اللہ کے فیصلے کی بنا پر ہو گا۔ اس لئے وہ ہر ایک کے اعمال کے مطابق ہو گا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾

اور آگ میں پڑے ہوئے لوگ جہنّم کے داروغوں سے کہیں گے کہ آپ اپنے ربّ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر سے عذاب کے ایک دن کی تخفیف کر دے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی، کسی پر قطعاً ظلم نہ ہو گا۔ پوری پوری جزا اللہ ہی دے سکتا ہے۔ جنّتی، جہنّم کے داروغوں سے یہ کہیں گے کہ آپ اپنے ربّ سے یہ دعا کریں کہ وہ ہم پر سے عذاب کے ایک دن کی تخفیف کر دے۔ جہنّم کے داروغے تو وہی کریں گے جو امرِ الٰہی ہو گا، مگر منکرینِ حق کو عذاب میں ایک دن کی تخفیف بھی بڑی رعایت معلوم ہو گی۔

حاصل : عذابِ جہنّم ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق دیا جائے گا۔ جہنّمی عذاب میں تخفیف کی دعا کرنے کے لئے جہنّم کے داروغوں سے درخواست کریں گے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

وہ کہیں گے کیا تمہارے رسول تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ نہیں آتے رہے۔ عرض کریں گے آتے تو ضرور رہے۔ وہ کہیں گے تو تم ہی دعا کرو، اور کافروں کی دعا بھٹکنے کو ہی ہے۔

جہنّم والوں کی اس درخواست کو سن کر کہ اپنے رب سے یہ دعا کرو کہ وہ ہم پر سے عذاب میں ایک دن کی تخفیف کر دے، جہنّم کے داروغے یہ کہیں گے، کہ اس عذاب سے ڈرانے والے، اللہ کے رسول تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آتے نہیں رہے۔ جہنّمی کہیں گے، آتے تو ضرور رہے مگر ہم نے ان کی تکذیب کی۔ اس پر جہنّم کے داروغے یہ کہیں گے۔ تو پھر دعا تم خود ہی کرو، مگر یہ بھی یاد رکھو کہ کافروں کی دعا ہوتی بے حقیقت ہے، اور بھٹکتی ہی رہتی ہے۔

حاصل : عذاب سے پہلے اتمامِ حجت، اللہ کی سنّت ہے، اور اللہ کی سنّت کبھی بدلتی نہیں۔ دعا کرنے کا حق ہی نظر نہ آئے تو دعا کی درخواست کو لوٹا دینا چاہئے۔ کافروں کی دعا بھٹکتی ہی رہتی ہے۔

شہادت : سورہ غافر (40) میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور تمہارے رب نے فرمایا : مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبّر کرتے ہیں، جلد ہی جہنّم میں جائیں گے، ذلیل ہو کر۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

اور بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی نصرت فرماتے ہیں، حیاتِ دنیا میں اور جس دن اشہاد کھڑے ہوں گے۔

مومنین کی نصرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔ منافقین جب یہ دیکھتے تھے کہ نصرتِ الٰہی مومنین کے ساتھ ہے تو وہ کہا کرتے تھے، ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔ وہ تائید ایزدی جو اظہارِ حق کے سلسلے میں مومنین کو حاصل ہوتی ہے، نصرتِ الٰہی ہے۔ ہدایت و دینِ حق کے غلبے کے لئے کوشاں رہنا اللہ کے پاک بندوں کی طریقت ہے۔ مومنین ہمیشہ بھلائی کا امر کرتے ہیں، اور بُرائی سے منع کرتے ہیں۔ اگر کسی کو ہدایت و دین حق کے غلبے کے لئے کوشش کرتے ہوئے شہادت نصیب ہوتی ہے تو وہ ایسی زندگی پالیتا ہے، جس کا عام لوگوں کو شعور نہیں ہے۔ جو اللہ کے دین کی نصرت کرتا ہے، اللہ ضرور اس کی نصرت فرماتا

ہے۔ حیاتِ دنیا میں اللہ کی نصرت سے حق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، اور باطل مٹ جاتا ہے، قیامت کے دن شاہدین کی قدر و منزلت، اللہ کی نصرت کی بدولت اس قدر ہو گی کہ جو لوگ ان کے ساتھ تعلق کے دعوے میں سچے ثابت ہوں گے وہ جنتی ہوں گے۔

حاصل : اگر ہم مومن ہیں تو اللہ کی نصرت یقیناً ہمارے شاملِ حال ہے اور رہے گی۔ ہمارا مقصود رضائے الٰہی ہو اور رضائے رسول ہو تو ہمارا رخ درست ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

جس دن ظالمین کو ان کی معذرت نفع نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت ہے اور انہی کے لئے بُرا گھر ہے۔

معذرت اس وقت نفع دیتی ہے جب اصلاح کو اختیار کرنا ممکن ہو۔ قیامت کے دن توبہ قبول نہ ہو گی۔ اس وقت جو لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے، ان پر لعنت کی جائے گی، اور ان کے اعمال کا بدلہ انہیں بُرے گھر کی صورت میں ملے گا۔ حال پر یہ لوگ اللہ کی نشانیوں کو ہرانے کی سعی کرتے ہیں، یہ سب کچھ انتکبار میں لگا دیتے ہیں۔ جو حال پر ان کے ساتھ ہے، وہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ ہو گا۔

حاصل : خلافِ حق کرنے سے تائب ہونے کا وقت حال ہے۔ قیامت کے دن خلافِ حق کرنے والے معذرت کریں گے، مگر اس وقت کی معذرت کے جواب میں لعنت پائیں گے اور بُرا گھر پائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت عطا کی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

نصرتِ الٰہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی سلامتی کے مقام پر رہے، اور خلافِ حق کرنے والے غرق کر دیئے گئے۔ مقامِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو بھی کیا، اللہ کی عطا کی ہوئی ہدایت سے کیا اور اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کا احسن نمونہ بنی اسرائیل نے دیکھا۔ توریت شریف کی وراثت بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی۔ یہ وراثت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی بدولت بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی۔

حاصل : نصرتِ الٰہی کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا، اور نصرتِ الٰہی اللہ کے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ کی

کتاب کا وارث ہونا بڑی شان ہے، اور حق کو بطریقِ احسن ماننا ہی وارثِ کتاب کی صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔

هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

ہدایت اور نصیحت عقل مندوں کے لئے۔

کتاب اللہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل وارثِ کتاب بنائے گئے ہیں، مگر اللہ کی کتاب سے ہدایت اور نصیحت وہی لوگ پائیں گے جو عقل مند ہیں۔ عقل مند لوگ ہمیشہ خوفِ خدا رکھتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اپنے حال اور اپنے اعمال پر نظر رکھتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ ان کا رخ حضوری کا ہے یا دوری کا ہے۔

حاصل : کتابُ اللہ ہدایت و نصیحت کے لئے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سے استفادہ کرنے والے ہی عقل مند ہوتے ہیں۔ عقل مند اور بے عقل مساوی نہیں ہوتے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

تو صبر کر، بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، اور اپنے گناہوں پر استغفار کر اور حمد سے صبح و شام اپنے رب کی تسبیح کر۔

عقل مندی کے لئے طریقت بیان فرمائی گئی ہے، کہ ہر عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ وہ صبر کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اپنے گناہوں پر اللہ سے بخشش طلب کرے اور صبح و شام حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتا رہے۔ جماعت کے لئے بھی احکام ہیں فرد کے لئے بھی ہیں۔ اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ صبر کرنے والوں میں سب سے بلند مرتبہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور جو آپ سے محبت نہیں رکھتا، وہ راہِ صبر پر ہی نہیں اس کے قول و عمل کی صورت کچھ بھی ہو۔ اللہ کے وعدے کے حق ہونے کا جو علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، وہ اللہ نے ہی عطا فرمایا ہے اور حدودِ عبدیت میں اس سے ارفع کوئی مقام نہیں۔ گناہ پہلے قول سے ہوتا ہے پھر عمل میں آتا ہے، ایمان والوں سے یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارا قول سدید ہو جائے تو تمہارے اعمال کی اصلاح کر دی جائے گی اور تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ جس کا قول پاک ہے، جس کا نطق خواہش کے تحت نہیں ہے، جس کی بات اللہ کی بات ہے، جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، جو پاک کرنے کے درجے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فائز کیا گیا ہے، وہ اللہ کا بھیجا ہوا شاہد ہے۔ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے، اس سے تقدم اللہ سے تقدم ہے، اس کے اتباع سے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بخشش کی راہ پر ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ حکم ہے کہ یاد رکھو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں پر استغفار کرو۔ ہر مقام پر خود کو حق کے مطابق رکھنا، اور اللہ سے بخشش مانگتے رہنا بندگی ہے۔ جس ذاتِ پاک کے اسوۂ حسنہ کو اللہ نے ہمارے لئے معیار ٹھہرایا ہے وہاں کسی نقص کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صبح و شام وہ اوقات ہیں جب کائنات میں تغیر واقع ہو رہا ہوتا ہے، اس وقت قادرِ مطلق کی حمد سے تسبیح کرنا بندے کا

معمول ہونا چاہئے۔ اس وقت ذکر کیا جائے ترنم کے ساتھ، تو کائنات میں تسبیح کرنے والے ہم نوا ہو جاتے ہیں۔ اس سے جو راحت حاصل ہوتی ہے اس کو کسی قیمت پر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : عقل مند وہ ہے جو صبر کرتا ہے، یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اپنے گناہوں پر استغفار کرتا ہے، اور حمد سے صبح و شام اپنے رب کی تسبیح کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٥٦﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں، بغیر کسی سند کے جو انہیں ملی ہو، ان کے صدور میں کبر ہی ہے، جسے کبھی نہ پہنچیں گے۔ تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ کی آیات میں کافر ہی مجادلہ کرتے ہیں۔ کافروں کی بات ہمیشہ بے سند ہوتی ہے۔ ماضی میں ہر امت یہ قصد کر چکی ہے کہ اللہ کے رسول کو پکڑ لیا جائے، اس کے ساتھ بالباطل مجادلہ کیا جائے اور حق کو گرا دیا جائے، اور ان لوگوں کو ہمیشہ اللہ کی پکڑ نے عبرتناک انجام تک پہنچایا ہے۔ اللہ کی آیات کو مانا جائے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کا اتباع کیا جائے تو حقیقی علم عطا ہوتا ہے۔ ظن گمان سے حق کو پانا ممکن نہیں ہے۔ منکرینِ حق اس کبر کی وجہ سے اور نخوت کی وجہ سے جو ان کے سینوں میں ہوتی ہے، حق کو نہیں مانتے۔ حق کے انکار کو یہ لوگ اپنی پہچان بنا لیتے ہیں۔ اس طرح جس بڑائی کے یہ طالب ہوتے ہیں وہ انہیں نہ کبھی حاصل ہوئی ہے نہ کبھی حاصل ہوگی، کہ عزت اللہ کے لئے ہے، اللہ کے رسول کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے۔ جو لوگ اللہ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں، اللہ ان کے کبر و جباریت کی بدولت ان کے قلوب پر مہر کر دیتا ہے، پھر ان کو ڈر سنایا جائے یا نہ سنایا جائے وہ ایمان نہیں لایا کرتے۔ اللہ کی پناہ مانگنا حق ہے۔ اللہ کی پناہ مانگنے والے اپنے حق کو ادا کرنے کے بعد منکرینِ حق کے شر سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے، وہی حفاظت کا سب سے بڑا علم رکھتا ہے۔

حاصل : آیاتِ الٰہی میں بے سند مجادلہ، کفر اور کبر کی علامت ہے۔ بالباطل مجادلہ کرنے والے ہمیشہ نامراد ہی رہتے ہیں۔ شیطان اور شرارت سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سننے والا اور سب سے بڑا دیکھنے والا ہے، سب سے بہتر حفاظت بھی وہی کرتا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کا خلق کرنا، لوگوں کے خلق کرنے کے مقابل بڑا کام

ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آسمانوں اور زمین کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ ان کا منشاء تخلیق بھی اللہ نے رکھا ہے۔ ان کی وسعت بھی اللہ کے علم سے ہے۔ ان کو جو جو کام اللہ نے سپرد کئے ہیں، وہ منشاء ایزدی کے مطابق سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ اتنا بڑا کام ہے، کہ اس کے مقابل انسانوں کی پیدائش بہت چھوٹا کام ہے۔ جس نے پہلے پیدا کیا ہے اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے۔ جو لوگ اصلاحِ حال سے غافل رہتے ہیں وہ علم حقیقی تو پا ہی نہیں سکتے، اس لئے لاعلم ہی رہتے ہیں۔

حاصل : آسمانوں اور زمین کا خلق کرنا، انسانوں کے خلق کرنے کے مقابل بڑا کام ہے۔ اللہ کے لئے لوگوں کا موت کے بعد اٹھانا آسان کام ہے۔ جو اصلاحِ حال سے غافل ہو وہ لاعلمی کے دائرے سے نکلتا ہی نہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

اور اندھا اور بصارت والا مساوی نہیں، اور ایمان والے جو صالح عمل کرتے ہیں اور بدکار (مساوی نہیں)۔ کتنا قلیل دھیان کرتے ہیں۔

دھیان کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ بندے کو اس کے مشاہدات کے حوالے سے بتایا گیا ہے، کہ اندھا اور بصارت والا مساوی نہیں ہیں۔ جو حق کو مانتا ہے اور صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت دیتا ہے وہ آخرت پر یقین رکھتا ہے، جو حق کا انکار کرتا ہے اور من مانی کرنے پر تلا رہتا ہے وہ آخرت کو نہیں مانتا۔ حق کو ماننے والے اور نہ ماننے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ اسی حال کا مستقبل بننے والا ہے، اس لئے جزا کے دن بھی حق کو ماننے والے اور نہ ماننے والے مساوی نہیں ہوں گے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے اندھے ہیں، حق کو ماننے والے اور صالح عمل کرنے والے بینا ہیں، اور نابینا اور بینا کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ حیاتِ دنیا میں بھی یہی صورت ہے آخرت میں بھی یہی صورت ہو گی۔

إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾

بے شک ساعت آکے رہے گی، اس میں کچھ شک نہیں ہے، ولیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔

انسان کا آنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اسے جانا بھی ہے۔ اعمال کے بعد نتائج کا مرتب ہونا لازم ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دی جائے گی۔ حیات و موت میں کسی کی تجویز کو دخل نہیں ہے تو بعث بعد الموت میں کسی کی تجویز کو کیسے دخل ہو سکتا ہے۔ جب قیامت کو مان لیا جائے تو پھر اصلاحِ حال سے غفلت ممکن نہیں ہوتی۔ جو لوگ اصلاحِ حال سے غافل ہیں وہ یقیناً آخرت کو نہیں مانتے۔

حاصل : قیامت کا آنا یقینی ہے، اس میں شک کرنا حقائق کا انکار ہے، مشاہدات کا انکار ہے۔ قیامت کو ماننے کا ثبوت اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ ہمارا حال حق کے مطابق ہو۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾

اور تمہارے ربّ کا فرمان ہے، مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں جلد ہی جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل ہو کر۔

قیامت کے آنے کا یقین ہو جائے تو اصلاحِ حال کی طرف فوری توجہ ہوتی ہے۔ اس وقت ہمارے ربّ کا یہ فرمان کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، بڑا سہارا دیتا ہے۔ فلاح کی طلب رکھنے والے کی دعا یہی ہوتی ہے : یا اللہ خلوت میں مجھے پاک رہنے کا شرف عطا فرما، کہ میں تیرے ساتھ پاک رہوں اور جلوت میں مجھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باوضو رہنے کا شرف عطا فرما کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ میرا حال ہو جائے۔ یہ دعا اظہارِ بندگی ہے۔ جو لوگ اللہ کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں وہ عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو ضائع کر رہے ہیں، ان کا رخ خلافِ حق ہے۔ وہ بڑائی کے دعوے کر رہے ہوں گے اور اتمامِ حجت کے بعد انہیں پکڑ لیا جائے گا۔ پھر وہ اصلاح کو قبول کرنے کی طرف آئیں گے مگر ان کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہو گا۔ وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل ہو کر۔ موت کے وقت سے لے کر جہنم میں داخل ہونے کا وقت طویل نہیں ہے، کہ عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین بھی ایک عذاب ہے اور یہ عذاب موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔

حاصل : خلوت و جلوت میں پاک رہنے کی دعا کرنی چاہئے۔ جو لوگ اللہ کی بندگی سے سرتابی کرتے ہیں، ان کا انجام جہنم ہو گا۔ استکبار کرنے والے ہمیشہ ذلیل ہوتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ غافر (40) میں ہی فرمایا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيٓ آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَآ أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾ إِذِ الْأَغْلَالُ فِيٓ أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو اللہ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں، کہاں پھرے جاتے ہیں۔ وہ جنھوں نے کتاب کی تکذیب کی اور جو کچھ ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجا، جلد ہی انھیں معلوم ہو جائے گا، جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی اور وہ گھسیٹے جائیں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾

اللہ ہی ہے کہ جس نے تمھارے لئے رات بنائی کہ اس میں تسکین پاؤ اور دن بنایا دیکھنے کو۔ بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے، ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

اللہ ہی رات اور دن کا خالق ہے۔ اگر اللہ قیامت تک رات ٹھہرا دے تو کون ہے اللہ کے سوا جو روشنی لا دے، اور اگر قیامت تک دن ہی ٹھہرا دے تو کون ہے جو اس کے سوا سکون کے لئے رات لا دے۔ جس کی قدرت سے ہمیں سکھ مل رہا ہے، اس سے بڑا ہماری ضروریات کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے رات کو ہمارے سکون کے لئے بنایا ہے، اور دن کو اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لئے بنایا ہے۔ اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے، مگر وہ اکثر شکر نہیں کرتے۔ بندے کو جو کچھ درکار ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔ حق کو ماننے کے لئے جو آسانیاں ضروری ہوتی ہیں، وہ بھی اللہ کے فضل سے عطا ہوتی رہتی ہیں۔ جو لوگ من مانی کرنے میں لگے رہتے ہیں، وہ اللہ کے فضل کی طرف نہیں دیکھتے۔ جن مقاصد کے حصول میں وہ لگے ہوتے ہیں، ان کا حصول بھی باذن اللہ ہی ہوتا ہے۔ اصلاح کی طرف آنے کے لئے بندے کو جو کچھ ملنا چاہئے، بندے کو اس کا پتہ بھی نہیں ہوتا، مگر اللہ اپنے فضل سے وہ دیتا رہتا ہے جس میں بندے کی فلاح ہوتی ہے۔

حاصل : رات کو سکون کے لئے بنایا گیا ہے۔ دوسروں کے سکون کا بھی دھیان رکھنا چاہئے۔ دن میں اللہ کا فضل تلاش کرنا چاہئے۔ اپنے اوپر اللہ کے فضل کو دیکھتے رہنا چاہئے، اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾

وہی اللہ تمھارا رب ہے، ہر شے کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو کہاں پھرے جاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ اس نے ہمارے لئے سب اہتمام کئے ہیں۔ وہی ہمیں پالتا ہے، اور اپنے علم سے پالتا ہے۔ وہی حیات دیتا ہے وہی موت دیتا ہے، وہی متاعِ حیات دیتا ہے۔ اسی کی طرف سے حق کو نازل فرمایا گیا ہے، وہی ہر مقام پر ہمارے اعمال کو دیکھتا ہے، وہی جزا دینے والا ہے، وہی تو معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ کو معبود ماننے کا دعویٰ ہو تو

صداقت کا ثبوت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع ہی ہو گا۔ شاہراہِ شریعت روشن ہے، جب کوئی اس سے ہٹتا ہے تو اس کے پاس کوئی سند نہیں ہوتی۔

حاصل : اللہ ہی ہمارا رب ہے جو خالق کل ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حق سے پھر نا روشنی سے اندھیرے کی طرف جانے والی بات ہے۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

اس طرح پھرے جاتے رہے ہیں، وہ جو اللہ کی آیات سے منحرف ہو جاتے رہے ہیں۔

اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے، اللہ کو خالق تو مانتے ہیں، اس کی قدرت کا انکار بھی نہیں کرتے، مگر یہ ماننا ان کے لئے مشکل ہوتا ہے کہ اللہ بعث بعد الموت پر بھی قادر ہے۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ کرنا بندے کے لئے تو ممکن ہی نہیں، کہ اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے، حق کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ بے سند باتوں میں دلچسپی لیتے لیتے یہ لوگ راہِ حق سے پھر جاتے رہے ہیں۔

حاصل : آیاتِ الٰہی کا انکار کبھی اسناد سے نہیں ہوتا، استکبار کرنے والے اللہ کی آیات کے منکر ہوتے ہیں۔ وہی راہِ راست سے پھر جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾

اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے قرار بنایا، اور آسمان کو چھت بنایا، اور تمہیں صورت دی تو تمہیں احسن صورت دی، اور تمہیں طیّبات سے رزق دیا۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، تو بڑی برکت والا ہے رب العالمین۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے روشن ثبوت بیان فرمائے گئے ہیں۔ زمین کو ہمارے لئے مستقر بنایا گیا ہے۔ اس میں ہماری ضروریات کو بہم پہنچایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ آسمان کو چھت بنایا گیا ہے۔ آسمان سے بھی ہماری ضروریات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ ہماری صورتوں کو اللہ نے بنایا ہے جیسے چاہا ہے۔ اشیاء تو سب اللہ نے ہی بنائی ہیں، ہماری صورت احسن ان معنوں میں ہے کہ اشیاء سب ہمارے لئے بنائی گئی ہیں اور ہم اللہ کے لئے بنائے گئے ہیں۔ رزق زندگی کی ضرورت تو ہے مگر ہمارا رزق بھی پاک

چیزوں پر مشتمل فرمایا گیا ہے۔ ناپاک چیزوں سے دور رہنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ یہ ہے اللہ کی شان جو ہماری ربوبیت کر رہا ہے، اور عالمین کی ربوبیت کر رہا ہے۔ برکت دینے والا بھی وہی ہے۔ جسے برکت کی طلب ہو، اسے رضائے الٰہی کو ہر مقام پر مقصود جاننا چاہئے۔ جب بندے کو کائنات میں اپنے مقام کا عرفان ہو، تو پھر وہ اپنے درجے سے نہیں گرے گا۔

حاصل : اللہ ہی ہے جس نے زمین کو ہمارے لئے مستقر بنایا، آسمان کو چھت بنایا، ہماری صورت کو جس نے احسن بنایا۔ جس نے ہمیں طیّبات سے رزق دیا، وہی ہمارا ربّ ہے، وہی ربّ العالمین ہے۔ وہی برکت دیتا ہے۔ برکت کبھی خلافِ حق کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٦٥﴾

وہی دائمًا زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اسی کی بندگی کرو خالص اسی کے دین کے ہو کر۔ حمد اللہ ہی کی ہے جو ربّ العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ تعیّن سے پاک ہے۔ زندگی سب کو وہی دیتا ہے۔ اس کی زندگی سب سے بہت بالا ہے۔ اسی کی رضا کو مقصود بنایا جائے تو ہمارا مقصدِ تخلیق پورا ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسی کے عطا کردہ دین کو مانا جائے اور خلوص کے ساتھ مانا جائے، اور کافروں کو ہمارے طریقِ زندگی سے کراہت ہو تو ہوا کرے، ہمیں اس کی پرواہ بھی نہ ہو۔ حمد اللہ کی شان ہے، کہ وہ سب کو پالتا ہے، اور اپنے علم سے پالتا ہے۔

حاصل : الحیّ، اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی بندگی مخلصین کی معیّت میں ہی ہوتی ہے۔ اللہ کی حمد کرنے والے کو یہ یقین رکھنا چاہئے، کہ اللہ جو اس کے لئے چاہتا ہے، وہی اس کے لئے بہترین ہے۔

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّي ۫ وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٦٦﴾

فرما دیجئے مجھے منع کیا گیا ہے کہ ان کی بندگی کروں جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے ہو، جب کہ میرے پاس میرے رب کی روشن نشانیاں آچکی ہیں، اور مجھے امر ہے کہ میں ربّ العالمین کو تسلیم کروں۔

یہ تعلیم امت کے لئے فرمایا گیا ہے۔ مومن کو جب یہ کہا جائے کہ تم منکرینِ حق کی ملت میں واپس آجاؤ، ورنہ تمہارے ساتھ بڑا سخت برتاؤ کیا جائے گا، تو اسے جواب میں یہ کہنے کا حکم ہے کہ جن کی بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے، انہوں نے مجھے اللہ کے مقابل کسی کی بندگی کرنے سے منع کر دیا ہے، اور میرے پاس میرے رب کی روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں۔ مجھے یہی امر دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کو تسلیم کروں۔ اب میری یہ مجال نہیں کہ رب العالمین کا حکم میرے علم میں ہو اور میرا جھکاؤ اس کے مقابل کسی دوسری طرف ہو۔

حاصل : کافروں کی طرف سے جب غیر اللہ کی بندگی کے لئے کہا جائے، تو جواب میں مومن کو یہ کہنا چاہئے : مجھے اللہ کے مقابل کسی کی بندگی سے منع کر دیا گیا ہے۔ میرے پاس میرے ربّ کی روشن نشانیاں آچکی ہیں، اور مجھے ربّ العالمین کو ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے خلق فرمایا، پھر نطفے سے، پھر علقے سے، پھر تمہیں بچے کی صورت سے پیدا کرتا ہے، پھر تمہیں پروان چڑھاتا ہے کہ تم پورے زور کو پہنچو، پھر تم بوڑھے ہو جاتے ہو، اور تم میں سے کچھ اس سے قبل ہی وفات پاجاتے ہیں، اور اس لئے کہ تم اجل مسمّٰی تک پہنچو اور اس لئے کہ تم عقل کرو۔

جس ربّ العالمین کو تسلیم کیا جانا چاہئے، اس کی شان یہ ہے کہ اسی نے ہمیں مٹی سے پیدا کیا ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا اور ہم ان کی اولاد ہیں۔ بقاء نسل کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے نطفہ ہوتا ہے، حمل قرار پاجانے سے علقہ بنتا ہے، اللہ تعالیٰ ارحام میں صورتیں بناتا ہے جیسے چاہتا ہے، پھر بچہ پیدا ہونے کا مقام آتا ہے۔ ماں کے جسم میں جو تبدیلیاں آتی ہیں، اللہ کے علم سے آتی ہیں۔ پیدائش کے بعد بچے کی ضروریات کے مطابق اسے خوراک دینا بھی اللہ کی شان ہے۔ اس طرح بچے پر بلوغت کا مقام آتا ہے، پھر وہ اپنی نوع کے اعتبار سے پورے زور کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس پر بڑھاپے کا مقام آتا ہے۔ یہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ بلوغت اور بڑھاپے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اجلِ مسمّٰی تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ عقل کرنے والوں کو یہ دیکھنا چاہئے، کہ جو قادرِ مطلق اپنی قدرت کا مشاہدہ کروا رہا ہے، یقیناً بعث بعد الموت اس کے لئے آسان کام ہے۔

حاصل : ربّ العالمین ہی ہمارا خالق ہے اور پالنے والا ہے۔ پیدائش کی ابتدا سے موت تک تمام

مراحل پر اللہ کی قدرت نظر آتی ہے۔ وہ یقیناً بعث بعد الموت کے بعد لوگوں کو ان کے کئے کی جزا دے گا۔ عقل کرنے کا ثبوت اصلاحِ حال سے دینا چاہئے۔

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٦٨﴾

وہی ہے کہ جو حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے، اور جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے، تو یہی فرماتا ہے، کہ ہو جا جبھی وہ ہو جاتا ہے۔

حیات دینا بھی اللہ کی شان ہے، موت دینا بھی اللہ کی شان ہے، جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے، اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اس کا کام ہمیشہ اس کے علم سے ہوتا ہے، اور اس کے کام میں ہمیشہ حکمت ہوتی ہے۔ وہ جو عنوان چاہے رکھ دے، اسی عنوان کے مطابق تصرّف شروع ہو جاتا ہے۔ اسباب ہمیشہ خالق کل کے امر کو ماننے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ یہ ہے معبود کی شان جو عالمین کی ربوبیت کر رہا ہے۔ ربّ العالمین کی بندگی سے ہی بندہ ہر مقام پر پورا رہ سکتا ہے۔

حاصل : حیات دینا بھی اللہ کا کام ہے، موت دینا بھی اللہ کا کام ہے۔ عنوان رکھنا بھی اللہ کی شان ہے۔ جب وہ عنوان رکھ دے تو تصرف اسی کے مطابق شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا امر ہمیشہ مانا جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص (38) میں ارشاد فرمایا ہے۔
إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾
بے شک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے شدید عذاب ہے، اس لئے کہ وہ یوم حساب کو بھلا بیٹھے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا جو اللہ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں، کہ وہ کہاں پھرے جاتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ حیات دینے والا اللہ ہے، موت دینے والا اللہ ہے، اللہ کی مشیت کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ نہ ہونے کو ہونا بنانے پر قادر ہے، ہونے کو نہ ہونا بنانے پر قادر ہے۔ حق کرنے والوں کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس رخ پر جا رہے ہیں۔

حاصل : اللہ کی آیات میں مجادلہ کرنے والے ہمیشہ تضاد میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کا رخ خلافِ حق ہوتا ہے۔ افہام و تفہیم کے لئے بات کرنے والے سند سے بات کرتے ہیں۔ ان کے اندر کبر نہیں ہوتا۔ ان کا رخ ہمیشہ درست ہوتا ہے۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ مع ۱۴

وہ لوگ جنہوں نے کتاب کی تکذیب کی اور جو ہم نے رسولوں کے ساتھ بھیجا۔ تو جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا۔

کتاب اللہ کو جھٹلانے والے، اور اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے والے، اپنے انجام کو جلد ہی جان لیں گے۔ حق تو ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے، اس لئے حال کی تکذیب ماضی کی بھی تکذیب ہے، اور ماضی کی تکذیب حال کی بھی تکذیب ہے۔ مجادلہ کرنے والوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ سخت سزا کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ جب منکرین حق کو یہ معلوم ہو جائے گا، کہ وہ حق کو جھٹلاتے رہے ہیں تو اس وقت انہیں سخت ندامت ہو گی مگر اس وقت اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : حال سے استفادہ کرنا چاہئے۔ کتاب اللہ کو ماننا اور اللہ کی نشانیوں کو ماننا ہی باعثِ فلاح ہوتا ہے۔

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾ عبداللہ حجری ۱۲

جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی اور وہ گھسیٹے جائیں گے۔

حق کی اہمیت منکرین کے علم میں تب آئے گی جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور پاؤں میں زنجیریں ہوں گی، اور وہ کتاب اللہ کی تکذیب کا اور اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کا انجام دیکھیں گے۔ اس وقت ان کو گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا۔ حق کے مقابل اکڑنے والی گردنوں کو اور خلافِ حق چلنے والے پاؤں کو ان کے کئے کی وہ جزا دی جائے گی جس کے وہ مستحق ہوں گے۔ لوگوں کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دینا اللہ کی شان ہے۔

حاصل : حق کے انکار کا انجام یہ ہو گا کہ گردنوں میں طوق ہوں گے، پاؤں میں زنجیریں ہوں گی، اور گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا۔ حال پر اپنی گردن کو حق کے سامنے جھکانا چاہئے، اپنے رخ کو درست رکھنا چاہئے۔ یہ اپنی حفاظت کرنے کی صورت ہے اور اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

فِي الْحَمِيمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿۷۲﴾

گرم پانی میں، پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

حق کا انکار کرنے والے، استکبار میں ہی اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کو گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا، پھر ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ وہ آگ ہوگی جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ یہ سزا بہت سخت ہوگی، مگر ہوگی انسان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوئی۔

حاصل : گرم پانی کے ساتھ سزا دینا اور آگ کے ساتھ سزا دینا، صرف اللہ کی شان کے لائق ہے۔ بندے کو ایسی سزا دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿۷۳﴾

پھر ان سے فرمایا جائے گا، کہاں گئے جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔

حق کا انکار کرنے والے جنّتیوں سے یہ سوال اس وقت ہوگا، جب وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ پوچھا جائے گا : جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے تھے، جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، جن کے بارے میں تمہیں زعم تھا کہ وہ تمہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے، وہ کہاں گئے۔ اس وقت تم بڑے دکھ میں ہو، اور کوئی تمہاری نصرت کو آ نہیں رہا۔

حاصل : مشرکین سے ان کے معبودوں کے بارے میں تب پوچھا جائے گا، جب وہ دوزخ میں جھونک دیئے گئے ہوں گے۔

مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿۷۴﴾

اللہ کے مقابل۔ عرض کریں گے وہ تو ہم سے گم ہو گئے، بلکہ ہم تو کسی شے کو اس سے قبل پکارتے ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو حواس باختہ کر دے گا۔

جب کافروں سے یہ پوچھا جائے گا، کہاں گئے تمہارے معبود جن کو تم اللہ کے مقابل پوجا کرتے تھے، تو کافر عرض کریں گے وہ تو ہم سے گم ہو گئے۔ یہ شرک کا اعتراف ہو گا، اور اس اعتراف کے بعد کافر یہ کہیں گے، بلکہ ہم تو اس سے قبل کسی شے کو پوجتے ہی نہ تھے۔ یہ عذابِ الٰہی کے سامنے حواس کے گم ہو جانے کی صورت ہوگی، کہ شرک کا اعتراف بھی ہو گا، اور اس کے ساتھ ہی انکار بھی ہو گا۔

حاصل : عذابِ الٰہی سے حواس گم ہو جائیں گے۔ پہلے کافرین اپنے معبودوں کے گم ہو جانے کو

تسلیم کر کے اپنے شرک کا اعتراف کریں گے، پھر کہیں گے ہم کسی شے کو پوجتے ہی نہ تھے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿٧٥﴾

یہ اس لئے ہے کہ تم زمین میں ناحق فرحت کا اظہار کرتے رہے، اور اس لئے ہے کہ تم اکڑتے رہے۔

کافروں کی بدحواسی تو عذابِ الٰہی کو پاکر ہوگی ہی، حیاتِ دنیا میں اس کے اسباب کو بیان فرمانے کا منشاء یہ ہے کہ اپنے حال اور اعمال کی حفاظت کرنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ جو لوگ اللہ کے فضل کو اپنی کوشش و کاوش کی بدولت جانتے ہیں، وہ اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اترانے لگتے ہیں۔ ان کا رخ درست نہیں رہتا۔ پھر وہ غرور کا اظہار کرتے ہوئے دوسروں کو حقیر ثابت کرنے لگتے ہیں۔ متاعِ حیاتِ دنیا تو ایک وقت کے لئے ہے، اور یہ دیکھنے کے لئے دی جاتی ہے کہ اس کا استعمال حق کے مطابق کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اسی کو اگر اپنی بڑائی کے جواز کی صورت میں پیش کیا جائے تو یہ حواس کے درست نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

حاصل : وسعتِ مال پر اترانا اور غرور کے ساتھ دوسروں کو حقیر ثابت کرنا، حواس کے درست نہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اصلاحِ حال کے لئے دی گئی مہلت میں ہی اپنے حال کو درست کیا جاسکتا ہے۔

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٦﴾

جہنّم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے۔ تو کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے متکبّرین کا۔

زمین میں ناحق اترانے والوں سے اور غرور کرنے والوں سے فرمایا جائے گا : جہنّم کے وہ مقامات جو تمہاری سزا کے لئے مخصوص ہیں، ان میں داخل ہو جاؤ، یہیں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور تکبّر کرنے والوں کا ٹھکانا کتنا برا ہے۔

حاصل : جزا دینے کا جو علم اللہ کو ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا بہت بُرا ہوگا۔ تکبّر سے بچنے کے لئے اپنی پسند کو اہمیت نہ دینا بہت ضروری ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

تو صبر کر، بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ پھر اگر ہم تمہیں دکھا دیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے، یا تمہیں پہلے ہی وفات

فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾

دیں، انہیں بہرحال لوٹ کر ہماری ہی طرف آنا ہے۔

پیغام حق پہنچانے والے صاحب کے لئے یہ فرمان ہے، کہ صبر کرنا حق ہے، اور یہ صبر اتمامِ حجت کے بعد نتائج کے سامنے آنے تک کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے، دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ شاہد کے بیان کے مطابق حالات سامنے آجائیں۔ دوسری یہ کہ شاہد کے وصال کے بعد وہ صورت سامنے آئے، جس سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا تھا۔ واپسی تو بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوگی۔ جس کی طرف سے آنا ہوا ہے، واپسی بھی اسی کی طرف ہی ہوگی، اور جزا بھی وہی دے گا۔

حاصل: صبر کرنا، اللہ کے ساتھ کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ جب واپسی بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی تو اس کے لئے تیاری کرنے سے غفلت اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے والی بات ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾ ع ٨ / ١٠ / ١٢

اور بے شک ہم نے تم سے قبل بھی رسول بھیجے، جن میں سے کچھ کے حالات تم سے بیان کئے، اور کچھ کے تم سے بیان نہیں کئے۔ اور رسول کوئی ایسا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہی نشانی لے آئے۔ پھر جب اللہ کا امر آئے گا، تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اہلِ باطل ہی خسارے والے ہوں گے۔

حق رسولوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچتا رہا۔ لوگوں نے اللہ کے فرمان کو سنا بھی، اور اس فرمان پر پورا رہنے کا نمونہ بھی دیکھا۔ رسول کو ماننے والے فلاح پاتے رہے، اس کو جھٹلانے والے خسارے میں پڑتے رہے۔ تمام رسولوں کے احوال تو بیان نہیں فرمائے گئے، کچھ کے احوال بیان کئے گئے ہیں، کچھ کے نہیں کیے گئے۔ بیان کردہ احوال ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں، کہ اللہ نے انہیں بیان فرمایا ہے۔ ہر رسول نے اپنی صداقت کے ثبوت میں جو نشانی پیش کی وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تھی، حق کو روشن کرنے کے لئے اس حال پر موزوں ترین تھی، اور اتمامِ حجت میں سند کا درجہ رکھتی تھی۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے۔ جب عمل کے لئے دیا گیا وقت پورا ہو جاتا ہے، تو پھر امرِ الٰہی سے فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اہلِ باطل ہی خسارے میں پڑتے رہے ہیں، اہلِ

باطل ہی خسارے میں پڑتے رہیں گے۔

حاصل : ہر رسول اللہ کا بیان ہمیشہ حق ہوتا رہا ہے۔ جن رسولوں کے احوال کو بیان فرمایا گیا ہے، ان کی ہمارے لئے بڑی اہمیت ہے۔ ہر رسول کو جو نشانی دی گئی، وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے دی گئی، اور وہ نشانی اتمام حجت کے لئے قطعاً ضروری تھی۔ جب اللہ کا امر آجاتا ہے تو فیصلہ ہوتے دیر نہیں لگتی، اور اہلِ باطل ہی خسارے میں پڑتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالٰی نے سورۃ الجاثیہ (45) میں ارشاد فرمایا ہے۔
كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾
ہر امت کو اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ آج کے دن تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے بنائے، کہ کسی سے سواری کا کام لیتے ہو اور کسی سے کھاتے ہو۔

چوپائے انسانی ضرورت ہیں۔ اللہ نے ہمارے لئے بنائے ہیں۔ یہ کچھ ہماری سواری کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، اور کچھ غذا کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ سواری کے طور پر استعمال ہونے والے جانوروں کی پرورش و حفاظت کا ایک علم ہے، خوراک کے طور پر استعمال ہونے والے جانوروں کی پرورش، حفاظت اور طریقِ استعمال کا ایک علم ہے۔ اگر چوپائے اللہ کے عطا کردہ علم کے مطابق استعمال ہوں گے، تو فرد کو بھی سکھ ملے گا، اجتماعی سکھ بھی حاصل ہو گا۔

حاصل : چوپائے اللہ کے عطا کردہ ہیں، انسانی ضرورت ہیں، سواری کے لئے استعمال ہوں یا غذا کے لئے استعمال ہوں، ان کی پرورش، ان کی حفاظت اور استعمال کے احسن طریقے سیکھنے چاہئیں۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٨٠﴾

اور ان میں تمہارے لئے منافع ہیں، اور اس لئے کہ تم ان پر اپنے جی کی حاجت کو پہنچو، اور تم ان پر اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہو۔

چوپایوں سے انسانوں کے لئے دودھ حاصل ہوتا ہے، گوشت حاصل ہوتا ہے۔ ان کے فضلات بھی زمین کی زرخیزی کے

لئے مفید ہوتے ہیں۔ ان کے بال، ان کی کھال بھی انسانوں کے لئے بڑے وسیع دائروں میں استعمال ہونے والی چیزیں ہیں۔ ان سے حاصل ہونے والی چربی بھی بہت سارے کاموں میں درکار ہوتی ہے۔ بعض چیزوں کی نقل و حمل کی حاجت ہوتی ہے، اس کام میں چوپائے اب بھی کئی مقامات پر بے بدل نعمت ہیں۔ یہ سواری کے کام بھی آتے ہیں اور ان میں کثیر منافع ہیں۔ آبی راستوں سے نقل و حمل کے لئے کشتیاں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ ان کی ضرورت کا احساس، ان کے بنانے کا علم، ان کے لئے درکار ارکان سب اللہ نے ہی تو دیئے ہیں۔ اگر پانی میں مساوی الحجم اور وزن میں کم شے کو تیرانے کی صلاحیت نہ رکھی جاتی، تو کشتیوں اور جہازوں کے نہ ہونے سے قومی اور بین الاقوامی زندگی کیسی ہوتی۔

حاصل : چوپایوں کو منافع بخش بنانا طبعی طریق زندگی ہے۔ اخراجات کو کم رکھنا زندگی کو آسان بنانے کے لئے ضروری ہے، اور یہ طبعی ذرائع نقل و حمل سے ہی ممکن ہے۔

وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾

اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے، تو تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کروگے۔

اللہ لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھاتا رہتا ہے۔ شعور کی موجودگی میں ان نشانیوں کے مشاہدے سے معرفت الٰہی حاصل ہونی چاہئے۔ بندہ اپنے مقام سے آگاہ ہو جائے، عطاء الٰہی کی قدر کرے اور اسے حق کے مطابق استعمال کرے، جزا کا یقین اس کے اعمال میں جلوہ گر ہو، تو اس کا ساتھ دوسروں کے لئے کس قدر راحت افزا ہوگا۔ اللہ کی نشانیاں ہر ہر مقام پر دیکھی جاسکتی ہیں، کہ جو چیزیں اللہ نے بنائی ہیں، وہ تو اسی کے علم کی شان ہے، جو چیزیں انسان نے بنائی ہیں، ان کے ارکان بھی اللہ نے بنائے ہیں۔ انسانی ضرورت، اس ضرورت کے دائرے کی وسعت، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے خدائی اہتمام، استفادہ کرنے والوں کی کم علمی کا لحاظ اور اس اہتمام کا تسلسل، کتنے ہی مقامات ہیں، جہاں سے معرفت الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار ہے بالکل غیر طبعی صورت۔

حاصل : اللہ کی نشانیوں کو دیکھنا اور عطاء الٰہی کی قدر کرنا بندگی کا حصہ ہے۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار غیر طبعی صورت ہے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ نظر کرتے ان سے قبل والوں کی عاقبت کیسی ہوئی۔ وہ ان سے زیادہ تھے، اور ان کی قوت و آثار بھی زمین میں بہت تھی۔ تو جو کسب وہ کرتے تھے وہ ان کے کسی کام نہ آیا۔

زمین میں سیر کرنے کا منشاء یہ ہونا چاہئے، کہ ماضی میں خلافِ حق کرنے والوں کے انجام کو دیکھا جائے اور اس سے سبق لیا جائے، اس سے نصیحت لی جائے، حال پر اس راستے کو چھوڑ دیا جائے جو بربادی کی طرف جاتا ہے، اور بھلائی کی راہ کو اختیار کیا جائے۔ جو لوگ ماضی میں مبتلاء عذاب ہو چکے ہیں، ان کی عددی قوت ہم سے زیادہ تھی۔ زمین میں ان کی قوت کے شواہد یہ بتاتے ہیں کہ وہ ہم سے بہت قوی لوگ تھے۔ ان کے آثار قدیمہ سے یہ پتہ لگتا ہے کہ وہ فنون میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا احترام انہیں قبول نہ تھا، اس لئے ان پر عذاب آیا، اور اس عذاب سے وہ بچ نہ سکے۔ ان کی کثرت، ان کی قوت اور ان کی مہارت ان کے کسی کام نہ آسکی۔

حاصل : زمین میں سیر کرنی چاہئے اور خلافِ حق کرنے والوں کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔ اگر ہم سے تعداد میں زیادہ لوگ، ہم سے قوت میں بڑے درجے کے لوگ اور فنون میں ہم سے زیادہ مہارت رکھنے والے لوگ، خلافِ حق کرنے کی وجہ سے عبرتناک انجام کو پہنچے ہیں تو پھر عقل مندی یہی ہے کہ خلافِ حق کرنے کی راہ کو فوراً چھوڑ دیا جائے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾

پھر جب ان کے پاس ان کے رسل بینات کے ساتھ تشریف لائے تو انہیں اس علم پر فرحت ہوئی جو ان کے پاس تھا، اور انہی پر الٹ پڑا جس کا استہزاء کرتے تھے۔

رسولوں کو لوگوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جاتا رہا ہے۔ جب بھی رسول تشریف لائے وہ ایسی نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے جو قطعاً روشن تھیں اور ان کی صداقت کو واضح کرتی تھیں۔ رسول ماضی کا علم رکھتے تھے کہ وہ اس سے سبق سیکھنے کی راہ بتاتے تھے، حال کا علم رکھتے تھے کہ راہِ حق کو روشن کرتے تھے، اور مستقبل کا علم رکھتے تھے کہ بشارت و انذار ان کا مرتبہ تھا۔ مگر ہوا یہ کہ لوگ اپنے عصری علوم پر نازاں رہے، اور رسولوں کی تکذیب کرتے رہے۔ وہ بنیاد جس سے معاشرے کو سلامتی نصیب ہوتی ہے، وہ انسانی علوم سے تعلق ہی نہیں رکھتی، اور لوگ فنون میں اپنی مہارت پر اتراتے ہوئے، حق کا مذاق اڑاتے رہے ہیں۔ مگر اخلاقی قدروں کو غیر اہم ثابت کرنے والے ہی ہمیشہ برباد ہوئے ہیں، اور جس حق کا وہ مذاق اڑاتے رہے اسی کا استہزاء ان کے لئے باعث عذاب ہوا۔

حاصل : رسولوں کی تعلیمات ہمیشہ واضح تھیں اور سلامتی کی راہ کو روشن کرنے والی تھیں۔ انسانی علوم و فنون پر قائم ہونے والا معاشرہ ہمیشہ عبرتناک انجام کو پہنچتا ہے۔ معاشرے کی سلامتی کے لئے جس وسیع بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے وہ صرف اللہ کی کتاب سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ

پھر جب انہوں نے ہماری آفت کو دیکھ لیا،

وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾

کہنے لگے ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور جن کو ہم شریک ٹھہراتے تھے، ان سب کا ہم نے انکار کیا۔

جو لوگ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا مذاق اڑاتے ہوئے، علوم و فنون کے نام پر زمین میں فساد مچاتے رہتے ہیں، جب عذابِ الٰہی ان کے سامنے آتا ہے، اور انہیں تباہی احاطہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے، تو وہ یہی کہتے ہیں : ہم ایک اللہ پر ایمان لائے، اور شرک کی ہر صورت کا ہم نے انکار کیا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ باطل کی راہ کا انکار کر دینا، بندے کی صداقت کا کافی ثبوت ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ طاغوت کا انکار، اللہ پر ایمان اور صالح اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق یہ سب صداقت کے ثبوت کے لئے ضروری مقامات ہیں۔

حاصل : جس علم سے خوفِ الٰہی بڑھے وہ علمِ حقیقی ہے۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ایک اللہ پر ایمان لانا اور شرک کو چھوڑ دینے کا اعلان کرنا، منکرینِ حق کا طریقہ رہا ہے۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

تو ان کے ایمان نے انہیں نفع نہ دیا، جب انہوں نے ہماری آفت دیکھ لی۔ اللہ کی سنّت یہی ہے جو اس کے بندوں میں چلی آتی ہے۔ اور تب کافر لوگ ہی خسارے میں رہے۔

جو ایمان صالح اعمال کی شہادت کے بغیر ہے، وہ اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا، اس لئے کبھی نفع بھی نہیں دیتا۔ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر ایمان لایا جائے تو عملاً صداقت کا ثبوت دینے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے وہ ایمان بے معنی ہوتا ہے، اللہ کی سنت یہی چلی آ رہی ہے۔ کافر لوگ خلافِ حق کرنے کی وجہ سے انجام کار ہمیشہ خسارے میں ہی رہے ہیں۔

حاصل : ایمان وہی نفع دیتا ہے جس کی شہادت صالح اعمال سے دی جائے۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ایمان لانے والے خسارے میں ہی پڑتے ہیں۔ اللہ کی سنّت یہی چلی آ رہی ہے، اور اللہ کی سنت بدلتی نہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ رعد (13) میں فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ --- ﴿۱۱﴾

بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا، جب تک ان میں تغیر نہ ہو جائے۔

سُوْرَةُ فُصِّلَت

آیاتہا ۵۴ — رکوعاتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ — حروفِ مقطّعات

ان حروف کے پڑھنے کا معروف طریقہ ہے۔ ان کو الگ الگ کر کے پڑھا جاتا ہے۔ یہ خاموشی کا مقام ہے، اس لئے یہاں بولنا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہو گا۔

حاصل : خاموشی کے مقام بولنا اور بولنے کے مقام پر خاموش رہنا، بندے کو حق سے دور کر دیتا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ — اس کا نزول الرّحمٰن اور الرّحیم کی طرف سے ہے۔

قرآنِ پاک کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ یہ کتاب رحمۃ اللعالمین پر نازل فرمائی گئی ہے۔ یہ لوگوں کے لئے ہے۔ اس کا نازل فرمانے والا، لوگوں کو حق کی طرف آنے میں مدد دیتے ہوئے بھی رحم کرتا ہے، اور حق کو مان کر اپنی صداقت کا ثبوت دیتے ہوئے پورا رہنے والوں پر بھی رحم کرتا ہے۔ اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔ اللہ کی بات کو ماننے میں ماننے والے کا ہی بھلا ہوتا ہے، اس لئے جہاں حق کا ذکر آجائے فوراً اسے ادب سے مان لینا چاہئے کہ اس سے بہتر کوئی بات ہمارے لئے ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس تنزیل کا تعلق اللہ کے دو اسماءِ حسنیٰ سے بتایا گیا ہے، جو الرّحمٰن اور الرّحیم ہیں۔ قرآن پاک کو ماننے سے ہی بندہ رحمتِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے۔

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ — قرآن عربی وہ کتاب ہے، جس کی آیات کو علم والے لوگوں کے لئے مفصّل فرمایا گیا ہے۔

علم کی طلب ہو تو قرآن پاک میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس سے کماحقہ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں شک نہیں ہے۔ حصول علم کی طلب ہو تو اس کتاب سے استفادہ کرنے والے کو شک سے پاک ہونا لازم ہے۔ اس کو مبارک نصیحت فرمایا گیا ہے۔ اس کی نصیحتوں کی برکات کا پتہ اسے ہی لگے گا، جو اس کی نصیحتوں کو ادب سے مانتا رہے گا۔ منکر اس کی نصیحتوں سے کیا فائدہ اٹھا سکے گا۔ یہ قرآن عربی ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔ طلب علم ہو تو اس کی آیات کے مفصل ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ اللہ نے اس کتاب کو اپنے علم سے مفصل فرمایا ہے۔ ایمان والوں کو اس سے ہدایت اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔ جب انسانی گمان کو اس کے مقابل اہمیت دی جائے تو نتیجہ ہدایت و رحمت سے دوری ہی ہو سکتا ہے۔

حاصل : علم کی طلب ہو تو قرآن پاک کی آیات کے مفصل ہونے کا پتہ لگتا ہے۔

بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٤﴾

بشارت دیتی ہوئی اور ڈر سناتی ہوئی، تو اکثر نے اس سے اعراض کیا پھر وہ سنتے ہی نہیں۔

قرآن پاک میں ان لوگوں کے لئے بشارت ہے جو قول مبارک کو سنتے ہیں، اس کا احسن اتباع کرتے ہیں۔ انذار ان لوگوں کے لئے ہے جو حکم الٰہی کو سنتے ہیں اور پھر اس کے خلاف کرتے ہیں۔ جو لوگ اس کی اہمیت کو مانتے ہیں وہ تو اس سے منہ پھیرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جو منہ پھیرتے ہیں وہ اپنی پسند کو کتاب اللہ کے مقابل زیادہ اہم جانتے ہیں۔ انہیں کتاب اللہ کی باتیں سنائی نہیں دیتیں۔ جس علیم مطلق کا یہ فرمان ہے، نتائج اسی کی قدرت سے مرتب ہوتے ہیں۔ کسی کے نہ سننے سے نقصان اسی نہ سننے والے کا ہی ہو گا۔

حاصل : قرآن پاک کو سننا اور ماننا بندگی ہے، اس سے اعراض کرنا جرم ہے۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ ﴿٥﴾

اور کہنے لگے ہمارے قلوب غلاف میں ہیں، اس سے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے، اور ہمارے تمہارے مابین حجاب ہے، تو تم اپنا عمل کرو، ہم اپنا عمل کرتے ہیں۔

منکرین جب اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ سب نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، تو اس وقت وہ تبلیغ حق کرنے والی ذات سے یہی کہتے ہیں : کہ آپ کی دعوت کا ہم پر کچھ اثر نہ ہو گا، ہمارے دل اس سے محفوظ ہیں، ہمارے کانوں میں ایسی کیفیت ہے کہ آپ کی بات ہمیں پہنچتی ہی نہیں، اور پھر قرب مکانی کی صورت میں بھی ہمارے تمہارے مابین ایک حجاب رہتا ہے، کہ آپ

کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ آپ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں، وہ آجائے گا تو دیکھیں گے، اس سے پہلے آپ کی صداقت کو مان لینا ممکن نہیں۔

حاصل : منکرینِ حق اپنا سب کچھ حق کی مخالفت پر لگا دیتے ہیں۔ عذابِ الٰہی کو دیکھ کر وہ ایمان لائیں تو اللہ کے ہاں وہ ایمان قبول نہیں ہوتا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦﴾

فرما دیجئے میں تمہاری مثل بشر ہی ہوں، مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود الٰہ واحد ہی ہے، پھر اسی کی طرف مستقیم رہو اور اس سے استغفار کرو، اور مشرکین کے لئے خرابی ہے۔

اگر حق کے قول کو ماننا مشکل ہوتا تو منافقت کا وجود ہی نہ ہوتا۔ عملاً حق کو ماننا بڑا کام ہوتا ہے۔ جب منکرینِ حق عذابِ الٰہی کی آمد کو ہی تبلیغ حق کرنے والے کی صداقت کا ثبوت ٹھہرا دیں تو ان سے یہ کہا جاتا ہے، کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں، مجھے حکم الٰہی کے حوالے سے تمہیں یہ بتاتا ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے، جو تمہارا خالق ہے، رب ہے، مالک ہے، اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے والا ہے۔ اگر تم اسی کی طرف اپنے رخ کو سیدھا رکھو تو تمہیں یکسوئی نصیب ہوگی، تم اللہ سے بخشش طلب کرو گے، وہ تمہیں بخشش دے گا۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر شرک سے بچ نہیں سکو گے، اور شرک کرنے والوں کے لئے تو خرابی ہی خرابی ہے۔

حاصل : لوگوں کو دعوتِ اتباع دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہے میں تمہاری مثل بشر ہوں، تمہیں اپنی پسند ناپسند کی بات نہیں سناتا، تمہیں حق بتاتا ہوں۔ تمہارا معبود ایک ہے، اسی کی طرف اپنا رخ سیدھا رکھو گے اور بخشش طلب کرتے رہو گے تو تمہارا بھلا ہو جائے گا ورنہ شرک سے بچ نہ سکو گے، اور شرک کا انجام بڑی خرابی ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٧﴾

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

مشرکین کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ کلمہ، نماز، روزہ، حج یہ قول کا درجہ رکھتا ہے، زکوٰۃ دینا عمل کا درجہ رکھتا ہے۔ زکوٰۃ دی جائے تو مال پاک ہوتا ہے، اور پاک مال ہی اللہ کی راہ پر خرچ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ جو مال کی تقسیم میں من مانی کرتے ہیں، وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں، انہیں جزا کا یقین نہیں ہوتا۔

حاصل : زکوٰۃ نہ دینا بھی شرک کی علامت ہے۔ آخرت کا یقین ہمارے عمل میں جلوہ گر نہ ہو، تو پھر آخرت کا انکار ضرور ہمارے حال سے ظاہر ہو گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿٨﴾ ع ۱۵

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

اللہ پر ایمان لانا دعویٰ ہے۔ جو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو اس طرح سچا ثابت ہو جائے اسے دائمی پاک دامنی کا مقام عطا ہو جاتا ہے۔ اسے ایسے اجر سے نوازا جاتا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

حاصل : دائمی پاک دامنی کا مقام نصیب ہو تو اس کا اجر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل (16) میں ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾

جو صالح عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور ہو مومن، تو ضرور ہم اسے حیاتِ طیّبہ سے زندہ رکھیں گے، اور انہیں جزا دیں گے ایسا اجر جو ان کے اعمال کا خوب صلہ ہو گا۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩﴾

فرما دیجئے کیا تم اُس سے کفر کرتے ہو، جس نے زمین دو دن میں خلق فرمائی، اور تم اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو۔ وہی تو رب العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ کو ماننے میں اگر ماننے والے کی اپنی پسند بھی ایک اہمیت رکھتی ہو، تو پھر اس طرح ماننے کی حقیقت اللہ کو نہ ماننا ہے اور کفر کرنا ہے۔ زمین کو اللہ نے دو دن میں بنایا ہے۔ اس کی وسعت، اس کے اجزائے ترکیبی، اس کا مقصدِ تخلیق، وہ وقت جس میں اس کو منشاء ایزدی کے مطابق اپنا کام کرتے رہنا ہے اور دوسری کئی باتیں دعوتِ فکر دیتی ہیں کہ اللہ کی قدرت کے سامنے کسی کی حیثیت ہی کیا ہے۔ زمین کو دو دن میں بنانے والے کے مقابل کس کی مجال ہے کہ وہ اپنی کارکردگی کا ذکر کرے۔ اللہ کا ہمسر کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ زمین کو بنانے والا ہی تو سارے جہانوں کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ اگر اللہ کے مقابل اور معبود بھی ہوتے تو کائنات میں فساد ہو جاتا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے، ربّ العالمین ہے، واحد ہے اور لاشریک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو لاشریک ماننا ہمارے عمل میں نظر آنا چاہئے۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَٰتَهَا فِىٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ ﴿١٠﴾

اور اس میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالے اور اس میں برکت رکھی اور اس میں ان کی خوراکیں ٹھہرائیں، یہ سب چار دن ہوئے، سائلین کی ضرورت کے مطابق۔

زمین پر پہاڑ بنانے کا منشاء یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کانپے نہیں۔ پھر زمین میں معدنیات رکھی گئی ہیں، اور اس میں تاقیامت آنے والوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے برکت رکھی گئی ہے۔ لوازماتِ حیات کا مقرر کرنا بہت بڑا علم ہے جو اللہ کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ نے جس شے کی جو خوراک مقرر کی ہے، اسی خوراک سے وہ شے طبعی طور پر ٹھیک رہتی ہے۔ ہر ایک جاندار کی خوراک کا اہتمام اس کے ماحول میں کرنا بہت بڑی شان ہے۔ تمام جانداروں کی ضروریات کو پورا کرنا اور تاقیامت اس نظام کو حسن و خوبی سے جاری رکھنا اللہ کی شان ہے۔ لوازماتِ زندگی اللہ کے علم سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ کے علم سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔ زمین کی تخلیق دو دن میں ہوئی، آسمانوں کی تخلیق بھی دو دن میں ہوئی اور زمین و آسمان کے مابین جو کچھ ہے یہ بھی دو دن میں بنا۔ چھ دن ہمیشہ ساکن رہتے ہیں۔ ساتواں حال ہوتا ہے اور متحرک ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کے حسنِ اہتمام کو جاننے والے کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کا انکار کر سکے۔ حصولِ رزق کے لئے اگر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کو ماننے کا ثبوت کیا ہو گا۔

ثُمَّ ٱسْتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ٱئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِينَ ﴿١١﴾

پھر آسمان کی طرف استویٰ فرمایا، اور وہ دخان تھا، تو اس سے اور زمین سے فرمایا، کہ تم دونوں طوعاً یا کرہاً ہمارے احکام کی تعمیل کرتے رہو۔ دونوں نے عرض کیا، ہم رضا و رغبت سے حاضر ہیں۔

کائنات کی تخلیق کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ آسمان اور زمین بند تھے، اللہ نے انہیں کھولا۔ آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستونوں کے اور زمین کو فرش بنا دیا، آسمان کو چھت بنا دیا۔ آسمان کو ابتدائی صورت میں اللہ نے ہی پیدا کیا تھا۔ کائنات کا بننا اللہ کے ہاں طے تھا۔ حضرت انسان کو جس توفیق کے ساتھ یہاں رہنا تھا وہ بہت بڑی تھی، اس طرح زمین اور آسمان کا کام حضرت انسان کے

حوالے سے بہت اہم تھا، اس لئے دونوں سے یہ فرمایا گیا: کہ طوعاً مانو یا کرہاً مانو، مگر اللہ کے احکام کی تعمیل کرو اور جو جو کام تمہارے سپرد کئے گئے ہیں انہیں منشاء الٰہی کے مطابق سرانجام دو۔ دونوں نے جواب میں اپنی رضا و رغبت کے ساتھ احکامِ الٰہی کی تعمیل کرتے رہنے کا عہد کیا۔

حاصل: زمین و آسمان تو رضا و رغبت سے اللہ کے احکام کی تعمیل کریں، اور جس کے لئے انہیں کام سپرد کئے گئے ہیں، وہ من مانی کرتا رہے یہ کس قدر ناشکری کا مظاہرہ ہو گا۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

پھر انہیں دو دن میں پورے سات آسمان کر دیا، اور ہر آسمان میں اس کے امر کی وحی فرمائی۔ اور ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزیّن کیا، اور اسے محفوظ بنایا۔ یہ عزّت والے، علم والے کا ٹھہرایا ہوا ہے۔

آسمان کی طرف توجہ فرمانے کے بعد اللہ نے ان کے مقصدِ تخلیق کے حوالے سے ان کی تکمیل کی، اور آسمانوں کو جو جو کام سپرد کرنا پسند کیا، اللہ نے ان کے سپرد کیا۔ خالقِ کل کا کام اتنے بڑے علم کا کام ہے، کہ کوئی دوسرا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سات آسمانوں میں زمین کی طرف سے نظر آنے والا آسمان، سماءِ دنیا کہلاتا ہے۔ اسے ستاروں سے مزیّن کیا گیا۔ خوبصورتی کے ساتھ ساتھ وقت اور سمت کے تعیّن میں ستارے رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت انسان کے ساتھ صریحاً دشمنی کرنے کی قسم کھانے والے سے ان مقامات کو محفوظ کرنا ضروری تھا جہاں انسان کی بھلائی کا عنوان رکھا جائے، اس لئے اللہ نے حفاظت کا وہ اہتمام کیا، جو اللہ کی شان کے لائق ہے۔ عزت والے، علم والے خالقِ کل نے جو کچھ بنایا ہے، اس کو منشاء الٰہی کے مطابق استعمال کرنے سے ہی ہم عزّت والے ہو سکتے ہیں، اور علم والے ہو سکتے ہیں۔

حاصل: تعمیر کو با مقصد ہونا چاہئے اور جس کے لئے تعمیر کی جائے اسے بندگی کا حق ادا کرنے میں مدد ملنی چاہئے۔ حفاظت کا اہتمام کرنا بھی علم سے ہونا چاہئے۔ عزّت والے، علم والے خالقِ کل کی بندگی کرنے والا اعطاء الٰہی کا قدر دان ہوتا ہے اور شکر گزار ہوتا ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ ﴿۱۳﴾

پھر اگر وہ اعراض کریں، تو فرما دیجئے کہ میں تمہیں ایک کڑک سے ڈراتا ہوں جیسی کڑک عاد و ثمود پر آئی تھی۔

جب لوگ حق کو ماننے کی بجائے اس سے کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اس سے منہ پھیر لیں تو تبلیغ حق کرنے والے پر لازم ہے کہ انہیں یہ بتادے کہ حق کے انکار کا انجام تباہی ہی ہوتا ہے۔ ایک کڑک کے ساتھ ہی منکرین دائمی خسارے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جیسے قوم عاد تباہ ہوئی، قوم ثمود تباہ ہوئی۔

حاصل : اعمال خلافِ حق ہوں تو ان کے نتائج تباہی کی صورت میں ہی وارد ہوتے ہیں۔ ماضی میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿١٤﴾

جب ان کے پاس رُسل ان کے آگے سے اور پیچھے سے تشریف لائے، کہ اللہ ہی کی بندگی کرو، تو انہوں نے کہا، اگر ہمارا ربّ چاہتا تو ملائکہ کو نازل کرتا، تو جس پیغام کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

عاد و ثمود کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے آتے رہے، اور انہوں نے ہمارے نازل کردہ حق کو پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تبلیغ حق میں جو معیار کے مطابق رہے، اللہ کے بھیجے ہوئے، راہ حق کو روشن کرنے والے بندے سے محبت رکھے اور خلوت و جلوت میں اس محب کی اپنی کوئی بات نہ ہو، وہ مبلغین کی پاک جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔ منکرین حق کو جو پیغام پہنچایا گیا وہ یہی تھا کہ اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں۔ اس کے جواب میں ان اسودہ حال لوگوں نے کہا کہ بشر کا رسول ہونا ہمارے ماننے میں نہیں آتا۔ ہمارا رب بڑی قدرت رکھتا ہے، وہ چاہتا تو ملائکہ کو بھیج سکتا تھا۔ اس نے ملائکہ کو تو بھیجا نہیں، آپ بشر ہیں، آپ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہم یہ مانتے ہی نہیں۔ لہٰذا ہم اس پیغام کے بھی منکر ہیں، جو آپ پہنچانا چاہتے ہیں، اور پہنچا رہے ہیں۔

حاصل : پیغام حق کے پہنچنے میں کبھی کمی نہیں رہتی۔ استکبار کرنے والے اپنی پسند کو حق کے مقابل بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ تبلیغ حق کرنے والے کا انکار اس حق کا بھی انکار ہوتا ہے جو تبلیغ حق کرنے والا پہنچا رہا ہوتا ہے۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ

تو وہ جو عاد تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا، اور کہنے لگے، ہم سے قوت میں کون اشد ہے۔ اور کیا انہوں نے نہ دیکھا

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا، ان سے قوت میں اشد ہے۔ اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔

عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کا بھیجا ہوا پیغام پہنچایا، تو ان لوگوں نے جواب یہ دیا کہ ہم تو آپ کو بے وقوف دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم میں تمہارے لئے ناصح ہوں، تمہاری بھلائی چاہتا ہوں، تمہیں اللہ کی نعمتیں یاد دلاتا ہوں کہ تم ان کا شکر ادا کرو اور فلاح کی راہ اختیار کرو۔ بے وقوف قوم نے یہ جواب دیا کہ ہم بہت طاقت ور لوگ ہیں، ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے جس کا ہمیں ڈر ہو۔ انہیں یہ بھی تو دیکھنا چاہئے تھا کہ اللہ کے مقابل ان کی قوت کی حیثیت کچھ نہ تھی۔ مگر یہ لوگ طاقت کے گھمنڈ میں حق کا انکار ہی کرتے چلے گئے۔

حاصل : اللہ کی نعمتوں کو اپنی مہارت اور محنت کی بدولت جاننے والے ناحق تکبّر کرتے ہیں۔ اللہ کے مقابل کسی قوت کو قابلِ ذکر جاننا ہی درست نہیں۔ طاقت کے گھمنڈ سے بچنا اور اپنے ساتھیوں کو اس سے بچانا بہت ضروری ہوتا ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

تو ہم نے ان کی نحوست کے دنوں میں ان پر بادِ صرصر بھیجی کہ ہم حیاتِ دنیا میں انہیں رسوائی کا عذاب چکھائیں۔ اور آخرت کا عذاب اس سے زیادہ رسوا کن ہو گا، اور ان کی نصرت نہ ہو گی۔

اتمامِ حجت اللہ کی شان ہے۔ جب عاد نے اصلاح کے لئے دی گئی مہلت کو ضائع کر لیا، تو اللہ کی نشانیوں کا انکار کرنے والوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ ان پر عذاب کے دن آئے۔ یہ دن ان کے لئے سخت رسوائی کے دن تھے، کہ طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا لوگ ہوا کے مقابل بھی نہ ٹھہر سکے۔ یہ ہوا اس قوم کے لئے عذاب تھی۔ اس نے ان کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ آخرت کا عذاب تو زیادہ رسوا کن ہو گا۔ دنیا میں کون ان کی مدد کر سکا تھا جو آخرت میں کوئی ان کو رسوائی سے بچانے کی ہمت کر سکے گا۔

حاصل : عذابِ الٰہی ہمیشہ اللہ کے علم سے ہوتا ہے، اس لئے مجرم اس کے احاطے سے نکل نہیں سکتے۔ استکبار کرنے والے ہمیشہ رسوا ہوتے ہیں، آخرت میں رسوائی بڑھ کر ہو گی۔ اللہ کے مقابل نہ حال پر کوئی مدد گار ہو سکتا ہے، نہ مستقبل میں کوئی مدد گار ہو گا۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور وہ جو ثمود تھے، ہم نے انہیں ہدایت پہنچائی، تو انہوں نے ہدایت کے مقابل اندھے پن کو پسند کیا، تو انہیں ذلّت کے عذاب "صاعقہ" نے پکڑ لیا، بدلہ اس کا جو کسب کرتے تھے۔

ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو ہدایت دینے کے لئے بھیجا گیا۔ لوگوں نے آپ سے رسول اللہ ہونے کی سند طلب کی۔ آپ نے وہ نشانی انہیں دکھادی، وہ اللہ کی اونٹنی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: اسے چھوڑ دو یہ زمین سے کھاتی پھرے اور اسے بُرائی سے مس نہ کرنا، ورنہ تمہیں المناک عذاب پکڑے گا۔ ثمود نے حق کو ماننے کی بجائے، حق کے انکار کی راہ اختیار کی۔ یوں انہوں نے ہدایت کے مقابل اندھے پن کو پسند کیا۔ ان لوگوں نے اللہ کی نشانی کی بے حرمتی کی، اور یہ کہا: اے صالح (علیہ السلام) لے آؤ وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو اگر تم اللہ کے رسول ہو۔ اس قوم پر عذاب آیا اور وہ اپنے استکبار کے حوالے سے رسوا کن عذاب میں مبتلا ہو کر ختم ہو گئے۔ اگلی صبح وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔

حاصل: ہدایت پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ بندے اسے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے کی راہ اختیار کرتے ہیں، اور اپنے اپنے رخ کے مطابق جزا پاتے ہیں۔ عذابِ الٰہی منکرینِ حق کے کسب کی حیثیت کو رسوا کر کے رکھ دیتا ہے۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی، جو ایمان والے تھے اور تقویٰ کرتے تھے۔

جو لوگ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے، یہ حق کی قدر کرنے والے تھے، یہ اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام سے محبت رکھنے والے لوگوں کو اللہ نے اس عذاب سے نجات دی، جس عذاب میں منکرینِ حق تباہ ہو گئے۔

حاصل: عذابِ الٰہی سے نجات بھی اللہ ہی دیتا ہے۔ اللہ پر ایمان کا دعویٰ ہو تو تقویٰ اس کا شاہد ہونا چاہئے۔ پاک بندوں کو حیاتِ دنیا میں بھی قدر و منزلت سے نوازا جاتا ہے، آخرت میں بھی نوازا جائے گا۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (7) میں ارشاد فرمایا ہے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

اے میری قوم میں نے تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا پہنچایا اور تمہیں نصیحت کی مگر تم ناصحین سے محبت ہی نہ رکھتے تھے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾

اور جس دن اللہ کے دشمنوں کو آگ کی طرف اکٹھا کیا جائے گا، تو وہ روکے جائیں گے۔

اللہ کے دشمن وہ لوگ ہیں، جو مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کو دوزخ کے قریب روکا جائے گا، تاکہ اگلے پچھلے اکٹھے ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سوال کیا جائے گا: کیا تم نے میری آیات کی تکذیب کی، اور تمہارے علم کو ان پر احاطہ نہ تھا، تم کیا عمل کرتے تھے۔ اللہ کے دشمنوں کو ان کے اعمال کے حوالے سے جزا دی جائے گی، اس طرح ان کی درجہ بندی ہو جائے گی۔

حاصل: مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرنے والے اللہ کے دشمن ہیں۔ ان سے دوستی قطعاً منع ہے۔ دوزخ کی طرف جانے والوں کا ساتھ کسی کو خسارے میں ہی ڈال سکتا ہے۔

حَتّٰٓى إِذَا مَا جَآءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾

حتیٰ کہ جب وہاں پہنچیں گے، تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی جلدیں شہادت دیں گی، جو عمل وہ کرتے تھے۔

اللہ کے ساتھ دشمنی کرنے والوں پر ان کے ظلم کی بدولت قولِ حق واقع ہو جائے گا تو وہ نہیں بولیں گے۔ اس وقت ان کے کان یہ شہادت دیں گے کہ انھوں نے خلافِ حق باتوں کو سننا پسند کیا، ان کی آنکھیں گواہی دیں گی کہ ان لوگوں نے خلافِ حق رخ اختیار کرنے میں بڑی دلچسپی لی، اور ان کی جلدیں یہ شہادت دیں گی کہ یہ لوگ ہمیں اپنے مزے کے لئے استعمال کرتے رہے اور استکبار کرتے رہے۔ یہ شہادتیں اتنی قریبی ہوں گی، اتنی بڑی ہوں گی اور ایسی ہوں گی کہ ان کی تردید ممکن ہی نہ ہو گی۔ اس دن جہنم کے پاس جمع کیے گئے لوگوں سے یہ فرمایا جائے گا، یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

حاصل: کان کی حفاظت کرنی چاہئے کہ یہ خلاف حق نہ سنے، آنکھ کی حفاظت کرنی چاہئے کہ یہ خلافِ حق نہ دیکھے، جلد کی حفاظت کرنی چاہئے کہ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف کو لازم مانا جائے۔ مومنین کے ساتھ عملاً دشمنی کرنے والوں کو کبھی دوست نہیں بنانا چاہئے۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ

اور وہ اپنی جلدوں سے کہیں گے، تم نے

قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

ہم پر کیوں شہادت دی۔ جواب ملے گا، ہمیں اللہ نے نطق دیا، جس نے ہر شے کو نطق دیا، اسی نے تمہیں پہلی بار خلق فرمایا، اسی کی طرف مراجعت کر رہے ہو۔

خلافِ حق کرنے والے اپنے اعضاء کی گواہی پر حیران ہوں گے۔ اعضاء سے یہ پوچھیں گے، تم نے ہم پر کیوں شہادت دی، تم تو ہمارے وجود کے اہم ارکان تھے۔ اعضا جواب دیں گے: ہمیں اللہ نے نطق دیا تو ہم نے امرِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے شہادت دی۔ نطق جہاں بھی ہے، اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ ہر شے اللہ کے امر کی تعمیل کے لئے طوعاً حاضر ہے۔ اللہ نے ہی تمہیں پہلی بار خلق فرمایا تھا، اسی نے تمہیں دوسری بار خلق فرمایا ہے، اور اسی کے دربار میں تم حاضر ہو۔ جس کی طرف سے تم گئے تھے، اسی کی طرف تم واپس آ رہے ہو۔

حاصل: اعضا کی شہادت کا یقین ہو جائے، تو پھر اعضاء کا خلافِ حق استعمال ہو نہیں سکتا۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور تمہیں یہ اندیشہ نہیں تھا کہ تم پر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری جِلدیں شہادت دیں گی، ولیکن تمہارا ظن یہی تھا کہ اللہ کو اکثر اس کا علم نہیں ہوتا جو عمل تم کرتے ہو۔

کان، آنکھیں اور جِلدیں، انسانی خواہشات کی تکمیل میں اپنی مسلمہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ان سے چھپ کر کوئی کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ خلافِ حق کرنے والے کو اس کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا، کہ اس کے اعضاء اس کے اعمال پر گواہ بنیں گے۔ بلکہ اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی اس کے اعمال کا پورا پورا علم نہیں ہے۔ اللہ کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اسے ہمارے سینوں کی چھپی ہوئی باتوں کا بھی علم ہے، اسے ہمارے اعمال کا بھی علم ہے، تو پھر خلافِ حق سوچنا بھی ممکن نہیں رہتا، خلافِ حق کرنے کا مقام تو بعد میں آتا ہے۔

حاصل: اعضاء کی شہادت کا اندیشہ رکھنے والا، خلافِ حق کرنے سے نہ رکے یہ ممکن ہی نہیں۔ خلافِ حق کرنے والے کا گمان تو یہی ہوتا ہے، کہ اللہ کو بھی اس کے اعمال کا پورا علم نہیں ہے۔ اس ناقص گمان سے نقصان خلافِ حق کرنے والے کو ہی ہوتا ہے۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور یہ ہے تمہارا ظن۔ جو ظن تم اپنے رب کے ساتھ رکھتے تھے، اس نے تمہیں برباد کر دیا تو تم خسارے والوں سے ہوئے۔

منکرین حق کا یہ ظن کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا نہیں ہے، ان کی بربادی کا باعث بنتا ہے۔ اب کوئی اپنے رب کے ساتھ یہ گمان رکھے کہ اسے اپنے بندے کے اعمال کا علم نہیں ہے، تو یہ گمان بندے کو خسارے میں ہی ڈال سکتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا یقین ہمارے اعمال میں نظر آنا چاہئے کہ یہ فلاح پانے والوں کی نشانی ہے۔

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر وہ منانا چاہیں تو کوئی ان کا منانا نہ مانے۔

منکرینِ حق کو ان کے اعمال کی جزا ضرور دی جائے گی، یہ اس سے بھاگ نہیں سکتے۔ یہ اسے قبول کریں یا نہ کریں، جزا تو وہی ہوگی، جو ان کو ان کے اعمال کے حوالے سے دی جائے گی۔ قیامت کے دن ظالم معذرت بھی کریں گے اور منانا بھی چاہیں گے، مگر ان کی معذرت اور ان کا منانا انہیں نفع نہ دے گا، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کے پورا ہو جانے کے بعد اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔

حاصل : جزا سے بھاگ جانا کسی کے بس میں نہ ہو گا۔ قیامت کے دن منکرینِ حق خسارے کو دیکھیں گے تو معذرت بھی کریں گے اور منانا بھی چاہیں گے، مگر اس سے وہ اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دے سکتے کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت ختم ہو چکا ہو گا۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

اور ہم نے ان پر ساتھی مسلّط کر دیئے تو انہوں نے مزیّن کر کے دکھایا جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ اور ان پر قول حق ہوا، ان امم سے جو ان سے قبل گزر چکیں جنّ و انس سے، بے شک وہ

خاسرین ہوئے۔

جو حق کو نہ مانے، ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ جو اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت کو نظرانداز کر دے، شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے، جو وقتی فائدے کو اس کے سامنے اس قدر زینت دے کر رکھتا ہے کہ منکرِ حق دائمی فائدے کی راہ کو چھوڑ دیتا ہے، اور اپنی خواہش کی پیروی کو درست سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت میں من مانی کرتے ہوئے وہ یہی سمجھتا ہے، کہ اس کے درست راہ پر ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ جو ہو رہا ہے وہ اس کی پسند کے مطابق ہے۔ جن لوگوں نے بھی حق سے اعراض کیا ہے وہ خسارے سے بچ نہیں سکے۔ یہی اصول رہا ہے اور یہی اصول رہے گا۔ ماضی میں جنّ وانس اس راستے کو اختیار کر کے خسارہ اٹھا چکے ہیں، اب جو اس راستے کو اختیار کرے گا، وہ بھی خسارے میں ہی پڑے گا۔ آخرت میں بندہ اپنے بُرے ساتھی کو دیکھ کر کہے گا: ہائے افسوس کسی طرح میرے اور تمہارے مابین بعد المشرقین ہوتا، تو کتنا برا ساتھی ہے۔

حاصل : جو حق کو نہ مانے، ناحق اس کے گلے پڑ جاتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں بھی اسے خسارہ ہوتا ہے، آخرت میں بھی خسارہ ہی ہو گا۔ اس نصیحت کو ماننا ہی باعث فلاح ہے، جو فرمانِ الٰہی کی صورت میں موجود ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجاثیہ (45) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۳﴾

اور جب فرمایا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اور قیامت میں شک نہیں، تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے، ہمیں تو کچھ ظن سا ہی ہے، اور ہمیں یقین نہیں۔ اور ان پر ان کے اعمال کی بُرائیاں کھل گئیں، اور انہیں گھیر لیا اس عذاب نے جس کا استہزاء کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿۲۶﴾

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں غوغا کرو تاکہ تم غالب رہو۔

حکم الٰہی یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے، تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم ہو۔ اسے ادب سے سنا جائے گا، تو یہ باعثِ خیر و برکت ہو گا۔ جب کافروں نے قرآنِ پاک کے اثرات کو لوگوں پر مرتب ہوتے دیکھا تو یہ ترکیب سوچی کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ جائے، اور نہ سننے کے لئے شور و غوغا کیا جائے، اس طرح اپنی بھی حفاظت ہو جائے گی، اپنے ساتھیوں کی بھی حفاظت ہو جائے گی، اور اس کے اثرات سے بچ جانا ہی ہمارا غلبہ ہے۔ قول کا مقابلہ قول سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ جب قول کے مقابلے میں شور و غوغا کیا جائے، تو غور و فکر کرنے والے شور سے کراہت کا اظہار کریں گے اور قول پر غور و فکر کریں گے، اس طرح اس شور و غوغا کرنے کی تجویز سے بھی مومنین کو فائدہ ہی پہنچا۔

حاصل : جب قرآنِ پاک پڑھا جا رہا ہو تو غور سے سننا چاہئے اور ادب کے ساتھ خاموش رہنا چاہئے۔ قول کو شور و غوغا سے روکا نہیں جاسکتا، قول کا مقابلہ قول سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

تو ہم ضرور کافروں کو شدید عذاب چکھائیں گے، اور ضرور انہیں بُرے سے بُرے اعمال کی جزا دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

کافروں کو شدید عذاب دینا، اللہ کا وعدہ ہے۔ یہ وعدہ قیامت کے دن پورا ہو گا۔ جو لوگ حزب اللہ سے دشمنی کرتے ہیں وہ اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔ اللہ سے دشمنی میں جس قدر زور لگایا جائے گا اعمال بُرے سے بُرے ہوتے جائیں گے۔ اللہ کے ہاں ایسے اعمال کی جزا بھی ضرور دی جائے گی۔ یہ جزا شدید عذاب کی صورت میں ہو گی۔

حاصل : کافروں کو ان کے اعمال کی جزا شدید عذاب کی صورت میں دی جائے گی، حزب اللہ سے دشمنی ہی باعثِ عذاب ہو گی۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾

یہ آگ اللہ کے دشمنوں کی جزا ہے۔ اس میں ان کا دائمی ٹھکانا ہے۔ جزا اس کی کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے۔

مومنین سے عملاً دشمنی کرنے والے، اللہ کے دشمن ہیں۔ ان کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ اس آگ میں ان کا دائمی ٹھکانا ہے۔ مومنین کی دائمی مخالفت منکرین کے لئے دائمی عذاب کا باعث ہو گی۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار یہی ہے کہ اللہ کے پاک بندوں کو حق کی احسن ادائیگی کرتے دیکھا جائے، اور ان کی دعوتِ خیر کے مقابل من مانی کرنے کی راہ اختیار کی جائے۔

حاصل : اللہ کے دشمن دائمی اور شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ کی نشانیوں کا انکار باعثِ عذاب ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾

اور کافر کہیں گے اے ہمارے ربّ ہمیں دکھا، جنّ و انس سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، کہ ہم انہیں اپنے قدموں تلے ڈالیں، تاکہ وہ اسفلین سے ہوں۔

گمراہ کرنے والے، لوگوں کو دائمی نفع کے مقابل وقتی نفع کے راستے پر ڈال دیتے ہیں، اور وقتی خسارے سے بچاتے ہوئے دائمی خسارے کی طرف چلا دیتے ہیں۔ گمراہ ہونے والے اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہوئے گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ گمراہ کرنے والوں کو عزت کے ساتھ سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ آخرت میں کافروں کو، گمراہ کرنے والوں کا مقام اپنے قدموں تلے رکھنا پسند ہو گا، کہ وہ ان بڑائی کے دعویداروں کو سب سے نیچ ثابت کرنا چاہیں گے۔

حاصل : آج دیکھنا چاہئے، جن کو ہم سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں وہ ہمیں خواہشات کی پیروی کی ترغیب تو نہیں دے رہے۔ گمراہ کرنے والا نیچ ہوتا ہے مگر گمراہ ہونے والا اسے اونچ جانتا رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾

بے شک جن لوگوں نے کہا، ہمارا ربّ اللہ ہے، پھر اس پر استقامت سے رہے، ان پر ملائکہ اترتے ہیں، کہ تم خوف نہ کھاؤ اور حُزن نہ کرو، اور بشارت پاؤ اس جنّت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

جو لوگ یہ مان لیں کہ ان کا ربّ اللہ ہے، جو یہ مان لیں کہ ان کی ربوبیّت اللہ کے علم سے ہو رہی ہے، ان کو صاحبانِ استقامت سے ہونے کا ثبوت اس طرح سے دینا چاہئے کہ نہ ہونے کے مقام پر وہ صبر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہیں اور ہونے کے مقام پر وہ شکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہیں۔ عسر ہو یا یسر دونوں مقامات پر اللہ کو اپنا ربّ ماننا صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی مدد اللہ اپنے علم سے کرتا ہے۔ جو انہیں درکار ہوتا ہے، اللہ ہی اس کا سب سے بڑا علم رکھتا ہے۔ انہیں تسلی دی جاتی ہے، کہ تم خوف و حزن سے دور رہو، اور تم اس مقامِ فلاح کو دیکھو جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا، اس طرح ان لوگوں کو ان کا مستقبل دکھا دیا جاتا ہے۔

حاصل : یہ کہنا کہ اللہ ہمارا ربّ ہے، دعویٰ ہے، عسر و یسر میں استقامت سے اس کا ثبوت دینا شہادت ہے، اور یہ دعویٰ اسی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کی مدد بڑے علم سے ہوتی ہے، خوف و حزن سے نجات کے ساتھ، مستقبل میں فلاح کی بشارت بھی دی جاتی ہے۔

نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾

ہم تمہارے دوست ہیں حیاتِ دنیا میں اور آخرت میں۔ اور تمہارے لئے اس میں ہے جو تمہارا جی چاہے، اور تمہارے لئے

ہے جس کی تم استدعا کرو۔

حیاتِ دنیا میں بھی نصرتِ الٰہی سے جو نتائج نکلتے ہیں، اس کی دوسری کوئی صورت ہو ہی نہیں سکتی، آخرت میں تو ہو گا ہی جزا کا مقام اور یوم الدّین کا مالک ہی جزا دینے والا ہو گا۔ اللہ کی نصرت کو انتہائی قابلِ قدر جاننا ضروری ہے۔ جنّت کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کو ربّ ماننے کے بعد استقامت سے اپنی صداقت کا ثبوت دینے والوں کے لئے جنّت میں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے، اور اگر وہ کوئی ایسی شے طلب کریں گے جس کا حال پر تیار ہونا اور سامنے آنا انہیں پسند ہو گا، تو بھی ان کی طلب پوری ہو گی۔

حاصل : حیاتِ دنیا میں اللہ کی نصرت کی قدر کرنی چاہئے، آخرت میں تو اس کی قدر ہو گی ہی۔ جو اللہ کا ہو جائے اس کی پسند کی قدر کرنی چاہئے۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾ ع ۱۸

مہمانی ہے غفور الرّحیم کی طرف سے۔

اللہ کے پاک بندے خدائی مہمان ہوں گے۔ ان کی کوتاہیوں کو بخش دیا جائے گا اور ان پر رحم فرمایا جائے گا۔ جب میزبان مالکِ کل ہو، تو مہمان کی شان کا کیا کہنا، اور اس کے لئے ہونے والے اہتمام کا کیا کہنا۔

حاصل : پاک لوگوں کی قدر و منزلت اللہ کی سنت ہے۔ ہمیں اس سنّت کی ادائیگی سے بھی اللہ کی بندگی کا ثبوت دینا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت (29) میں فرمایا ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۵﴾

اور جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے، تو بے شک اللہ کا وعدہ آرہا ہے، اور وہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٣﴾

اور اس سے احسن قول کس کا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے، اور صالح عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں۔

جس کا قول احسن ہو، اس کے قول کو معیار جانتے ہوئے اس سے بولنے کا طریقہ سیکھنا چاہئے۔ احسن قول والے صاحب کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا ہوتا ہے، بندے کو اس کے معبود کی راہ دکھاتا ہے، مقصدِ حیات کو واضح کرتا ہے اور حکمِ الٰہی کو ماننا سکھاتا ہے۔ اس کی دوسری نشانی یہ ہے، کہ وہ صالح عمل کرتا ہے۔ کبھی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے، یہی دیکھتا ہے کہ اسے صالحین کی پیروی کے حوالے سے کیا کرنا چاہئے۔ اور تیسری نشانی یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں

مسلمانوں سے ہوں۔

حاصل : جس کا قول احسن ہو، اس کی بات کو ماننا چاہئے۔ اس کی بات میں دعوت الی اللہ ہوتی ہے، صالح عمل اس کی صداقت کا ثبوت ہوتے ہیں، اور وہ کہتا ہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾

اور نیکی اور بدی مساوی نہیں۔ برائی کو بطریق احسن دفع کرو جبھی وہ جس کے اور تمہارے مابین عداوت ہے، ایسے ہو جائے گا، جیسے کہ گہرا دوست۔

نیکی میں رخ اللہ کی رضا کا ہوتا ہے، بدی میں اپنے نفس کی خوشی مطلوب ہوتی ہے۔ نیکی میں ہمیشہ یکسوئی ہوتی ہے، بدی میں یکسوئی نہیں ہوتی۔ نیکی میں حسنِ عمل پر محسنین کی شہادت ہوتی ہے، بدی میں متکبرین کا ساتھ ہوتا ہے۔ نیکی میں جزا کا یقین ہوتا ہے، بدی میں جزا کا انکار ہوتا ہے۔ نیکی اور بدی کبھی مساوی نہیں ہوتی۔ جو اپنے نفس کی خوشی کے لئے ہمارے ساتھ معاملہ کرتا ہے، اس کی برائی کا جواب بھلائی سے دیا جائے تو اس کا رویہ بدل جاتا ہے، اور اس کے اندر کی عداوت، دوستی میں بدل جاتی ہے۔ وہ جو پہلے دشمن ہو گہرا دوست بن جاتا ہے۔ مخالفین سے جو تکلیف ہمیں پہنچے اس کو باذن اللہ مان لیا جائے تو پھر شکایت باقی نہیں رہتی، اور مخالفت کرنے والوں کے مطابق ہو جانا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ برائی کو بطریقِ احسن دفع کرنے کی صورت ہے۔ اگر مخالفت کرنے والے کے اندر اصلاح کو قبول کرنے کی استعداد ہے تو وہ مروّت سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اور اس کی جو قوت پہلے پاک بندوں سے عداوت رکھنے میں ضائع ہو رہی ہوتی ہے، وہ قوت ان سے دوستی ہو جانے کی بدولت بڑھنے لگتی ہے۔ پھر یہی قوت خدمت خلق میں کام آنے لگتی ہے۔

حاصل : نیکی اور بدی کبھی مساوی نہیں ہوتی۔ برائی کو بطریقِ احسن دفع کرنا، بھلے لوگوں کی طریقت ہے۔ مروّت سے مخالف متاثر نہ ہو یہ ممکن نہیں۔ مروّت سے عداوت، گہری دوستی میں بدل جاتی ہے۔

وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾

اور یہ ملتی صبر کرنے والے کو ہی ہے، اور اسے ہی ملتی ہے، جو بڑے نصیب والا ہے۔

برائی کو بھلائی سے دفع کرنے کا شرف بڑے صبر والوں کو ہی ملتا ہے، اور صبر وہی کر سکتا ہے جو یہ یقین رکھتا ہو، کہ نہ ہونے کے مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم عطا ہونے والا ہے، اس کی اس سے بہتر صورت نہیں ہو سکتی، کہ اللہ ہی سب سے بڑے علم والا ہے۔ مخالف کے مطابق رہنے کی سعادت بھی بڑے نصیب کی بات ہے۔ جو دکھ کو باذن اللہ نہ جانتا ہو اسے یہ

سعادت نصیب نہیں ہوتی۔

حاصل : بُرائی کو بھلائی سے دفع کرنے کا شرف، صبر کرنے والوں کو ملتا ہے۔ مخالف کے مطابق رہنے کی سعادت بڑے نصیب کی بات ہے۔

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٦﴾

اور اگر تم کو شیطان کے وسوسے سے اکساہٹ ہو تو اللہ کی پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

مخالف کے مطابق رہنا بڑے عزم کا کام ہے۔ اس کام میں اللہ کی رضا کے ساتھ جب نفس اپنی خوشی کو شامل کر دے، تو کچھ ہی دیر کے بعد شیطان کے وسوسے سے اکساہٹ کا مقام آجاتا ہے۔ اس وقت بات بظاہر خلافِ حق نہیں ہوتی، مگر ہوتی اپنے نفس کی خوشی کے لئے ہے۔ اس مقام پر رک جانا چاہئے، اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ وہی سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔ پناہ مانگنے کا منشاء یہ ہونا چاہئے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ مقصود نہ ہو۔

حاصل : جب اپنے رخ کے تعیّن میں نفس کی ترغیب بھی شامل ہو جائے تو یہ شیطان کی طرف سے اکساہٹ ہوتی ہے، اس مقام پر رک جانا چاہئے، اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے وہ ایسی صورت پیدا کر دے گا، جس سے بہتر کوئی صورت نہ ہوگی۔

وَمِنْ ءَايَٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوا۟ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا۟ لِلَّهِ الَّذِى خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿٣٧﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں، لیل و نہار اور شمس و قمر۔ نہ شمس کو سجدہ کرو، نہ قمر کو، اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں خلق فرمایا، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

لیل و نہار میں زندگی کے معمولات جاری رہتے ہیں اور لیل و نہار کا توازن اللہ کے حکم سے ہے۔ شمس سے حاصل ہونے والے منافع جو حضرتِ انسان کے علم میں ہیں، انہیں شمار کرنا بھی آسان نہیں۔ حرارت، روشنی، تمام اقسام کے رنگ، کائنات کی اشیاء میں باہمی ربط وغیرہ یہ ایسے منافع ہیں، جو انسان کے مشاہدے میں آچکے ہیں۔ کچھ ایسے منافع بھی ہیں جن کی اہمیت کا انکار ممکن نہیں مگر ابھی انسان کو ان کے بارے میں علم نہیں۔ اسی طرح قمر کے منافع بھی بہت ہیں۔ نباتات پر اثرات ہیں کہ چاند کی روشنی سے پودوں کو قوت ملتی ہے، خوراک کو سنبھالنے کی توفیق ملتی ہے اور پھلوں کے پکنے میں چاند کا حصہ ہوتا ہے۔ حیوانات پر بھی اثرات ہوتے ہیں۔ ان کے اندر ہونے والی تبدیلیوں پر بھی چاند کے اثرات ہوتے ہیں۔ جمادات پر بھی اثرات ہوتے ہیں۔ جب شمس و قمر سے حاصل ہونے والے منافع انسان کو معلوم ہوں تو طبعی طور پر ان کی قدر کا احساس بڑھنا چاہئے۔ جس خالقِ کل

نے ان کو پیدا کیا ہے، بندگی اسی کی کرنی چاہیے۔ بندگی کا اظہار حرکات کے حوالے سے سجدے میں بدرجہ اتم ہوتا ہے، اس لئے سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جو لوگ مصنوع کو مانیں گے اور صانع سے دور رہیں گے، وہ بندگی کا حق ادا نہیں کر سکیں گے۔ بندگی، عبد کا اپنے معبود کے ساتھ وہ تعلق ہے جس کی قدر کائنات کی ہر شے کرتی ہے۔

حاصل : لیل و نہار اللہ کی نشانیاں ہیں، شمس و قمر اللہ کی نشانیاں ہیں۔ نشانیوں کی اہمیت معلوم ہو جائے، تو ان کے خالق کو ماننا لازم ہو جاتا ہے۔ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ ہر شے اللہ کی بندگی کرنے والے کی قدر کرتی ہے۔

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ۩ ﴿٣٨﴾

السجدة ۱۱

تو اگر یہ تکبّر کریں تو وہ جو تمہارے رب کے پاس ہیں، رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے بھی نہیں۔

جو اللہ کی بندگی نہیں کرتا، وہ تکبّر کرتا ہے۔ اس تکبّر سے خسارہ بندے کو ہوتا ہے، کہ وہ اپنے طبعی مقام کو کھو دیتا ہے، اللہ کو تو احتیاج ہوتی ہی نہیں۔ تکبّر کرنے والے کو عزّت کا حصول اپنی خواہش کی پیروی میں نظر آتا ہے، حالانکہ ایسا ہوتا نہیں۔ عزّت تو بندے کو صرف مومن ہونے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، اور عزّت والے رات دن اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور کبھی تھکتے بھی نہیں۔ تھکن اس کام سے ہوتی ہے، جس کو مشقت جان کر کیا جائے۔ جو کام محبت اور ادب سے کیا جائے اس سے تھکن نہیں ہوتی۔

حاصل : اللہ کی بندگی نہ کرنے والے متکبّر ہوتے ہیں۔ جس کو مومن ہونے میں عزّت نظر آئے وہ تکبّر نہیں کر سکتا۔ وہ رات دن اپنے رب کے ساتھ پاک رہتا ہے، تسبیح کرتا ہے، اور کبھی تھکتا نہیں۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تم زمین کو دبی ہوئی دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں، تو تروتازہ ہو جاتی ہے، اور پھولتی ہے۔ بے شک جس نے اس کو زندہ کیا وہی مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

بعثؔ بعدؔالموت کو واضح کرنے کے لئے یہ مثال دی گئی ہے، کہ جب تم زمین کو مُردہ دیکھتے ہو، تو اس کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ پاؤں رکھنے سے مٹی دبتی ہے اور اڑتی ہے اور اس میں قوت روئیدگی نہیں ہوتی۔ اسی مٹی پر آسمان سے پانی برسا کر اللہ اسے زندہ کر دیتا ہے۔ زمین کے مُردہ ذرات کا فعلِ روئیدگی بحال ہو جاتا ہے، وہ تروتازہ ہو جاتی ہے، اور پھولتی ہے۔ اب اس میں بیج کو اگانے کی صفت نظر آنے لگتی ہے۔ بے شک جس نے اس مُردہ زمین کو زندہ کیا، اس نے اس کام کے لئے کسی سے کچھ لیا نہیں۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ اسے ہر شے پر قدرت ہے۔ وہ مُردوں کو زندہ کرنے میں جس قدرت کا مظاہرہ کرے گا، اس قدرت کا مظاہرہ ہمارے سامنے اب بھی ہوتا ہے کہ مُردہ زمین آسمان کے بابرکت پانی سے زندہ ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ہم کو جزا کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو پھر جزا کے یقین کو ہمارے قول و فعل میں نظر آنا چاہئے۔ اور اگر جزا کے انکار پر سب کچھ لگا دیا جائے تو اس سے بعثؔ بعدؔالموت کا واقع ہونا محال نہیں ہو جائے گا۔

حاصل : مُردہ زمین کو زندہ کر دینے والا، ہمیں موت کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے۔ معاد کے یقین کو ہمارے قول و فعل میں نظر آنا چاہئے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا ؕ اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴۰﴾

بے شک جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں، وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا جو قیامت کے دن امن سے آئے گا۔ جو چاہو کرو، بے شک وہ دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

جو لوگ راہ حق سے انحراف کرتے ہیں، ان کی خلوت و جلوت میں ہمیشہ تضاد ہوتا ہے۔ زبان سے وہ کچھ بھی کہتے رہیں، انھیں یہ یقین نہیں ہوتا کہ زمین میں اور آسمانوں میں اللہ سے کوئی شے مخفی نہیں ہے۔ انھیں یہ یقین نہیں ہوتا کہ اللہ ہماری نیت کو بھی جانتا ہے، رخ کو بھی جانتا ہے اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔ جس کا انجام بخیر ہو وہ یقیناً بہتر ہے، جس کا انجام قیامت کے دن دوزخ میں ہو گا وہ صریحاً خسارے میں ہو گا۔ یوم الدین کو ماننے والے لوگ قیامت کے دن امن میں ہوں گے۔ منکرین حق پر وہ دن بڑا بھاری ہو گا۔ عمل کے لئے دی گئی مہلت میں جو رخ اختیار کیا جائے گا، اسی کی بندے کو جزا دی جائے گی، اور جزا دینے والے سے کچھ مخفی نہیں ہے، وہ ہر ایک کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

حاصل : راہ حق سے انحراف کرنے والے اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ جس کا انجام بخیر ہو وہ بہتر ہے، جو دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ خسارے میں پڑے گا۔ رخ کے اختیار کرنے کی بندے کو جزا دی جائے گی۔ جزا دینے والا ہمیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالذِّکۡرِ لَمَّا جَآءَہُمۡ ۚ

بے شک جن لوگوں نے نصیحت کا انکار

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾

کیا، جب کہ وہ ان کے پاس آئی (وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے)۔ بے شک یہ عزت والی کتاب ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں فرمایا گیا ہے، اس کتاب میں تمہارے لئے نصیحت ہے، تو کیا تم عقل نہیں کرتے۔ جو لوگ اس نصیحت کو نہیں مانتے وہ یقیناً عقل نہیں کرتے۔ نصیحت کا نصیحت ماننے یا نہ ماننے والے کے پاس آنا ضروری ہے اور یہ کام اللہ کا ہے، اس کام میں کبھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ جو لوگ قرآنِ پاک کو نہیں مانتے، وہ اللہ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اللہ سے تو کچھ مخفی نہیں ہے۔ قرآن پاک ایسی کتاب نہیں ہے کہ جو صرف بیانات اور نصائح پر مشتمل ہو، یہ کتاب اتنی بلند پایہ ہے، کہ اس کا فرمان ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ جو لوگ اس کو نہیں مانتے، وہ عبرتناک انجام کو پہنچیں گے تو حق کو مانتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔

حاصل : قرآنِ پاک کو نہ ماننے والے عقل مند نہیں ہوتے۔ وہ اپنے کیے کی جزا ضرور پائیں گے۔ قرآنِ پاک اتنی بلند پایہ کتاب ہے، کہ یہ قیامت تک سب سے بڑی سند کا درجہ رکھتی ہے۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾

باطل اس میں نہیں آسکتا۔ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکیم و حمید کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہے۔

قرآن پاک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے، اس لئے اس کے بعد کوئی کتاب اللہ نہیں آسکتی۔ باطل اس کتاب میں دخل نہیں پاسکتا۔ سابقہ روایات اس میں شامل نہیں ہو سکتیں۔ اس کی ترتیب کو نہیں بدلا جاسکتا۔ اس میں کسی درجے کی تحریف ممکن نہیں ہے۔ نازل فرمانے والے نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے، اور اس سے کچھ مخفی نہیں ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی کی حیثیت ہی کیا ہے۔ قرآن پاک کا نازل فرمانے والا اللہ حکمت والا ہے، حمد والا ہے۔ اس نے بڑی حکمت سے قرآنِ پاک کی حفاظت فرمائی ہے اور بڑے علم سے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ اس مقام بالا تک کسی کی رسائی ممکن ہی نہیں۔ سابقہ کتابوں میں سے کسی کی حیثیت دائمی نہیں تھی، اس لئے اللہ کی طرف سے ان کے ساتھ قرآن جیسا سلوک ہونا بھی نہیں چاہئے تھا۔ لوگوں نے حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی سزا پائی، اللہ کا فرمان ہمیشہ ماننے والوں کے لئے باعثِ رحمت تھا۔

حاصل : قرآنِ پاک اتنی بلند پایہ کتاب ہے، کہ اس میں باطل دخل نہیں پاسکتا، نہ اس میں سابقہ روایات آسکتی ہیں، نہ اس میں تغیّر و تبدّل ہو سکتا ہے۔ حفاظت کے اس اہتمام میں اللہ کی حکمت

جلوہ گر ہے، اللہ کی حمد جلوہ گر ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾

آپ سے وہی کہا جا رہا ہے، جو آپ سے قبل رسولوں سے کہا جا چکا ہے۔ بے شک آپ کا رب بڑی مغفرت والا بھی ہے اور المناک سزا دینے والا بھی ہے۔

پہلے مرسلین کی تکذیب ہوتی رہی ہے، آپ کی بھی ہو رہی ہے۔ پہلے مرسلین کو ساحر کہا گیا ہے، آپ کو بھی کہا جا رہا ہے۔ پہلے مرسلین کو یہ کہا گیا، کہ کچھ نادار لوگ آپ کی باتوں میں آگئے ہیں، اب بھی یہی کہا جا رہا ہے۔ پہلے مرسلین کو یہ دھمکی دی گئی، کہ آپ نئی باتوں کو چھوڑ دیں اور پرانی ملّت میں واپس آجائیں ورنہ آپ کو بستی سے نکال باہر کیا جائے گا، اب بھی یہی ہو رہا ہے۔ مرسلین اسی راستے سے گزرے ہیں جس سے آپ گزر رہے ہیں۔ آپ کا کام اللہ کی رضا کے حوالے سے ہو رہا ہے۔ اتمام حجت، اللہ کی شان ہے۔ جو حق کو مان لیں گے، انہیں بخشش سے نوازا جائے گا، جو حق کا انکار کریں گے، ان کا انجام المناک سزا کی صورت میں ہو گا۔

حاصل : مرسلین کا راستہ ایک ہی ہے، یہی صراطِ مستقیم ہے۔ ان کو پیش آنے والی مشکلات بھی ایک جیسی ہیں۔ جو حق کو مان لے اس کے لئے بخشش ہے، جو نہ مانے اس کے لئے المناک سزا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع ۱۲ ۱۹

اور اگر ہم اسے قرآنِ عجمی ٹھہراتے تو یہ یہی کہتے اس کی آیات کو مفصّل کیوں نہیں فرمایا گیا۔ یہ عجمی اور وہ عربی۔ فرما دیجئے وہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ اور وہ جو ایمان نہیں لاتے، ان کے کانوں میں بوجھ ہے، اور ان پر اندھاپا ہے۔ انہیں یہ ندا بہت دور سے معلوم ہوتی ہے۔

منکرین نے یہ اعتراض کیا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی کتابیں پہلے عجمی زبان میں ہیں، قرآنِ شریف عربی زبان میں ہے۔ ایسا کیوں ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے، کہ قرآن عجمی زبان میں ہوتا تو کہا جاتا کہ یہ کیا بات ہوئی، نبی تو عربی ہے اور اس پر نازل کی گئی کتاب عجمی ہے اور نبی کی بات اس کے پہلے سامعین کے لئے اجنبی زبان میں نہیں ہوا کرتی۔ قرآنِ پاک کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے کہ وہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔ اور ایمان وہی لاتے ہیں جو ناصحین سے محبت رکھتے ہیں۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ وہ اپنی پسند کی باتوں کو ہی سننا چاہتے ہیں۔ یہ بوجھ ان کی سماعت کو اس طرح متاثر کرتا ہے، کہ انہیں حق کی باتیں بہت دور سے آنے والی ندا معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ آجاتا ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر بھی ان سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

حاصل : قرآن عربی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم عربی، کتاب مفصل، پھر باطل کا اس میں دخل ممکن نہیں۔ اس میں ہدایت و شفا کی ضمانت بھی ہے، اس سے فیض یاب ہونے والوں کے لئے بخشش ہے۔ منکرین کا حال بھی اچھا نہیں، مستقبل بھی اچھا نہیں ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ زمر (39) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائیں تا کہ وہ نصیحت مانیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿٤٥﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی، تو اس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اگر ایک کلمہ سابقہ تمہارے رب کی طرف سے نہ ہوتا، ضرور ان کے مابین فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور وہ اس سے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات شریف عطا فرمائی گئی۔ جن لوگوں نے تورات شریف کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے مانا وہ اختلاف سے پاک رہے، جن لوگوں نے تورات شریف کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش کی وہ اختلاف میں پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مہلت دینے کا وعدہ فرما رکھا ہے، ورنہ ان کے مابین فیصلہ کرنے میں اللہ کو دیر ہی کیا لگتی تھی۔ جو حکمِ الٰہی کو اپنی پسند کے حوالے سے مانتا ہو وہ دھوکا ڈالنے والے شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حاصل : کتاب اللہ کو اسی حوالے سے ماننا ضروری ہے جس کے اتباع میں فلاح کی ضمانت ہو،

اختلاف سے بچنے کی یہی صورت ہے۔ مہلت دینا اللہ کی شان ہے۔ جو حکمِ الٰہی کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کرے وہ دھوکا ڈالنے والے شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

جو صالح عمل کرے تو اپنے لئے اور جو بُرائی کرے تو وہ بھی اس پر، اور تمہارا رب بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ سچے کو ہدایت ہوتی ہے۔ جس نے ہدایت پائی اس کا بھلا ہوا۔ جس نے خلافِ حق کیا، اس نے بُرائی کی، وہ گمراہ ہوا۔ اس کا گمراہ ہونا بھی اسی پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی، وہ یقیناً گمراہ ہو گا۔ اس کے بعد کوئی خلافِ حق کرتا ہے، تو وہ اپنے کئے کی ہی جزا پائے گا۔ رب العالمین کی شان کے تو لائق ہی نہیں کہ وہ کسی پر کبھی ظلم کرے، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

حاصل : صالح عمل کرنے والے اور بُرائی کرنے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ ہر ایک اپنے کئے کی جزا پاتا ہے۔ اللہ کبھی بندوں پر ظلم نہیں کرتا، لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

الجزء الخامس والعشرون ۲۵

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۗ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۗ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾

ساعت کا علم اسی کے حوالے ہے۔ اور کوئی پھل اپنے غلاف سے نہیں نکلتا اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی، اور نہ وضع کرتی ہے، مگر اسی کے علم سے۔ اور جس دن ندا فرمائے گا، کہاں ہیں میرے شریک، تو وہ کہیں گے، ہم نے عرض کیا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی گواہ نہیں ہے۔

یہ ساعت، ساعت قیامت ہے۔ قیامت کے بارے میں جو باتیں انسان کی فلاح کے لئے ضروری ہیں وہ سب بیان فرما دی گئی ہیں۔ اس کے واقع ہونے کے وقت کا علم ہدایت کے لئے ضروری نہیں ہے، اس لئے اللہ نے اسے اپنے پاس رکھا ہے۔ خالقِ کل نے جن باتوں کو بیان فرمایا ہے، ان کے بیان کے اندر حکمت ہے۔ جن باتوں کو بیان نہیں فرمایا، ان کے عدم اظہار میں بھی حکمت ہے۔ ڈر سنانے والے کی بات اسے ہی فائدہ دیتی ہے، جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ جو قیامت کے وقت کی بحث میں پڑتا ہے، وہ عقل والا نہیں ہوتا، کہ وہ عمل کے لئے کل وقت کو جاننا چاہتا ہے، اور وہ اس وقت تک مہلت نہیں پا سکتا۔ ثمر کو اس کے غلاف

کے اندر ہی بنایا جاتا ہے، تیار ہو جانے پر اس کا اظہار ہوتا ہے اور اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی مگر اللہ کے علم سے۔ کوئی مادہ حمل وضع نہیں کرتی مگر اللہ کے علم سے۔ ماضی، حال، مستقبل سب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ جزا کے دن وہ منکرینِ حق سے کہے گا : کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تمہیں زعم تھا۔ تو وہ جواب دیں گے : ہم میں سے کوئی بھی اس بات پر گواہی نہیں دے سکتا۔ مجرم اللہ تعالیٰ کو علیم نہیں مانتا۔ اللہ تعالیٰ کو علیم ماننے والا جرم نہیں کر سکتا۔

حاصل : علمِ ساعت ہمارے لئے ضروری نہیں ہے۔ اللہ ہر حال کا علم رکھتا ہے۔ کسی پھل کا پکنا، کسی مادہ کا حاملہ ہونا، اس کا حمل وضع کرنا، سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ جو لوگ اب شرک کرتے ہیں، یہ قیامت کے دن اپنے معبودوں کو نہیں مانیں گے۔

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾

اور گم ہو گئے ان سے جن کو وہ اس سے قبل پکارتے تھے، اور سمجھ گئے کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

جب منکرینِ حق یہ کہہ دیں گے، کہ ہم میں سے کوئی شرک پر گواہی دینے والا نہیں ہے، تو پھر ان سے پوچھا جائے گا : تم نے مرسلین کو کیا جواب دیا۔ اب وہ کچھ جواب نہ دے سکیں گے۔ ان پر خبریں اندھی ہو جائیں گی۔ جب ڈر سنانے والے سامنے لائے جائیں گے، تو منکرین حق ان کی شان کو دیکھ لیں گے اور جو افترے وہ باندھا کرتے تھے وہ ان سے گم ہو جائیں گے۔ اور انہیں سمجھ آجائے گی کہ اب کوئی پناہ بھی نہیں مل سکتی، اور اپنے کئے کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حاصل : اپنے عقیدے کی صحت کو دیکھنا ہمارے ذمّے ہے۔ قیامت کے دن جزا سے بچ جانا بھی ممکن نہ ہو گا، اور اپنے کئے کا انکار بھی ممکن نہ ہو گا۔

لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ ۫ وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾

انسان دعاء خیر سے نہیں تھکتا اور اگر اسے شر مس کرے تو مایوس و ناامید ہو جاتا ہے۔

انسان کی زندگی میں ہونا اور نہ ہونا دونوں مقامات جاری رہتے ہیں۔ جو دونوں مقامات پر اللہ کے ساتھ رہے، وہ پاک ہوتا ہے۔ وہ نفع کو بھی باذن اللہ جانتا ہے، ضرر کو بھی باذن اللہ جانتا ہے۔ جو زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بنالے، وہ دعاء خیر سے کبھی نہیں تھکتا۔ جو اسے ملتا ہے اسے وہ اپنے علم کی بدولت جانتا ہے، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اسے پسند نہیں ہوتا۔ جب اس کی زندگی میں دکھ کا مقام آجائے تو اس کو مایوسی اور ناامیدی گھیر لیتی ہے۔ لیکن اللہ کے ساتھ رہنے والے کو صبر کے مقام پر یہ نظر آتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم عطا ہونے والا ہے اس کے لئے موزوں حالات بھی اللہ کے علم سے بنائے جاتے ہیں،

آسمانوں اور زمین کے خزانوں کے مالک کے لئے آسانیاں عطا کرنا مشکل تو ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : نتائج کو باذن اللہ جاننا حق ہے، مقصود اللہ کی رضا ہونی چاہئے۔ مایوسی اور قنوطیت مومن کو زیب نہیں دیتی۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

اور اگر ہم اس کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں، اس ضرر کے بعد جو اسے پہنچا ہوتا ہے، تو کہتا ہے یہ تو میرا ہے ہی، اور میرے ظن میں ساعت قائم نہ ہوگی، اور اگر ربّ کی طرف میری مراجعت ہوئی بھی تو میرے لئے اس کے پاس بھی بھلائی ہی ہے۔ تو ضرور ہم کافروں کو بتا دیں گے جو عمل انہوں نے کئے اور ضرور ہم انہیں عذابِ غلیظ چکھائیں گے۔

جب انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو اس پر مایوسی اور قنوطیت کا غلبہ ہوتا ہے، اور جب دکھ کے بعد اس کو رحمتِ الٰہی کا ذائقہ چکھایا جاتا ہے، تو وہ اسے اپنا استحقاق جاننے لگتا ہے، اور عطاءِ الٰہی کو اپنے علم کی بدولت جاننے لگتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ وہ دکھ میں اللہ کو پکارتا رہا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے میرے گمان میں قیامت نہیں آئے گی، اس طرح مجھے من مانی کرنے کی آزادی ہے، اور اگر ربّ کی طرف میری واپسی ہوئی بھی تو میرے لئے وہاں بھی بھلائی ہی ہوگی، کہ میرا امتیاز تو وہاں بھی برقرار رہے گا۔ اللہ کی نصیحت کو نظر انداز کرنے والے کے سامنے شیطان اس کے اعمال کو مزیّن کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہوتا وہ حق کا منکر ہے، سمجھتا یہ ہے کہ وہ جو کر رہا ہے، ٹھیک کر رہا ہے۔ ایسے منکرینِ حق کو جب ان کے اعمال کی خبر دی جائے گی تو وہ افسوس کرتے رہ جائیں گے، ایسے لوگوں کو عذابِ غلیظ چکھایا جائے گا۔

حاصل : ضرر کے بعد اللہ کی رحمت کی امید رکھنی چاہئے۔ ضرر کو بھی باذنِ اللہ جاننا چاہئے، اللہ کی رحمت کو بھی باذنِ اللہ جاننا چاہئے۔ رحمتِ الٰہی کے حصول کو اپنا استحقاق ثابت کرنا، قیامت کا یقین نہ رکھنا، اور اپنے امتیاز کو اپنے استکبار کی بنیاد بنالینا باعثِ عذابِ غلیظ ہوگا۔ انسان کو اس کے کئے کی ہی جزا دی جائے گی۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت دیتے ہیں،

وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾

تو وہ اعراض کرتا ہے اور اپنی جانب دور ہٹ جاتا ہے۔ اور جب اسے شر مس کرے تو عریض دعا کرتا ہے۔

نعمت کی قدر کی جائے، تو نعمت عطا فرمانے والے کی شان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ معطیٔ مطلق تو اللہ ہی ہے۔ انسان کا مزاج بیان فرمایا گیا ہے کہ نعمت پا کر اللہ سے منہ پھیر لیتا ہے، اور اپنی جانب دور ہٹ جاتا ہے، اور جب اسے دکھ پہنچے تو بہت دعائیں کرتا ہے۔ دعاء عریض لیٹے ہوئے بھی جاری رہتی ہے، بیٹھے ہوئے بھی جاری رہتی ہے، کھڑے ہوئے بھی ہوتی رہتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ضرر کو دور کر دیا جاتا ہے تو انسان وہاں سے چل دیتا ہے، گویا کبھی تکلیف میں اللہ کو پکارا ہی نہ تھا۔

حاصل : نعمت پا کر اللہ سے اعراض کرنا اور اپنی جانب دور ہٹ جانا، اور دکھ کی صورت میں لیٹے، بیٹھے اور کھڑے اللہ سے دکھ دور کرنے کی دعا کرتے رہنا ناسپاسی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾

فرمایئے، بتاؤ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا، تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو گا، جو دور کی مخالفت میں جا پڑا۔

قرآن پاک کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ یہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا اور منکرین نے اس کا انکار کیا، تو یہ منکرین کے انتہائی درجے میں گمراہ ہونے کا ثبوت ہی ہو گا۔ جو ضد میں پڑ کر حق کی اہمیت کا انکار کرے، آنکھیں رکھتے ہوئے حق کی نشانیوں کو نہ دیکھے، اور کان رکھتے ہوئے حق کو نہ سنے اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو حق کی مخالفت میں ضائع کرتا چلا جائے، وہ یقیناً گمراہی میں دور جا پڑے گا۔

حاصل : دعوتِ فکر دینا بڑے علم کا کام ہے۔ منکرین سے یہ پوچھنا چاہئے کہ اگر یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تو کیا اس کی شدید مخالفت کرنے والا ہی انتہائی گمراہ نہیں ہو گا۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ

ابھی ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور ان کے انفس میں حتی کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے، اور کیا

بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ تمہارے رب کی ہر شے پر شہادت کافی نہیں۔

نشانیاں جن کے مشاہدے سے حق کی وضاحت ہوتی ہے، آفاق میں بھی پائی جاتی ہیں اور انفس میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دیکھنے والا طلبِ ہدایت رکھتا ہو تو اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ جو ہدایت کا اتباع کرے وہ گمراہ بھی نہیں ہوتا مشقت میں بھی نہیں پڑتا۔ جو لوگ حق سے اعراض کرتے ہیں، ان کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔ انہیں اپنا سب کچھ ناکافی لگتا ہے۔ آفاق میں بھی حق سے اعراض کے اثرات بڑھتے جائیں گے اور انفس میں بھی حق سے اعراض کے اثرات بڑھتے جائیں گے، حتیٰ کہ یہ واضح ہو جائے گا کہ بھلائی انسانی علم سے ہو ہی نہیں سکتی، راحت اسی علم سے حاصل ہو سکتی ہے جو ربّ العالمین کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ تب یہ دیکھا جائے گا کہ ہر شے علیمِ مطلق کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال ہو، کہ اس سے بڑی شہادت کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : آفاق و انفس میں حق کی وضاحت کی نشانیاں بڑھتی جارہی ہیں، حتیٰ کہ حق کا انکار ناممکن ہو جائے گا۔ ہر شے کا استعمال علیمِ مطلق کے بتائے ہوئے طریقے سے ہونا چاہیئے، راحت صرف اسی صورت سے تعلق رکھتی ہے۔

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ﴿٥٤﴾ سن لو، انہیں اپنے رب سے ملاقات میں شک ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

جو خلافِ حق کرے اسے جزا کا یقین نہیں ہوتا، اسے اپنے رب کی طرف مراجعت میں شک ہوتا ہے۔ یہ شک اس کو من مانی کرنے پر اکساتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارا آنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ ہماری مراجعت بھی اسی کی طرف ہوگی۔ جو اس میں شک کرتا ہے وہ اپنے آپ کو خسارے میں ڈالتا ہے۔ کوئی شے بھی اللہ کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں ہے، اس لئے اللہ کو ماننا ہی سلامتی کا راستہ ہے۔

حاصل : اللہ سے ملاقات میں شک ہو تو راہِ راست پر رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔ جو خلافِ حق کرتا رہتا ہے یقیناً خسارے میں پڑتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ق (50) میں ارشاد فرمایا ہے۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے ہیں، بلکہ وہ نئے بننے سے شُبہ میں ہیں۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى

آیاتہا ۵۳ — رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۝۱ یہ حروف مقطعات ہیں۔

ان حروف کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے۔ ان حروف کے بارے میں کلام کرنا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدم ہو گا، جس سے قطعاً منع فرمایا گیا ہے۔

حاصل : خاموش رہنا اور بولنا علم سے ہونا چاہئے۔

عٓسٓقٓ ۝۲ یہ حروفِ مقطعات ہیں۔

ان حروف کو اسی طرح پڑھا جاتا ہے، جس طرح معلّم الکتاب نے سکھایا ہے۔ اندازے، قیافے کو حق میں کبھی شامل نہیں کرنا چاہئے۔

حاصل : اپنے اندازے کو ساکن رکھنا تربیتِ نفس میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳

عزیز و حکیم اللہ اسی طرح وحی فرماتا ہے، آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے قبل ہو گزرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے، علیم مطلق ہے۔ کس وقت کس طرح کی راہ نمائی سے لوگوں کو فلاح حاصل ہو گی، اللہ ہی سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ وہی عزیز و حکیم ہے، جس کی طرف سے حق کو نازل فرمایا گیا ہے حال پر بھی ماضی میں بھی، اس لئے حق سے بہتر کسی راہنمائی کا تصور ہی درست نہ ہو گا۔

حاصل : عزیز و حکیم اللہ کے فرمان کو ماننے میں ہمارے لئے جو راحت ہے، وہ کسی دوسری صورت میں ممکن ہی نہیں۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ④

ہے اور وہی ہے اعلیٰ عظمت والا۔

مالکِ کل اللہ ہے، آسمانوں اور زمین میں اور ان کے مابین ہر مقام پر۔ اگر ہم اپنے مالک کی رضا کو ملحوظ رکھیں گے، تو ہمارا رخ درست رہے گا۔ اللہ سب سے بڑا ہے اور عظمت والا ہے۔ اس کی بڑائی اور عظمت کسی کے ماننے سے بڑھتی نہیں اور کسی کے نہ ماننے سے کم نہیں ہوتی۔ اس کو ماننے والے ہی فلاح پاتے رہے ہیں اور اس کو ماننے والے ہی فلاح پائیں گے، کہ فلاح کا راستہ اسی کے علم سے متعین فرمایا گیا ہے۔

حاصل : اللہ کو مالکِ کل ماننے کا ثبوت عمل سے دیا جائے تو ہمارا رخ درست ہو گا۔ اللہ کو اعلیٰ اور عظمت والا مان لینے کے بعد ہی بندہ سکھی ہوتا ہے۔ مقامِ بندگی سے ہٹ کر کوئی سکھی ہو جائے یہ ممکن نہیں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑤

قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ جائیں، اور ملائکہ حمد سے اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں، اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، سن لو اللہ ہی غفور الرّحیم ہے۔

شرک ظلمِ عظیم ہے۔ شرک کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ جائیں، اور زمین اس سے شق ہو جائے اور پہاڑ اس سے گر جائیں۔ اگر مشرکین کے ظلم کو دیکھا جائے تو ان ظالموں سے ایک بھی زمین پر نہ رہ سکے، یہ اللہ کی رافت و رحمت ہے کہ وہ لوگوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ جو لوگ حق کے خلاف کرتے ہیں مگر قابلِ اصلاح ہوتے ہیں، ملائکہ ان کے لئے اپنے رب سے بخشش کی دعا کرتے رہتے ہیں، کہ ان لوگوں کو راہِ راست پر آنا نصیب ہو، اور ملائکہ حمد سے اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ یہ آگاہی فرما دی گئی ہے، کہ اللہ بخشے تو بات بنتی ہے اور اللہ رحم فرمائے تو پورا رہنا ممکن ہوتا ہے۔

حاصل : شرک کی بات انتہائی قابلِ نفرت ہے۔ ملائکہ حمد سے اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ اللہ بخشے تو بات بنتی ہے، اور اللہ رحم فرمائے تو پورا رہنا ممکن ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

اور جن لوگوں نے اللہ کے مقابل اور دوست بنا رکھے ہیں، وہ ان پر حفیظ ہے،

بِوَكِيْلٍ ⑥ اور تم ان پر ذمہ دار نہیں ہو۔

اللہ مومنین کا دوست ہے، جو بھی اللہ کو دوست بنانا چاہے، وہ مومنین کی صفات کو اپنا لے۔ ظالمین ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور اللہ متقین کا دوست ہے۔ ظالمین، اللہ کے مقابل اوروں کو دوست بناتے ہیں اور یہ اللہ کے سامنے ہیں۔ اللہ کو انہیں گرفت میں لاتے دیر نہیں لگتی، وہ اتمامِ حجت کے لئے مہلت دیتا ہے۔ پیغامِ حق پہنچانے والے کے ذمّے کسی کو راہِ راست پر رکھنا نہیں ہے، کہ دین میں اکراہ کا مقام تو ہے ہی نہیں۔ جو خیر کا رخ رکھتا ہے، وہ اپنے کئے کی جزا پائے گا، جو خلافِ حق کرتا ہے وہ اپنے کئے کی جزا پائے گا۔ کسی پر ظلم کرنا اللہ کی شان کے منافی ہے۔

حاصل : جو لوگ مومنین و متقین سے دوستی نہیں رکھتے، وہ اللہ کے مقابل اوروں کو دوست بناتے ہیں۔ اللہ انہیں دیکھتا ہے، انہیں مہلت دیتا ہے۔ اللہ کو انہیں گرفت میں لاتے دیر نہیں لگتی۔ حق کا انکار کرنے والے اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ دعوت خیر دینے والے پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ⑦

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی وحی کیا کہ آپ امّ القریٰ والوں کو ڈرائیں اور جو اس کے ماحول میں ہیں۔ اور آپ یوم جمع سے ڈرائیں جس میں کچھ شک نہیں، ایک فریق جنت میں ہو گا، ایک فریق دوزخ میں ہو گا۔

قرآنِ پاک کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ اس مبارک کتاب کو اللہ نے نازل فرمایا ہے، یہ پہلی آسمانی کتابوں کی مصدّق ہے۔ منشاء نزول یہ ہے کہ امّ القریٰ کے رہنے والوں کو اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کر دیا جائے۔ امّ القریٰ مکہ مکرمہ ہے، باقی سب بستیاں اس کے ماحول میں ہیں۔ ڈر سنانے کے کام کو اللہ کے رسولوں نے ہی کیا ہے۔ رسولوں کی زبان وہی تھی، جو ان کے پہلے سننے والوں کی زبان تھی۔ اوّلین و آخرین کے جمع ہونے کا دن ایسا دن ہے کہ جس کے آنے میں شک نہیں ہونا چاہئے۔ وہ جزا کا دن ہے۔ جو لوگ جزا کے یقین کے ساتھ اپنے حال اور اعمال کو درست رکھیں گے وہ جنّت میں جائیں گے، جو لوگ جزا کے انکار کو من مانی کرنے کی بنیاد بنائیں گے، وہ دوزخ میں جائیں گے۔

حاصل : دنیا کی تمام بستیوں کا مرکز مکہ مکرمہ ہے۔ مرکز تبلیغ بھی یہی ہے۔ ڈر سنانے کا کام شاہدین کا ہے۔ قیامت کے دن اوّلین و آخرین سب جمع ہوں گے، اس میں شک نہیں ہونا

چاہئے۔ حق کے ماننے والے جنّت میں جائیں گے، دوسرے دوزخ میں جائیں گے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو امّتِ واحد ٹھہرا دیتا، ولیکن اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ اور ظالموں کا نہ کوئی دوست ہو گا نہ نصرت دینے والا ہو گا۔

اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ لوگوں کو خلافِ حق کرنے کی توفیق ہی نہ دیتا، اس طرح وہ ایک امّت ہوتے، مگر اس نے اس جبر کو پسند نہیں کیا۔ اس نے توفیق دی ہے، اس توفیق کے استعمال کا وہ طریقہ معیار ٹھہرایا گیا ہے جو محسنین کا طریقہ ہے۔ جو اس رخ کو اختیار کرے اسے اللہ اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے، جو خلافِ حق کرے وہ ظالم ہوتا ہے۔ قیامت کے دن ظالموں سے دوستی بھی ممکن نہ ہوگی، ان کو مدد دینا بھی ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : اللہ نے جو چاہا ہے وہی کیا ہے، اور جو اللہ نے کیا ہے وہی سب سے اچھا ہے۔ جو بھلائی میں سبقت کرے اللہ اسے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ نہ ان سے کوئی دوستی کر سکتا ہے، نہ کوئی ان کی مدد کر سکتا ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ ع

کیا انہوں نے اللہ کے مقابل اور دوست ٹھہرا لئے ہیں۔ تو اللہ ہی ولی ہے۔ وہی مُردوں کو حیات دے گا، اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

حکمِ الٰہی ہے کہ ایمان والے کبھی مومنین کے مقابل کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ کافر ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور شیاطین ان کے دوست ہوتے ہیں۔ مومنین سے دوستی رکھنے والے ہی اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ اللہ ہی وہ دوست ہے، جو کوئی احتیاج نہیں رکھتا، ماننے والوں کی بھلائی کے لئے حکم کرتا ہے، ہر روز ان کو حقائق کی روشنی میں قربِ مزید کی توفیق دیتا ہے، بھول ہو جائے تو معاف کر دیتا ہے، سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اسی کی طرف سے سب کا آنا ہوا ہے، اسی کی طرف سب کی واپسی ہوگی۔ وہی مُردوں کو زندہ کرے گا، اور وہ قادرِ مطلق ہے۔ اس کی قدرت کے مقابل کسی طاقت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اللہ کے مقابل جو کافروں کو اپنا دوست بنالے گا اس کا انجام قطعاً خسارہ ہی ہو گا۔

حاصل : اللہ کے دشمنوں کو دوست بنانے والے اب بھی خسارے میں ہیں، آئندہ بھی خسارے

میں ہوں گے۔ اللہ ہی وہ دوست ہے جو کوئی احتیاج نہیں رکھتا، ماننے والوں کی بھلائی چاہتا ہے، توفیق دیتا ہے، انہیں علم سے پالتا ہے، بھول ہو جائے تو معاف کر دیتا ہے، سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اسی کی طرف سے آنا ہوا ہے، اسی کی طرف واپسی ہو گی۔ وہی مُردوں کو زندہ کرے گا، وہی جزا دے گا۔ وہی قادرِ مطلق ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فصلت (41) میں ارشاد فرمایا ہے۔
أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾
کیا تمہارے ربّ کی شہادت ہر شے پر کافی نہیں ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١٠﴾

اور جس چیز میں بھی تم ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے توکّل کیا، اور اسی کی طرف میں رجوع لاتا ہوں۔

مومنین حق کو سن کر کہتے ہیں، ہم نے سنا اور ہم نے مانا، ہم اطاعت کرتے ہیں۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی بات کرتے ہیں، یہ اختلاف میں پڑتے ہیں، ان کے سامنے اس بات کا اظہار کرنا ضروری ہے کہ فیصلے کرنے کا حق اللہ کا ہے۔ وہی فیصلے کرے گا، اور اس کے فیصلے کی شان یہ ہو گی کہ اس کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا۔ اس شان کے بیان کرنے کے بعد یہ کہنا چاہئے : میرا اللہ ہی میرا رب ہے۔ وہی میرا دوست ہے۔ وہی مجھے پالتا ہے، اور علم سے پالتا ہے۔ جو حق مجھ پر عائد ہوتا ہے، اس کے ادا کرنے کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔ اس لئے میں اسی پر توکّل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع لاتا ہوں۔

حاصل : حق سے اختلاف کرنے والے کے سامنے اپنے حال کا اظہار ضروری ہے، اور اظہار یوں ہونا چاہئے : اختلاف کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، وہی میرا رب ہے، اسی پر میں نے توکّل کیا اور اسی کی طرف میں رجوع لاتا ہوں۔

فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ

وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارے لئے تمہارے ہی انفس سے جوڑے بنائے ہیں، اور چوپایوں سے بھی جوڑے بنائے ہیں۔ اسی طرح

شَیۡءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱۱﴾

تمہیں پھیلاتا ہے۔ اس کی مثل کوئی نہیں، اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے ہمارے لئے بقاء نسل کی صورت یہ رکھی ہے کہ مرد و عورت کے جوڑے بنائے ہیں۔ اسی طرح چوپایوں میں بھی اس نے جوڑے بنائے ہیں۔ بقاء نسل کے لئے جو اہتمام اللہ نے کیا ہے، اس کو جان کر اللہ کا شکر گزار ہونا طبعی بات ہے۔ جو ہر حیات کی پیدائش، اس کی حفاظت، موزوں وقت پر حق کے مطابق جوڑے کا ملنا، استقرار حمل کے بعد جنین کی پرورش، اور پھر جنین کی تکمیل کے بعد اس کی پیدائش اور پرورش کے نئے اہتمام سے زندگی کے عمل کا شروع ہونا وغیرہ وغیرہ جوڑے بنائے ہیں۔ ان کی نسل کو بڑھانے کا بھی ایک طریقہ رکھا گیا ہے۔ کوئی نر، حاملہ مادہ کے قریب نہیں جاتا۔ کوئی نر، بچوں کو دودھ پلانے والی مادہ کے قریب نہیں جاتا۔ اسی وقت نر، مادہ کے قریب جاتا ہے، جب مادہ طبعی طور پر اس کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ نسل کا بڑھانا اللہ کا کام ہے، طبعی راستہ اختیار کرنا بندے کے ذمے ہے۔ جوہرِ حیات کو اگر مزہ لینے کے لئے ضائع کیا جاتا ہے تو اس ناشکری کے اثرات بھی ضرور مرتب ہوں گے۔ حق کے مقابل جب بھی من مانی کی جائے گی تو خرابی ضرور واقع ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تعیّن سے پاک ہے۔ اس کی کوئی مثل نہیں۔ وہ جو چاہے کرتا ہے۔ اپنا حال اس کو سنایا جائے، اس کو دکھایا جائے، اس سے مدد مانگی جائے، اور یہ یقین رکھا جائے کہ جو کچھ اللہ اپنے علم سے عطا فرمائے گا وہی سب سے اچھا ہے، تو اس سے بندے کو بڑی راحت حاصل ہوتی ہے۔

حاصل : اللہ ہی خالقِ کل ہے۔ وہی ہر ایک کو رزق دیتا ہے۔ بقاء نسل کے لئے طبعی راستے کو اختیار کرنا بندے کے ذمے ہے، اللہ کی عطا کو بے جا ضائع کرنا لوگوں کو دکھوں میں ڈالتا ہے۔ اللہ سے اپنا حال بیان کرنا، اپنی تکلیف اور احساس کو بیان کرنا بھلا لگتا ہے، کہ معبود کو بھی عبد کے قرب سے خوشی ہوتی ہے۔

لَهٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾

اسی کے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں۔ رزق میں بسط فرماتا ہے جس کے لئے چاہے، اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔ بے شک وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

معطیٔ مطلق اللہ ہی ہے۔ آسمانوں اور زمین کے سب خزانوں کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ جو کچھ عطا کر سکتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ بندہ اپنے حال کو اس کے سامنے بیان کرے تو اس سے بندے کو بڑی راحت ملتی ہے۔ رزق میں بسط بھی وہی دیتا ہے، قبض بھی وہی دیتا ہے، دونوں صورتوں میں بندے کی بھلائی موجود ہوتی ہے۔ بسط ہو تو شکریے کا مقام ہوتا ہے،

قبض ہو تو صبر کا مقام ہوتا ہے۔ اللہ ہی ہر شے کا علم رکھتا ہے، کہ بسط بھی اسی کے علم سے ہوتی ہے، قبض بھی اسی کے علم سے ہوتی ہے۔ علم والا وہی ہو گا، جو اللہ کی عطا کی قدر کرے گا، اور اللہ کی نشانیوں سے فائدہ اٹھائے گا۔

حاصل : اگر ہم مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں، رزق میں بسط ہو تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، قبض ہو تو بھی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، تو پھر مخلوق سے ہمارا معاملہ فی سبیل اللہ ہونا چاہئے۔ اگر ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں تو یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کو بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ مانتے ہیں۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِۦ نُوحًا وَالَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِۦٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰٓ أَنْ أَقِيمُوا۟ الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا۟ فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۚ اللَّهُ يَجْتَبِىٓ إِلَيْهِ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِىٓ إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴿١٣﴾

تمہارے لئے دین کی شرع رکھی جس کی وصیّت اس نے نوح (علیہ السلام) کو فرمائی، اور جسے ہم نے آپ کی طرف وحی کیا، اور جس کی وصیّت ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو کی، کہ دین کو قائم کیا جائے اور اس میں تفرقہ نہ ڈالا جائے۔ مشرکین پر بھاری ہے جس کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں۔ اور اللہ اپنی طرف قریب کر لیتا ہے جسے چاہے، اور ہدایت فرماتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔

دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی رہا ہے، اب بھی اسلام ہی ہے اور قیامت تک یہی رہے گا۔ شرع وہ روشن راستہ ہے، جس پر چل کر سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام کا راستہ یہی رہا ہے۔ ماضی میں بھی یہی راستہ تھا جس کی وصیّت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کی گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کی گئی۔ وصیّت یہ تھی کہ دین کو قائم کیا جائے، اور اس میں تفرقہ نہ ڈالا جائے۔ دین کتاب سے قائم نہیں ہوتا، اس صاحب کی دعوتِ خیر سے قائم ہوتا ہے، جو اتباع کرنے والوں کو خوف و حزن سے نجات کی ضمانت دیتا ہے۔ تفرّقے سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ حکم الٰہی کو اس نمونے کے حوالے سے مانا جائے، جس کو مصدقہ ہونے کا شرف ہو۔ توحید کی دعوت مشرکین پر بھاری ہے کہ وہ حق کے مقابل اپنی پسند کو اہمیت دیتے رہتے ہیں۔ یکسو ہونا ان پر

بڑا گراں ہوتا ہے۔ جو اللہ کے دوست کو دوست بنالے اسے اللہ اپنے قریب کر لیتا ہے۔ جو شاہد سے محبت رکھے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع بڑا عزیز ہوتا ہے۔ اللہ اسے ہدایت سے نوازتا ہے۔

حاصل : صاحبانِ حق کی راہ ہی شاہراہ ہے، جس پر چلنے میں فلاح یقینی ہے، اور جس کو چھوڑ دینے سے خسارہ یقینی ہے۔ جو لوگ حق پر قائم ہوں اور تفرّقے سے پاک ہوں، قیادت و سیادت انہی کے پاس ہونی چاہئے۔ یکسو ہونے کی دعوت مشرکین پر بھاری ہوتی ہے، اس نشانی سے ان کو پہچاننا چاہئے۔ جو اللہ کے دوست کو دوست بنائے وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے، اور رجوع الی اللہ ہونے کی وجہ سے ہدایت پاتا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوٓا اِلَّا مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۴﴾

اور انہوں نے اپنے مابین بغاوت سے ہی تفرقہ ڈالا بعد اس کے کہ انہیں علم آچکا تھا۔ اور اگر اجلِ مسمّٰی تک تمہارے ربّ کا کلمۂ سابقہ نہ ہوتا، تو ان کے مابین ضرور فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور بے شک وہ جو ان کے بعد وارثِ کتاب ہوئے وہ اس سے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں۔

حق کو سن لینے کے بعد، صاحب حق کے اسوۂ حسنہ کو دیکھ لینے کے بعد بھی اس سے رشتہ محبت استوار نہ کیا جائے تو پھر اس سے بغاوت کا مقام ضرور آتا ہے۔ یہ بغاوت مخفی بھی ہوتی ہے جلی بھی ہوتی ہے، مگر یہ حقائق کی تصدیق کے بعد کا مقام ہے۔ باغی کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہوتا کہ اسے حق کے بارے میں کوئی شک ہوتا ہے، اس کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی پسند اسے حق کو ماننے نہیں دیتی۔ اللہ نے اتمام حجت کے لئے مہلت دے رکھی ہے، اور اس مہلت کی موجودگی میں بندے کو جو کچھ حاصل ہونا چاہئے وہ اللہ دیتا ہے، ورنہ خلاف حق کرنے والے کو مٹاتے اللہ کو دیر ہی کیا لگتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا ہوئی جو تورات شریف تھی، اس میں اختلاف پیدا کرنے والوں نے اختلاف پیدا کیا، اگر اللہ تعالیٰ کا کلمہ سابقہ نہ ہوتا تو اختلاف کرنے والوں کے مابین فیصلہ صادر کرتے اللہ کو دیر ہی کیا لگتی تھی۔ اس کے بعد وہ لوگ وارث کتاب ہوئے، جن کے سامنے کتاب بھی تحریف شدہ تھی اور فلاح کی بہت باتیں کرنے والے، فلاح کا یقینی راستہ بھی نہیں دکھاتے تھے، اس لئے اس کی صداقت کو تسلیم کرنے میں شک کا ہونا طبعی بات تھی۔

حاصل : صاحبِ حق سے محبت نہ ہو تو اس کی تعلیمات کو اپنی پسند کے مطابق ڈھالنے کا مقام آجاتا ہے، یہ بغاوت ہے، اور اس بغاوت سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ مہلت دینا اللہ کی شان ہے، ورنہ اللہ کو

اختلاف کی جڑ کاٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ جو لوگ حق کو اپنے مطابق بنانے میں لگ جائیں، وہ دھوکا ڈالنے والے شک میں پڑ جاتے ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵

تو آپ اسی کی دعوت دیں اور استقامت رکھیں جیسے کہ آپ کو امر ہے، اور ان کی خواہشات کا اتباع نہ کریں اور فرما دیں میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل فرمائی، اور مجھے امر ہے کہ تمہارے مابین عدل کروں۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ کوئی حجت نہیں ہمارے اور تمہارے مابین۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

طریقِ تبلیغ کو واضح فرمایا گیا ہے تاکہ یہ معیار ہر مقام پر پیشِ نظر رہے۔ حق کی دعوت، امرِ الٰہی کے مطابق ہونی چاہئے۔ دعوت دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ استقامت ہو، نتائج کو باذن اللہ جانتے ہوئے اپنا حق حسن و خوبی سے ادا کرتا رہے۔ لوگوں کی خواہشات ان کے نزدیک بہت قابلِ قدر ہوتی ہیں، اور وہ یہی توقع رکھتے ہیں کہ جو انہیں قریب کرنا چاہتا ہے، وہ ان کی خواہشات کا لحاظ رکھے، مگر امرِ الٰہی یہ ہے کہ ان کی خواہشات کو اہمیت نہ دی جائے، ان کی قطعاً پیروی نہ کی جائے، اور یہ روشن کیا جائے، کہ اللہ سب سے بڑا علم والا ہے، حق اسی کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اور اللہ نے جو کتاب بھی نازل فرمائی ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگر فیصلہ طلب باتیں مبلّغِ حق کے سامنے لائی جائیں، تو اس کا فیصلہ امرِ الٰہی کے مطابق ہو گا، اور یقیناً عدل سے ہو گا۔ اس فیصلے کو ماننے والے کا بھلا ہو گا، نہ ماننے والا دکھ میں پڑے گا۔ اختلاف رکھنے والوں سے یہ کہنا بھی ضروری ہے، کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور اللہ ہی تمہارا بھی رب ہے۔ یہ بات مان لی جائے تو ایک دوسرے کے قریب ہونا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کہنا چاہئے کہ اللہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔ ہمارا رخ بھی اس کے سامنے ہے، تمہارا رخ بھی اس کے سامنے ہے۔ ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دی جائے گی، تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ پھر یہ کہنا چاہئے کہ ہمارے اور تمہارے مابین کوئی حجت نہیں۔ ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں، اسی کی طرف واپس جائیں گے۔ وہ سب کو جمع کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا فیصلہ ایسا فیصلہ ہو گا جس کو ماننا ہی پڑے گا۔ اس وقت خلافِ حق کرتے رہنے کی وجہ سے ندامت تو ہو

گی، مگر اصلاح کو اختیار کرنے کا وقت گزر چکا ہو گا۔

حاصل : دعوتِ حق کو امر الٰہی کے مطابق ہونا چاہئے۔ دعوت دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ استقامت ہو۔ منکرینِ حق سے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے ان کی خواہشات کا لحاظ امرِ الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔ اللہ کی ساری کتابوں کو ماننا ضروری ہے۔ فیصلہ طلب باتوں میں امرِ الٰہی کے مطابق عدل کرنا چاہئے۔ اختلاف کرنے والوں سے یہ کہنا چاہئے : اللہ ہی ہمارا اور تمہارا ربّ ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال، تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہمارے اور تمہارے مابین کوئی حجت نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے مانے جانے کے بعد، ان کی حجت ان کے رب کے نزدیک بے ثبات ہے، اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے شدید عذاب ہے۔

یہ دیکھ لینے کے بعد کہ حق کو ماننے والوں کی ذاتی زندگی بھی خوف و حزن سے پاک ہو گئی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی وہ لوگ یکسو ہو گئے ہیں، اپنی خواہشات کا اتباع نہ کرنے سے ان لوگوں کا بھلا ہی ہوا ہے، جو کچھ ان لوگوں نے پایا ہے وہ اس کے مقابل بہت زیادہ ہے جو انہوں نے کھویا ہے، اگر کوئی ثابت شدہ حقائق کے مقابل اپنے ظن کو نہیں چھوڑتا، تو اس کا ظن اسی کو خسارے میں ڈالے گا۔ ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب پڑے گا اور وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

حاصل : حق کو ماننے والے خوف و حزن سے پاک نظر آئیں، اجتماعی زندگی میں وہ یکسو نظر آئیں، تو حق کے بارے میں اپنے گمان کو وقعت دیتے رہنا درست نہیں ہو گا۔ ایسی حجت بے بنیاد ہو گی، اور ایسی حجت کرنے والے لوگوں پر اللہ کا غضب ہو گا، اور وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾

اللہ ہی ہے جس نے حق و میزان کے ساتھ کتاب نازل فرمائی۔ اور تمہیں کیا ادراک ہے کہیں ساعت قریب ہی ہو۔

حق اللہ کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ان کا اسوۂ حسنہ وہ معیار ہے،

جس سے حسنِ عمل کو دیکھا جاسکتا ہے۔ آپ کا اتباع کرنے والے شاہدین بھی اپنی کوئی صورت نہیں رکھتے، اس لئے وہ بھی معیار مانے جاتے ہیں۔ یہ میزان ایسی ہے، جس کو دیکھنے میں کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ملاحظہ ہو کہ حضور اپنی کوئی بات نہیں رکھتے۔ قیامت کی گھڑی کا تعین، منکرینِ حق کا سوال رہا ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے، آخرت کے بارے میں ان کا علم ہے ہی نابود، بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔ ساعت کا امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گا، اور اس میں وقت ہی کیا لگے گا، پلک جھپکنا یا اس سے بھی قریب۔

حاصل : حق فرمانِ خداوندی ہے، اور یہ معیار ہے جس کو سند ماننا ضروری ہے۔ جن لوگوں کا حال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ وہ بھی آپ کے اتباع کے حوالے سے معیار قرار پاگئے ہیں۔ قیامت کو قریب ماننا بھلے لوگوں کی طریقت ہے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿١٨﴾

جو اس کے لئے تعجیل کرتے ہیں وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈر رہے ہیں اور علم رکھتے ہیں کہ وہ حق ہے۔ سن لو جو لوگ ساعت میں شک کرتے ہیں، وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

اللہ کا عذاب مجرموں پر دن کو بھی آسکتا ہے، رات کو بھی آسکتا ہے، اور یہ اس عذاب سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکیں گے، پھر یہ اس کے لئے جلدی کیوں مچا رہے ہیں۔ قیامت جب واقع ہوگی، تو یہ اس پر ایمان لائیں گے۔ اس وقت فرمایا جائے گا، اب تم مان رہے ہو اور پہلے تو اس کے لئے جلدی مچاتے تھے۔ اِس وقت کا ماننا نافع نہیں ہو گا، کہ ماننے کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت پیش نہیں کی جاسکے گی۔ قیامت پر یقین رکھنے والے اس سے ڈر رہے ہیں، کہ وہ کلّی جزا کا دن ہے، اور اللہ ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا دے گا۔ جس معیار کے حوالے سے حسنِ عمل کو دیکھا جائے گا، وہ اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے، ہمیشہ اس پر نظر رکھنی چاہئے، اور حق کی ادائیگی کے باوجود کہنا یہی چاہئے : یا اللہ العالمین ہمارے اعمال کی طرف نہ دیکھیو اپنے کرم کی طرف دیکھیو۔ جو لوگ قیامت کے بارے میں شک رکھتے ہیں، وہ اصلاحِ حال کی طرف آتے ہی نہیں۔ وہ جو بھی کریں اور جس عنوان سے بھی کریں، اس کی حقیقت دور کی گمراہی ہی ہے۔ اگر ساتھ دور کی گمراہی والوں کا ہو گا، تو نتیجہ اس کا خسارہ ہی ہو گا۔

حاصل : قیامت کے لئے جلدی مچانے والوں کی سوچ درست نہیں ہوتی، قیامت کو ماننے والوں کی سوچ درست ہوتی ہے۔ قیامت کا یقین بندے کے اعمال میں نظر آنا چاہئے۔ قیامت میں شک کرنے والے دور کی گمراہی میں ہوتے ہیں۔ فلاح چاہنے والوں کو ان سے دور رہنا چاہئے۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ⑲

اللہ اپنے بندوں پر لطف و کرم فرماتا ہے، رزق عطا فرماتا ہے جسے چاہے۔ اور وہی قوت والا عزت والا ہے۔

بندے کی ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا اللہ ہی ہے۔ وہ جو بھی عطا فرماتا ہے، اپنے علم سے عطا فرماتا ہے۔ بندہ اپنی خواہشات کے دائرے سے نکلے تو اسے اللہ کا لطف و کرم نظر آتا ہے۔ اللہ جس کے رزق میں چاہے بسط عطا فرماتا ہے، جس کے رزق کو تنگ کرنا چاہے اسے تنگ کر دیتا ہے۔ اللہ کی قوت کسی کی عطا کردہ نہیں ہے باقی ہر قوت اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ کی عزت کسی کی بدولت نہیں ہے باقی سب کی عزت اللہ کی بدولت ہے۔

حاصل : بندہ اپنی خواہشات کے دائرے سے نکلے تو اسے اللہ کا لطف و کرم نظر آتا ہے۔ اللہ ہی رزق میں بسط دیتا ہے۔ وہی قوت والا ہے، وہی عزت والا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشوریٰ (42) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ۝٢٤

اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے حق کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ⑳

جو آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی کو زیادہ کرتے ہیں، اور جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اسے اس میں سے کچھ دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

رزق اللہ سب کو دیتا ہے، کہ یہ اس کی شان ہے۔ جو صاحب آخرت کا یقین رکھتے ہوئے اس رزق کو تصرّف میں لاتے ہیں، ان کی صداقت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ اس صداقت کی وجہ سے ان کے رزق میں برکت ہو جاتی ہے۔ کسی مقام پر عطاء الٰہی میں کمی نظر نہیں آتی۔ جو لوگ آخرت کے عدم یقین کے ساتھ رزق کو تصرّف میں لاتے ہیں ان کا رخ درست نہیں ہوتا۔ گزر بسر تو ان کی ہوتی ہے مگر تنگی کا احساس مسلسل رہتا ہے۔ معطیٔ مطلق کو ماننے کی بجائے وہ عطا کو اپنے علم کی بدولت جانتے ہیں، اور اسے اپنی پسند کے علاوہ کسی مقام پر خرچ نہیں کرتے۔ آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہ ہو گا۔

حاصل : آخرت پر یقین رکھنے والوں کا رخ درست ہوتا ہے، آخرت کا انکار کرنے والوں کا رخ درست نہیں ہوتا، اور حق کو ماننے والے اور نہ ماننے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢١﴾

یا ان کے لئے شرکاء ہیں، جنہوں نے ان کے لئے دین کی شرع رکھی ہے جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔ اور اگر فیصلے کا کلمہ ہو نہ چکا ہوتا، تو ضرور ان کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا، اور بے شک ظالمین کے لئے المناک عذاب ہے۔

منکرینِ حق کے دین کی حقیقت ان پر واضح فرمائی گئی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ کافروں کے دین کی اساس کیا ہے۔ کیا ان کے معبودوں نے ان کے لئے یہ دین بنا دیا ہے جو ان کا طریقِ زندگی ہے۔ اگر یہ اس بات کا جواب ہاں میں دیں تو ان پر واضح کر دیا جائے کہ اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ ہو ہی نہیں سکتا، اور اللہ نے اس کا اذن دیا ہی نہیں۔ اللہ کا بھیجا ہوا دین اسلام ہی ہے، اور وہ ایک ہی ہے۔ ماضی میں بھی وہی تھا، حال پر بھی وہی ہے، مستقبل میں بھی وہی ہو گا۔ اللہ نے اجل مسمّٰی تک مہلت دے رکھی ہے۔ یہ اللہ کا کلمہ ہے، اور اللہ کے کلمات بدلتے نہیں، ورنہ اللہ کے لئے منکرین کو سزا دینا کسی تیاری کا تقاضا نہیں کرتا، اللہ کو حکم کرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کا انجام المناک عذاب ہی ہو گا۔

حاصل : امکانات کا ذکر کر کے ان پر غور کرنا صحیح نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ اللہ نے اجلِ مسمّٰی تک مہلت دے رکھی ہے، اس لئے ظالموں کو فوراً سزا نہیں دی جاتی۔ اللہ کے کلمات بدلتے نہیں۔ ظالموں کا انجام المناک عذاب ہی ہو گا۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾

تم ظالمین کو دیکھو گے کہ وہ اپنے کسبوں کے وبال سے سہمے ہوئے ہوں گے، اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے وہ جنتوں کے باغیچوں میں ہوں گے۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس ہے جو وہ چاہیں۔ فضلِ کبیر یہی ہے۔

آخرت کا انکار کرنے والے، آخرت کے ظہور کو دیکھ کر اپنے کسبوں کے وبال سے سہم جائیں گے۔ اور ان کے

کسبوں کا وبال تو ان پر پڑے گا، وہ اس سے بچ نہیں سکیں گے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ صالح اعمال کی شہادت سے اپنی صداقت کا ثبوت دیا، وہ خدائی مہمان ہوں گے، جنّتوں میں ہوں گے، اور ان کے لئے راحت کا وہ اہتمام ہو گا جو میزبان کی شان کے لائق ہے۔ اپنی پسند کو اللہ کی رضا پر قربان کرنے والوں کو یہ انعام ملے گا کہ جو وہ چاہیں گے اللہ اس سے ان کو نوازے گا، اور اللہ کا کسی سے اس درجے راضی ہو جانا اللہ کا بڑا فضل ہے۔

حاصل : آخرت کا انکار کرنے والے، قیامت کے دن اپنے کسبوں کے وبال سے سہمے ہوئے ہوں گے، اور وہ وبال ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال سے اپنی صداقت کا ثبوت دیا وہ خدائی مہمان ہوں گے، رضاء الٰہی انہیں حاصل ہوگی۔ رضاء الٰہی کا حصول، اللہ کا فضلِ کبیر ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

یہ ہے وہ مقام جس کی اللہ اپنے بندوں کو بشارت دیتا ہے، جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے۔ آپ فرما دیجئے میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر قربیٰ سے محبّت۔ اور جو احسن کمائی کرے گا ہم اس کے حُسن کو زیادہ کریں گے۔ بے شک اللہ بخشنے والا، قدر کرنے والا ہے۔

فضل کبیر کی بشارت انہی لوگوں کے لئے ہے، جو ایمان لاتے ہیں اور صالح اعمال سے اپنے ایمان کو سچا ثابت کرتے ہیں۔ انبیاء کرام اپنے اپنے حال پر حکمِ الٰہی سے یہ فرماتے رہے ہیں کہ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو ربّ العالمین پر ہے۔ جو کام اللہ کے لئے کیا جائے اس کا اجر اللہ ہی دے سکتا ہے، اور دین تو ہے ہی خالصتاً اللہ کے لئے۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک راہ حق کو روشن کرنے کے لئے یہ فرمایا ہے، کہ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، مگر قربیٰ سے محبت۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا مگر جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔ قربیٰ وہ حضرات ہیں، جو آپ کا اتباع کرتے ہیں اور جن کے لئے فضلِ کبیر کی بشارت ہے۔ یہ حضور سے محبت رکھنے والے لوگ ہیں اور اسی محبت سے سرشار رہتے ہیں۔ یہ ناصحین ہیں جن کی محبت سے راہِ راست نصیب ہوتا ہے۔ جس کو بھی خیر کے رخ کی طلب ہوگی، اس کی کمائی احسن ہوگی۔ جس کی کمائی احسن ہوگی، اس کے حسنِ عمل کو بڑھانا اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ اس کی سابقہ کوتاہیوں کو بخش دینا بھی اللہ کی سنّت ہے، اور اس کی قدر کرنا بھی اللہ کی سنّت ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں، ان کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین سے کوئی دوستی نہیں ہوتی، چاہے وہ ان کے باپ، بیٹے بھائی یا کنبے والے ہوں۔

حاصل : ایمان کی تصدیق صالح اعمال سے ہوتی ہے۔ مودۃ فی القربیٰ سے اللہ کی راہ ملتی ہے۔ جو احسن کمائی کرے گا، اس کے حسنِ عمل کو بڑھانا اللہ کا وعدہ ہے۔ اس کی سابقہ کوتاہیوں کو بخش دینا اور اس کی قدر کرنا اللہ کی سنت ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٤﴾

یا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھا ہے۔ تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر مہر کر دے۔ اور اللہ اپنے کلمات سے باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو حق کرتا ہے، بے شک وہ سینوں کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔

جو لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں، ان پر دعوتِ حق بہت گراں ہوتی ہے۔ وہ لوگ حق کو سنتے تو ہیں، اور حق پہنچانے والے کو دیکھتے بھی ہیں، اور وہ ماضی کے حوالے سے نہ حق کو جھٹلا سکتے ہیں نہ حق پہنچانے والے کو جھٹلا سکتے ہیں۔ پھر وہ یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ انہیں سنایا جا رہا ہے، یہ اللہ کا فرمان نہیں ہے، یہ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھا گیا ہے۔ اس بات کی نفی کرتے ہوئے بتایا گیا ہے، کہ اللہ کی قدرت کا احاطہ تو ہر جگہ ہے۔ اگر یہ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھا گیا ہے تو اس کو روک دینا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اپنے کلمات سے باطل کو مٹاتا ہے، اور حق کو حق کرتا ہے۔ اس سے کوئی خلوت مخفی نہیں ہے۔ وہ نیتوں کو بھی جانتا ہے، اور عملوں کو بھی جانتا ہے۔ قرآنِ پاک سے نصیحت تو وہی لے سکتا ہے جو سمجھنے والا دل رکھتا ہو، کان لگا کر سنے، اور حاضر رہے۔ جب حق آجاتا ہے تو باطل مٹ جایا کرتا ہے اور باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ مٹ کیا رہا ہے، اور روشن کیا ہو رہا ہے۔ جو مٹ رہا ہے وہ باطل ہے، جو روشن ہو رہا ہے وہ حق ہے۔

حاصل : بے سند بات نہیں کرنی چاہئے۔ اللہ پر کذب سے افتریٰ باندھنے والے کی توفیق کو سلب کرنا اللہ کا کام ہے اور اس میں دیر نہیں لگتی۔ اللہ اپنے کلمات سے باطل کو مٹاتا ہے، اور حق کو حق کرتا ہے۔ اللہ نیتوں کو بھی جانتا ہے، اعمال کو بھی جانتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾

اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور برائیوں سے عفو فرماتا ہے، اور علم رکھتا ہے جو فعل تم کرتے ہو۔

جو جہالت سے خلافِ حق کر بیٹھے، پھر اسے اپنے کئے کا انجام بصورتِ خسارہ نظر آئے، تو وہ بندہ توبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

اپنی رحمت سے اس پر توجہ فرماتا ہے، اس کی توبہ قبول کرتا ہے، اس کی بُرائیوں سے درگزر کرتا ہے۔ بندے کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس کی نیت بھی اللہ کے علم میں ہے، اس کا کام بھی اللہ کے سامنے ہے۔ اسی یقین سے بندہ اپنی حفاظت کر سکتا ہے۔

حاصل : خطا کے بعد بندے کی توبہ کو قبول کرنا اللہ کی شان ہے۔ جس کی توبہ قبول ہو جائے اس کے ماضی کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس سے درگزر کرنا قطعاً ضروری ہے کہ یہی اللہ کی سنت ہے۔ ہمیں اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾

اور قبولیت انہیں بخشتا ہے جو ایمان لائے اور صالح عمل کئے، اور انہیں اپنے فضل سے مزید نوازتا ہے۔ اور کافروں کے لئے شدید عذاب ہے۔

جس کی دعا یہ ہو کہ یا اللہ مجھے خلوت میں اپنے ساتھ پاک رکھیو، اور جلوت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پاک رکھیو، اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ وہ اپنے ایمان کو صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت کرتا ہے۔ اللہ اسے اپنے فضل سے مزید نوازتا ہے۔ جہاں عطاء الٰہی کو رضائے الٰہی کے مطابق تصرف میں لایا جائے، وہاں عطاء الٰہی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ خلافِ حق کرنے والے جس انجام کو پہنچیں گے وہ شدید عذاب ہے۔ توبہ کرنے والے اور توبہ نہ کرنے والے مساوی نہیں ہوتے۔

حاصل : جن کی توبہ قبول ہوتی ہے، وہ ایمان والے ہوتے ہیں اور صالح اعمال والے ہوتے ہیں۔ ان کو اللہ اپنے فضل سے مزید نوازتا ہے۔ خلاف حق کرنے کا انجام شدید عذاب ہی ہو گا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾

اور اگر اللہ اپنے سب بندوں کے رزق میں بسط فرما دیتا ضرور زمین میں بغاوت کرتے، ولیکن وہ جس قدر چاہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، اس میں بڑی حکمت ہے۔ لین دین ہو گا، تو عملاً حق ادا ہو گا۔

دینے والا اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے محسنین کی طریقت کے مطابق دے گا اور نادار مقام صبر پر رہتے ہوئے پورا رہے گا، اور جب عطاء الٰہی کا مقام آئے گا تو اس میں اپنی انا کو حائل نہیں ہونے دے گا۔ اگر سبھی لوگوں کو رزق میں بسط نصیب ہو جاتی تو وہ من مانی کرتے ہوئے زمین میں فساد برپا کر دیتے۔ اللہ جس قدر چاہے دیتا ہے۔ اس کا دینا بڑے علم سے ہوتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی جس قدر خبر رکھتا ہے، کسی دوسرے کو اس کا دعویٰ ہی زیب نہیں دیتا۔ وہ اپنے بندوں کو ہر مقام پر دیکھتا ہے، اور اس سے بڑا کوئی عطا کرنے والا ہے ہی نہیں۔

حاصل : اللہ کے کاموں میں بڑی حکمت ہوتی ہے۔ رزق میں بسط کو باذن اللہ جانا جائے تو توازن درست رہتا ہے۔ عطاء الٰہی بڑے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ کو ہر حال میں ہماری خبر ہوتی ہے وہ ہمیں ہر حال میں دیکھتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾

اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے جب وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے، اور وہی ہے کارساز حمد کیا ہوا۔

انسان جلد باز ہے۔ بارش کی ضرورت کا احساس اسے بے چین کر دیتا ہے اور وہ ناامیدی کی حد پر پہنچ جاتا ہے۔ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، انھیں ہر حال میں دیکھنے والا ان کی ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ وہ اپنے علم سے بارش برساتا ہے۔ بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، اور یوں اللہ اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔ کام اللہ کے علم سے بنتا ہے کہ وہی کارساز ہے، اس کی حمد کائنات میں جاری رہتی ہے۔

حاصل : بارش برسانا اللہ کا کام ہے۔ انسان جلد بازی کی وجہ سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ اللہ اپنی رحمت کو اپنے علم سے پھیلاتا ہے۔ اللہ کارساز ہے۔ کائنات میں اس کی حمد جاری رہتی ہے۔ ہمیں اللہ کی حکمت پر نظر رکھنی چاہئے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ ع

اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور جو چلنے والے ان میں پھیلائے، اور وہ جب چاہے ان کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

آسمانوں اور زمین میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تمہاری تخلیق میں اور جو جانور وہ پھیلاتا ہے،

ان میں یقین کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے مقابل انسان کو دوبارہ پیدا کرنا بڑا کام نہیں ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں، اور جو کوئی زمین میں ہے چلنے والا، اور ملائکہ اور وہ استکبار نہیں کرتے۔ بعض جاندار فضا میں اڑتے بھی ہیں، اور زمین پر چلتے بھی ہیں۔ اللہ نے کسی شے کو بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ ان جانداروں کو پھیلایا بھی اللہ نے ہے، اور بڑی حکمت سے ان کو پھیلایا گیا ہے۔ ان کو پھیلانے والا، ان کو جب چاہے سمیٹنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ بندہ اپنے مشاہدات کے حوالے سے یہ مان لے کہ بعث بعدالموت ضرور ہوگی، تو پھر جزا کا یقین اس کے اعمال میں نظر آنا چاہئے۔

حاصل : اللہ کی نشانیوں پر ایمان لانا چاہئے، اپنے مقصدِ تخلیق پر نظر کرنی چاہئے، اور اللہ کی قدرت کو ماننا ہمارے اعمال میں نظر آنا چاہئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (7) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾

اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑا کر اور خفیہ، بے شک اسے حد سے بڑھنے والے پسند نہیں۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾

اور تمہیں جو مصیبت پہنچے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کسب کے سبب سے ہوتی ہے اور کثیر سے تو وہ عفو ہی فرماتا ہے۔

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ کو پکارتا ہے۔ پھر جب اسے کوئی نعمت بخش دی جاتی ہے تو کہتا ہے یہ تو مجھے میرے علم کی بدولت ملی ہے، اور وہ نعمت اس کے لئے فتنہ ہوتی ہے۔ اس نعمت کے استعمال کے حوالے سے انسان کو دیکھا جاتا ہے، کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں پر ان کے کسبوں کی بُرائیاں پڑتی رہی ہیں اور پڑتی رہیں گی، اور قادر مطلق کو عاجز کرنے والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ بندے کو اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت معلوم ہو جائے تو پھر حق کو مان لینا اس کے لئے آسان ہو جانا چاہئے۔ اللہ لوگوں کو ان کے ظلم پر فوراً پکڑتا، تو زمین میں ظالم ناپید ہو جاتے، مگر وہ مہلت دیتا ہے، اپنے علم سے اتمامِ حجت کرتا ہے، اور بہت سی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔ مخلصین پر مصائب کا مقام اس طرح آتا ہے کہ وہ مشکل حالات میں اپنے ساتھیوں کو پورا رہ کر دکھاتے ہیں۔ حق کی احسن ادائیگی ہی پیچھے آنے والوں کے لئے راستے کو روشن کرتی ہے۔ مصائب کو باذنِ اللہ مانا جائے، تو یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید علم عطا ہونے والا ہے، مزید انعامات ملنے والے ہیں۔

حاصل : اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہئے۔ ناقص اعمال سے تائب ہونا ہی ہمارے فکر کے درست ہونے کا ثبوت ہے۔ جس طرح اللہ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرماتا رہتا ہے، ہمیں بھی لوگوں کے ساتھ اپنے حوالے سے درگزر کرتا چاہئے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾

اور تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی دوست ہو گا اور نہ نصرت دینے والا۔

منکرینِ حق سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہارا اپنا مشاہدہ یہی ہے کہ تم اللہ کی قدرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ اللہ کے مقابل نہ تم سے کوئی دوستی کرنے والا ہوتا ہے، نہ تمہاری مدد کرنا کسی کے بس میں ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی یہی حال ہو گا۔ کافروں کو یہ کبھی نہیں سوچنا چاہئے کہ وہ اللہ کے دستِ قدرت سے کہیں بچ کر بھاگ جائیں گے۔ ان کا ٹھکانا تو آگ ہی ہو گا۔ ظالموں پر ان کے کسبوں کی برائیاں خود پڑیں گی۔ اللہ کے مقابل والے کبھی اللہ کے دوست نہیں ہوتے، اور اللہ کے دوست کبھی اللہ کے مقابل والے نہیں ہوتے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر ہے۔ منکرینِ حق کبھی اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں جاسکتے۔ گرفت میں آجانے کے بعد نہ ان سے دوستی کسی کے بس میں ہوگی، نہ ان کی مدد کسی کے بس میں ہوگی۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ؕ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں بحر میں چلنے والیاں جیسے پہاڑ۔

کشتیوں کو اللہ کی نشانی فرمایا گیا ہے۔ بڑی بڑی کشتیاں سمندر میں پہاڑ معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے ارکان اللہ کے پیدا کردہ ہیں، بنانے والے ہاتھ بھی اللہ کے پیدا کردہ ہیں، جس پانی پر وہ تیرتی ہیں وہ بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے۔ ایک ایک رکن کو دیکھا جائے، اللہ ہی اس کا خالق ہے۔ انسانی خدمت میں کشتیوں کی اہمیت واضح ہے۔ جس کی قدرت سے انسان کو فائدہ پہنچ رہا ہے، اس کو ماننا بندگی ہے۔ ان بڑی بڑی کشتیوں کو ناقابلِ تسخیر جاننا درست نہیں ہو گا، کہ ان کشتیوں اور جہازوں کو غرق کر دینا اللہ کے لئے آسان ہے۔

حاصل : کشتیوں کو دیکھنا چاہئے کہ یہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں۔ اللہ نے ہمارے لئے جو کچھ بنایا ہے، اس سے استفادہ کرتے ہوئے، اللہ کا شکریہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ۙ

وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے، تو اس کی پیٹھ پر ٹھہری رہ جائیں۔ بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے کے لئے، شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔

ہواؤں کی گردش میں عقل مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ بادبانی کشتیاں اور جہاز تو چلتے ہی ہوا کے زور پر ہیں۔ دخانی کشتیوں اور جہازوں میں بھی ہوا کے چلنے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہوا کے چلنے سے ہی کشتیاں ساحلِ مراد پر پہنچتی ہیں۔ اگر ہوا کو چلانے والا ہی اسے ساکن کر دے تو پھر ہوا کو چلانا کسی کے بس میں نہیں ہو گا. اور کشتیاں اور جہاز جہاں ہوں گے وہیں پانی پر کھڑے رہ جائیں گے۔ کشتیوں کو پانی پر چلتے دیکھنے میں یہ نشانیاں ہیں کہ حالات اللہ کی مہربانی سے ہی سازگار ہوتے ہیں. اور ان کے ساحلِ مراد پر پہنچنے میں یہ نشانیاں ہیں کہ اللہ ہی انہیں ساحلِ مراد پر پہنچاتا ہے۔

حاصل : ہماری حرکات اللہ کی مہربانی سے ہی ہو رہی ہوتی ہیں۔ اس طرف نظر جائے تو صبر کرنے کا علم حاصل ہوتا ہے اور حالاتِ کار کو سازگار بنانے والے کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣٤﴾

یا انہیں ان کے کسبوں کے سبب تباہ کر دے، اور کثیر سے عفو فرمائے۔

کشتیوں کو ساکن کر دینا بھی اللہ کی قدرت میں ہے۔ انہیں مسافروں کے بُرے اعمال کی پاداش میں تباہ کر دینا بھی اللہ کی قدرت میں ہے. اور ان سے در گزر کرنا بھی اللہ کی قدرت میں ہے کہ وہ ساحل مراد کو پہنچ جائیں۔ حضرتِ انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی کشتی اللہ کی مہربانی سے ہی چلتی جا رہی ہے۔ اللہ کے لئے انسان کے ناقص اعمال کی بدولت اس کی کشتی کو تباہ کرنا بڑا کام تو ہے ہی نہیں۔ اس کی شان ہے کہ وہ بہت سی باتوں سے در گزر ہی فرماتا ہے۔ اس طرح ساحل مراد پر پہنچنے والوں کو اللہ کی مہربانی کا بالکل واضح احساس ہونا چاہئے۔ اپنی حسن کارکردگی کا ذکر اللہ کی مہربانی کے ذکر کے بغیر ہو تو وہ یقیناً ناسپاسی ہو گی۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والوں کی کشتی کی تباہی ان کے برے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خلافِ حق کرنے والوں کی بہت سی باتوں سے در گزر ہی کرتا ہے. کہ اتمامِ حجت کرنا اللہ کی شان ہے۔

وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا ۖ مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ﴿٣٥﴾

اور ان لوگوں کو جو ہماری آیات میں جھگڑا کرتے ہیں معلوم ہو کہ ان کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔

جو لوگ خلافِ حق کرتے کرتے عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو برباد کر لیتے ہیں، ان پر ایک وقت آئے گا، جب عذابِ الٰہی کے بارے میں ان کا یقین یہ ہو گا، برابر ہے ہم بے قراری کریں یا صبر سے رہیں ہمیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اللہ کی نشانیوں کے ساتھ جھگڑا کرنے والے اگر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ من مانی کرنے کے لئے پیدا کیے گئے ہیں، انہیں جو توفیق دی گئی ہے اس

کے بارے میں ان سے کوئی پوچھ نہیں ہو گی اور مسلم و مجرم کو اللہ برابر ٹھہرا دے گا، تو یہ قطعاً درست نہیں۔ حق کا انکار کرنے والے جان لیں، جزا دینے والے قادرِ مطلق سے بھاگ کر کہیں پناہ نہیں لی جا سکتی، کہ اس کی قدرت کا احاطہ ہر مقام پر موجود ہے۔

حاصل : جزا کا یقین ہو تو اللہ کی آیات میں جھگڑنے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے، اور جزا کا یقین نہ رکھنے والے جزا سے بچ تو نہیں سکیں گے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾

سو تمہیں جو شے بھی عطا ہوئی ہے وہ متاعِ حیاتِ دنیا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والی ہے، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔

متاعِ حیاتِ دنیا بھی اللہ ہی عطا کرتا ہے، اور یہ دیکھنے کے لئے عطا کرتا ہے کہ اس کو کیسے استعمال کیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس عطا کو حق کے مطابق استعمال کرتے ہیں انہیں حیاتِ آخرت میں بڑے انعامات سے نوازا جائے گا، کہ ان کے ایمان اور توکّل کی بدولت انہیں بڑا اور دائمی اجر ملے گا۔ جو لوگ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو پھلانگ جاتے ہیں، ملتا ان کو بھی وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے، مگر وہ آخرت کے انکار کی وجہ سے حیاتِ دنیا میں خوف و حزن کے دائرے میں گھرے رہتے ہیں، آخرت کا عذاب تو اشد ہو گا۔

حاصل : متاعِ حیاتِ دنیا ہی سب کچھ نہیں ہے۔ قیامت کے دن ایمان والے لوگوں کو جو اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں، بڑے اور دائمی انعامات سے نوازا جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

اور وہ جو کبیرہ گناہوں اور فواحش سے اجتناب کرتے ہیں، اور غضبناک ہو جائیں تو بخش دیتے ہیں۔

جن لوگوں کو بڑے اور دائمی انعامات سے نوازا جائے گا، ان کی مزید صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہ لوگ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں، اور فواحش سے بچتے ہیں اور کبھی غضب ناک ہو جائیں تو اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھتے ہوئے قصوروار کا قصور بخش دیتے ہیں۔ جس گناہ کی حقیقت کبر و نخوت ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ جس گناہ کی حقیقت خواہشِ نفس کا اتباع ہو وہ فواحش کے زمرے میں آتا ہے۔ ان باتوں سے بچنا چاہئے جو کبر و نخوت کی طرف لے جاتی ہیں اور فواحش کی طرف لے جاتی ہیں۔ غضب ناک ہونے کا

مقام اپنی حق تلفی سے تعلق رکھتا ہے، ایسے ہی قصوروار کو بخشا جا سکتا ہے۔ مظلوم کی مدد کرتے وقت یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مدد کرنے والے کو حق کے مطابق مدد کرنی ہوتی ہے مگر وہ کچھ بخش دینے کا حق نہیں رکھتا۔ بخش دینے کا حق تو اسی کو حاصل ہوتا ہے جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو۔

حاصل : اگر ہم کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں، فواحش سے بچتے ہیں اور غصے کی حالت میں اپنے مخالف کو معاف کر دیتے ہیں، تو ہمارا انجام یقیناً اچھا ہو گا۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور وہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم کی، اور جن کے کام باہم مشورے سے ہوتے ہیں اور وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

انعام یافتہ حضرات کی صفات بیان کرنے کا منشاء یہ ہے کہ حال پر اپنے انجام کو دیکھ لیا جائے، اگر رخ درست ہو تو اللہ کا شکر ادا کیا جائے ورنہ اصلاح کو قبول کرنے میں دیر نہ کی جائے۔ بھلے لوگوں کی طریقت یہی ہے کہ جب انہیں اپنے رب کا حکم معلوم ہو جاتا ہے، تو وہ اس حکم کو ادب سے مان لیتے ہیں۔ اپنی پسند ان کے راستے میں حائل نہیں ہوتی۔ وہ حکم کو ماننے کے ساتھ نماز بھی پڑھتے ہیں اور پاکیزگی کے عہد پر قائم بھی رہتے ہیں۔ ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں۔ مشورہ امانت ہوتا ہے، جب طلب کیا جائے تو اس امانت کی ادائیگی میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ مشورے کا حق ادا کرتے ہوئے کچھ چھپا کر رکھنا درست نہیں ہوتا۔ مشورہ دینے والے جتنے بھی ہوں فیصلہ تو ایک ہی ہوتا ہے اور فیصلہ کرنے کا حق بھی ایک کو ہی ہوتا ہے۔ اجتماعی فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے لئے الگ راستہ اختیار کرنا جماعت کو کمزور کر دیتا ہے۔ جو رزق اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حاصل ہو وہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے اور وہی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل ہے۔

حاصل : اپنے رب کا حکم ماننا چاہیئے، نماز قائم کرنی چاہیئے، مخلصین کے مشورے سے کام کرنا چاہیئے، اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور وہ لوگ اپنے ساتھ زیادتی ہونے کی صورت میں نصرت طلب کرتے ہیں۔

زیادتی فرد کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے، جماعت کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔ بھلے لوگوں کا طریقہ یہی ہے کہ جب ان کے ساتھ زیادتی ہو جائے، تو وہ اللہ سے ڈرنے والے لوگوں کی مدد طلب کریں، تاکہ حق واضح ہو، اور زیادتی کا بدلہ باہمی مشورے سے طے پائے۔ منشاء قطعاً یہی ہونا چاہیئے، کہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو مانا جائے۔

حاصل : اپنے ساتھ زیادتی ہو جائے تو اللہ سے ڈرنے والوں کی مدد طلب کرنی چاہئے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾

اور برائی کی جزا اسی کی مثل ہے۔ تو جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

زیادتی ہی برائی ہے۔ اس کا تعین اللہ سے ڈرنے والے لوگ کرتے ہیں۔ جب یہ تعین ہو جائے کہ زیادتی کیا ہوئی ہے، تو اس کی جزا کا تعین بھی ہو جاتا ہے۔ معاف کرنے کا حق اسی کو حاصل ہوتا ہے، جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو، اور جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو وہ اپنے حق سے ایک حد تک دست بردار ہو جائے اور اس کا منشاء اصلاح ہو، تو یقیناً اسے اللہ کی رضا ہی مقصود ہوتی ہے۔ ایسے صاحب کا اجر اللہ پر ہے۔ جو اللہ سے حساب نہ کرے، اللہ بھی اس کے ساتھ حساب نہیں کرتا۔ جن لوگوں کی بات حق کے علاوہ کسی دوسرے حوالے سے ہو وہ ظالم ہوتے ہیں اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

حاصل : برائی کا تعین کرنا اللہ سے ڈرنے والے لوگوں کا کام ہے، تاکہ بدلہ لیتے وقت اس کی مثل سے تجاوز نہ ہو۔ معاف کرنے کا حق اسی کو حاصل ہوتا ہے جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو۔ جو صاحب معاف کر دے اور اپنے حق سے ایک حد تک دست بردار ہو جائے اور اس کا منشاء اصلاح ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ حق کے علاوہ کسی دوسرے حوالے سے بات کرنے والے ظالم ہوتے ہیں اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾

اور جس نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد مدد طلب کی، تو ایسے لوگوں پر کوئی راہ نہیں۔

مظلوم اپنی حق تلفی کا بدلہ لے سکتا ہے۔ وہ اگر حق کے ماننے والوں سے مدد طلب کرے اور وہ مظلوم کی مدد کرتے ہوئے اسے ظالم سے اس کا حق چھین کر لے دیں، تو ایسے لوگوں پر الزام رکھنا یا ان کے کردار کو منفی کہنا قطعاً درست نہیں ہو گا۔

حاصل : مظلوم پر کتنا ظلم ہوا ہے اور اس کی حق تلفی کا بدلہ کیا ہے، مدد کرنے والوں کو پہلے اس کا تعین کر لینا چاہئے تاکہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کر جائیں۔

اِنَّمَا السَّبِیۡلُ عَلَی الَّذِیۡنَ یَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ وَیَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۴۲﴾

راہ تو انہی پر ہے، جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے المناک عذاب ہے۔

جو لوگ بدلہ لیتے وقت اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، وہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور زمین میں اللہ کے بھیجے ہوئے حق کے مقابل اپنی پسند کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ زمین میں ناحق سرکشی ہے۔ ان لوگوں کو ان کے کیے کی جزا المناک عذاب کی صورت میں دی جائے گی۔

حاصل : وہ لوگ یقیناً قابلِ مذمت ہیں، جو بدلہ لیتے وقت اللہ کی مقرر کردہ حدود کا دھیان نہیں رکھتے، اور ظلم کو مٹانے کی کوشش میں ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا المناک عذاب کی صورت میں دی جائے گی۔

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۳﴾

اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا، تو بے شک یہ بڑے عزم کے کام ہیں۔

جس پر ظلم ہو وہ بدلہ لے سکتا ہے۔ بدلہ لینے کے لئے جن حدود کا تعین فرمادیا گیا ہے، ان کا احترام ضروری ہے۔ دکھ کو باذن اللہ جان کر صبر کیا جائے، اور ظلم کرنے والے کو بخش دیا جائے، تو یہ یقیناً بڑے عزم کے کام ہیں۔ بدلہ لینے میں جس کو اپنی عزت بڑھتی ہوئی نظر آئے وہ اربابِ عزیمت میں سے نہیں ہے۔ عزت تو اللہ کی ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اور مومنین کی ہے۔ جو مومن ہونے کے علاوہ عزت کو کسی اور مقام پر تلاش کرتا رہے، وہ کبھی عزت والا نہیں ہو سکے گا۔

حاصل : ظلم کا بدلہ لیتے وقت حدود اللہ کا احترام لازم ہے۔ دکھ کو باذن اللہ جان کر صبر کیا جائے اور زیادتی کرنے والے کو بخش دیا جائے تو یہ بڑے عزم کے کام ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (10) میں ارشاد فرمایا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ ۙ مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫ ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ فَنُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾

اے لوگو تمہاری سرکشی تمہارے ہی نفسوں پر پڑے گی، متاعِ حیاتِ دنیا برت لو، پھر تمہیں ہماری ہی طرف مراجعت کرنا ہے، تو ہم تمہیں بتادیں گے جو عمل تم کرتے تھے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۴

اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اس کے لئے اس کے بعد کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ اور تم ظالمین کو دیکھو گے کہ جب وہ عذاب کے سامنے آئیں گے، تو کہیں گے، کیا واپسی کی بھی کوئی سبیل ہے۔

جو اللہ کے دوست کو دوست نہ بنائے اللہ اس کو گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو حق کے مقابل اپنی پسند زیادہ قابلِ قدر نظر آئے اس فاسق کا گمراہ ہونا لازم ہے۔ اللہ کے مقابل گمراہ کی مدد کرنے کا مقام کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ خلافِ حق کرنے والے ظالم ہیں۔ جب یہ اپنے انجام کو پہنچیں گے جو عذابِ الٰہی ہے تو یہ کہیں گے، کیا واپسی کی بھی کوئی سبیل ہے۔ اس وقت عمل کے لئے دی گئی توفیق اور مہلت کے خلافِ حق استعمال کرنے کا انہیں بڑا ملال ہو گا، اور وہ چاہیں گے کہ اگر انہیں کسی طرح کچھ توفیق اور کچھ مہلت مل جائے تو وہ حق کے مطابق زندگی گزار کر اللہ کے دربار میں پیش ہوں۔ مگر دارِ عمل ختم ہو چکا ہو گا، اب واپسی کی کوئی سبیل نہیں ہو گی۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کو ہدایت ہوتی ہے۔ فاسق کے لئے اللہ نے گمراہی لازم کر رکھی ہے۔ جسے اللہ گمراہ کر دے تو اس کی مدد کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ ظالم عذابِ الٰہی کو سامنے پا کر واپسی کی سبیل کے بارے میں پوچھیں گے اور حق پہنچانے والے صاحب کو اس کا مشاہدہ کرایا جائے گا۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝۴۵

اور تم انہیں دیکھو گے کہ اس پر پیش کئے جانے پر ذلت سے جھکے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوں گے۔ اور ایمان والے کہیں گے، بے شک خسارے والے وہی لوگ ہیں، جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو گھاٹا دیا۔ سن لو بے شک ظالمین عذابِ مقیم میں ہیں۔

حال پر جزا کا انکار کرنے والوں کو جب جہنم کے سامنے لایا جائے گا، تو فرمایا جائے گا یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہیں وعدہ دیا

جاتا تھا۔ منکرین کے سر اس وقت ندامت سے جھکے ہوئے ہوں گے۔ وہ جہنم کو سیدھی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکیں گے، کن انکھیوں سے دیکھیں گے۔ اور جن ایمان والوں کا حیات دنیا میں یہ لوگ مذاق اڑاتے رہے ہوں گے، وہ ان کو دیکھ کر کہیں گے : بے شک حیاتِ دنیا میں وسیع المال نہ ہونا اور عسرت کے کچھ دن گزارنا خسارہ نہیں تھا۔ خسارہ تو یہ ہے، کہ جو لوگ حق کا مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ آج خود بھی گھاٹے میں ہیں اور ان کے ساتھی بھی گھاٹے میں ہیں۔ خلافِ حق کرنے والوں نے وقتی خوشی کے حصول کے لئے دائمی عذاب کو اپنے لئے مقدر کر لیا ہے، اب یہ عذاب ان پر قائم رہے گا۔

حاصل : جزا سے غافل لوگ، جزا کو سامنے پا کر ذلت سے جھک جاتے ہیں اور کن انکھیوں سے دیکھتے ہیں۔ ایمان والے جن کا حیات دنیا میں مذاق اڑایا گیا ہو گا، وہ کہیں گے : خسارہ یہ نہیں ہے کہ ہم نے وسعتِ مال کے بغیر وقت گزارا، گھاٹا تو یہ ہے کہ چند روزہ آسائش کے بدلے، کافروں نے دائمی عذاب کو اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے مقدّر کر لیا ہے۔ جس کے عمل صالح نہ ہوں وہ صالحین کے اہل میں سے نہیں ہوتا۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٦﴾

اور ان کے لئے کوئی دوست نہ ہوئے کہ اللہ کے مقابل ان کی نصرت کرتے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کہیں بھی سبیل نہیں۔

جو لوگ شیطان اور اس کی ذرّیت کو اللہ کے مقابل دوست بناتے ہیں، وہ اپنے حقیقی دشمن سے دھوکا کھاتے ہیں۔ قیامت کے دن کوئی اللہ کے حضور ان کے بارے میں بات کرنے والا نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اسی کو گمراہ کرتا ہے جو فاسق ہوتا ہے، اور منافق ہی فاسق ہوتے ہیں۔ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے ہدایت پا جانے کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں، کہ ارحم سے بڑا رحم کرنے والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : جو اللہ کے دوست کا اتباع کرتا ہے وہ ہدایت یافتہ ہے، جو اللہ کے دشمن کا اتباع کرتا ہے وہ گمراہ ہے۔ ہدایت بھی باذنِ اللہ ہے، گمراہی بھی باذنِ اللہ ہے۔ جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے ہدایت پا جانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَإٍ يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيرٍ ﴿٤٧﴾

اپنے رب کا حکم مانو قبل اس دن کے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن تمہارے لئے کوئی پناہ نہ ہوگی، اور نہ تم کسی چیز کو رد کر سکو گے۔

حکمِ ربّی کے ماننے کے لئے وقت کی انتہا بتائی گئی ہے، جو موت کا دن ہے۔ اس دن حق کو مان لینا نفع نہ دے گا، کہ اس ماننے کے ساتھ عملاً صداقت کا ثبوت دینے کا وقت ہی نہ ہو گا۔ حکمِ ربّی یہ بھی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے۔ موت کے دن کا آنا یقینی ہے۔ موت سے فرار بھی ممکن نہیں، اور اس سے کہیں پناہ بھی نہیں مل سکتی۔ موت جس طرح واقع ہوگی، اس میں بندے کی پسند کو کوئی اہمیت حاصل نہ ہوگی۔ اللہ جس طرح لے جانا چاہے گا، اسی طرح لے جائے گا۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ کسی چیز کو ناپسند کرنے کی وجہ سے اسے رد کر سکے۔

حاصل: حال پر ملی ہوئی مہلت سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ موت کے وقت حق کو ماننا نافع نہیں ہوتا۔ موت سے کہیں پناہ بھی نہیں مل سکتی، اور اس کی نوعیت کو بھی نہیں بدلا جا سکتا۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَإِنَّآ إِذَآ أَذَقْنَا الْإِنسٰنَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنسٰنَ كَفُورٌ ﴿۴۸﴾

تو اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کے ذمّے حق کو پہنچا دینا ہی ہے۔ اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو اس پر فرحت پاتا ہے، اور جب ان کے اپنے کیئے کی بدولت ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو پھر انسان ناشکرا بن جاتا ہے۔

جو حق کو نہیں مانتا وہ حق سے اعراض کرتا ہے۔ اس کے منہ پھیرنے سے خسارہ بھی اسی کو ہوتا ہے۔ حق پہنچانے والے صاحب کے ذمّے یہ نہیں ہے کہ وہ کسی کو زبردستی فلاح کے مقام پر لا کھڑا کرے۔ منشاء الٰہی کے مطابق حق کو پہنچا دینا اور خود احسن نمونہ بن کر دکھانا شاہدین کی طریقت ہے، جس میں کبھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ انسان کا مزاج ایسا ہے کہ جب اللہ اس کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے، تو فرحت سے اترانے لگتا ہے، اور اپنی خوبیاں بیان کرتے تھکتا نہیں۔ اور جب اس کے اپنے اعمال کی بدولت اس پر مصائب و آلام کا مقام آجاتا ہے، تو پھر وہ ناشکرا بن جاتا ہے، اور ایسی زبان بولنے لگتا ہے جو پہلے نہیں بولتا تھا۔

حاصل: جو لوگ حق سے منہ پھیرلیں، ان کی ذمّہ داری انہی پر ہوتی ہے۔ حق کو پہنچا دینا اور اسوۂ حسنہ کا نمونہ بن کر دکھانا شاہدین کی طریقت ہے۔ انسان کو اللہ اپنی رحمت سے نوازتا ہے، تو وہ فرحت سے اترانے لگتا ہے، اور اپنے کیئے کی بدولت جب وہ مصیبت میں گھر جاتا ہے تو پھر ناشکرا بن جاتا ہے۔

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَہَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَہَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ ﴿۴۹﴾

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے۔ خلق فرماتا ہے جو چاہے۔ جسے چاہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے، جسے چاہے بیٹے عطا فرماتا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں مالکِ کل اللہ ہی ہے۔ وہی خالقِ کل ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا کام اس کے علم سے ہوتا ہے، اور اس کے کام میں ہمیشہ حکمت ہوتی ہے۔ وہ جسے چاہے بیٹیاں عطا کرتا ہے، اور جسے چاہے بیٹے عطا کرتا ہے۔ بیٹیوں کے تمام کام فی سبیل اللہ ہوتے ہیں، اور شعوری زندگی کی ابتداء سے نکاح تک تمام مقامات پر انہیں حق کی احسن ادائیگی کے طریقے سکھائے جاتے ہیں، تاکہ خلوت کی زندگی میں مسلمان معاشرہ اس معیار کے مطابق ہو جائے جو اپنے اندر فلاح کی ضمانت رکھتا ہے۔ اللہ ہی بیٹے بھی عطا کرتا ہے اگر چاہے۔ اس صورت میں بھی اس کا علم اور اس کی حکمت اس کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہوتے ہیں۔ بیٹوں کے کام عموماً اپنے مستقبل کے حوالے سے کئے جاتے ہیں۔ درست یہی ہے کہ انہیں راہِ راست پر رہنا سکھایا جائے، اور بلوغت سے پہلے انہیں صرف ماننے کے مقام پر رہنے کی تربیت دی جائے۔

حاصل : مالکِ کل اللہ ہے۔ اس کا کام اس کے علم سے ہوتا ہے اور اس کے کام میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ بیٹیوں کی درست تربیت معاشرے کی اصلاح کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ بیٹوں کو اپنے مستقبل کے حوالے سے تیار کرنے کی بجائے راہِ راست پر رہنا سکھانا چاہئے اور انہیں ماننے کی تربیت دینی چاہئے۔

اَوْ یُزَوِّجُہُمْ ذُکْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

یا دونوں ملا دیتا ہے، بیٹے اور بیٹیاں۔ اور جسے چاہے بانجھ رکھتا ہے۔ بے شک وہ علم والا، قدرت والا ہے۔

اللہ چاہے تو بیٹے بھی عطا کر دیتا ہے، بیٹیاں بھی عطا کر دیتا ہے۔ یہاں بھی اس کا علم اور اس کی حکمت اس کے لاشریک ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ اگر کسی عورت کو بانجھ ٹھہرا دے، تو اس کے ہاں اولاد نہیں ہو گی۔ یہ سب مقامات، اللہ کے علم کے تحت ہیں، اس کی قدرت کے تحت ہیں۔ ان مقامات پر بندے کو اپنا رخ درست رکھنا چاہئے۔ خالقِ کل کے مقابل کسی مقام پر کسی کی قدرت کا تصور ہی درست نہیں ہے۔ اللہ جس مقام پر رکھے اسی میں بھلائی ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ مقصود ہونا چاہئے ہر مقام پر۔

حاصل : اللہ کی عطا اس کے علم سے ہوتی ہے۔ وہ بیٹے اور بیٹیاں دینے پر بھی قادر ہے، وہ بانجھ کر دینے پر بھی قادر ہے۔ اس کا علم بھی لاجواب ہے، اس کی قدرت بھی بے حساب ہے۔ اللہ سے

اپنے تعلق کو درست رکھنا چاہئے، کہ اس کی ہم سے پوچھ ہوگی۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام فرمائے، مگر وحی کے ذریعے سے، یا حجاب کے پیچھے سے، یا کوئی رسول بھیجے جو اس کے اذن سے وحی کرے، جو وہ چاہے۔ بے شک وہ بڑی شان والا، حکمت والا ہے۔

خالق ہی مخلوق کا سب سے بڑا جاننے والا ہے۔ کس سے کلام کرتا ہے اور کیسے کلام کرتا ہے۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے نوازے وہ راہِ فلاح دکھانے کا علم رکھتا ہے۔ عطا کسی صاحب پر اس کی ذاتی ضروریات کے حوالے سے نہیں ہوتی، لوگوں کی فلاح کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اس کی تقسیم لازم ہے۔ اللہ کے کلام کی پہلی صورت وحی ہے۔ یہ بلاواسطہ ہوتی ہے۔ اس میں سننے والے کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کیا کرے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو حکم ہوا، ان کو وحی فرمائی گئی کہ وہ آپ کو دودھ پلائے۔ اللہ کے کلام کی دوسری صورت حجاب کے پیچھے سے ہے، اس میں بندہ آواز کو سنتا ہے اور امرِ الٰہی کی تعمیل کرتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ اللہ کے کلام کی تیسری صورت وحی کی وہ صورت ہے جو بذریعہ فرشتہ ہو۔ اس صورت میں مقامِ نزول قلب ہوتا ہے، کلام روح الامین کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔ وقتِ نزول قلب کھلتا ہے، عبارت نازل ہوتی ہے، اور بندے کی سوچ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اللہ جو چاہے وہی علم عطا کرتا ہے۔ اس کی شان اتنی بالا ہے کہ اس کی ہمسری کرنا ممکن ہی نہیں۔ اس کی حکمت اتنی بڑی ہے کہ اس کا ہر فرمان اپنے اپنے مقام پر پورا ہے اور بڑی شان رکھتا ہے۔

حاصل : عطاءِ الٰہی کسی کی پسند کے تحت نہیں ہوتی، اللہ کے علم سے ہوتی ہے۔ اللہ کس کو اپنے کلام سے نوازتا ہے اور کیسے نوازتا ہے، یہ فیصلہ قطعاً اللہ کا ہی ہوتا ہے۔ اللہ کی شان بھی لاجواب ہے اس کی حکمت بھی لاجواب ہے۔

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ

اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف اپنے امر سے روح سے وحی فرمائی۔ تمہیں کتاب و ایمان کا ادراک نہ تھا، ولیکن ہم نے اسے نور ٹھہرایا، جس سے ہم راہ

نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾

دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہیں۔ اور بے شک آپ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں۔

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی صداقت کا یہ مقام ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مخالفین سے کوئی دوستی نہیں رکھتے، چاہے وہ ان کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا رشتہ دار ہوں، ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے : یہ ہیں وہ لوگ جن کے قلوب میں اللہ نے ایمان کو نقش فرما دیا ہے، اور جن کی اپنی روح سے تائید فرمائی ہے۔ اللہ کا کلام اللہ کے علم سے تعلق رکھتا ہے، بندے کی سوچ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ فرمانِ الٰہی نور ہدایت ہے، اللہ جس کو چاہے اس نور ہدایت سے نوازتا ہے۔ جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے، جو آپ سے محبت رکھتا ہے، وہ آپ کی راہنمائی سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اور صراط مستقیم پر ہے۔

حاصل : کلامِ الٰہی کی شان سب سے بالا ہے۔ اپنی سوچ کو اس کے تابع رکھنا چاہیے، کہ اطاعت کا حق بطریقِ احسن ادا ہو۔ نور ہدایت سے اللہ جسے چاہے نوازتا ہے۔ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی بہرحال ہوتی رہتی ہے، اور ہوتی رہے گی۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع ۵ ۶

اللہ کی راہ کہ جس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سن لو، سب امور اللہ ہی کی طرف پھرنے والے ہیں۔

صراطِ مستقیم اللہ کی راہ ہے، اور اللہ وہ مالکِ کل ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، اسی لاشریک کا ہے، اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ کوئی اگر آخرت کے انکار کو اپنا طریقِ زندگی بنالیتا ہے، تو اس نے دنیا و آخرت میں خسارے کو اپنے لئے چن لیا ہے۔ اللہ کی ہی یہ شان ہے، کہ اسی کی طرف سے آنا ہوا ہے، اور اسی کی طرف واپسی ہوگی۔ کسی کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف واپسی کے راستے سے انحراف کر سکے۔

حاصل : اللہ کی راہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔ ہمیں ہر شے کے استعمال میں اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ آخرت کا یقین اپنے رخ کو درست رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ (9) میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور اللہ اور اس کے رسول کا حق سب سے بڑھ کر ہے کہ تم انہیں راضی کرو اگر تم مومن ہو۔

(آیاتہا ۸۹) سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ (رکوعاتہا ۷)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مع ۱۱ حٰمٓ ﴿۱﴾ یہ حروفِ مقطعات ہیں۔

ان حروف کو الگ الگ پڑھنے کا حکم ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی اس لئے ان کے بارے میں خاموش رہنا ہی درست رویّہ ہے۔

حاصل : ہمارا بولنا بھی علم سے ہونا چاہئے، ہماری خاموشی بھی علم سے ہونی چاہئے۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اور کتابِ مبین کی قسم۔

قرآنِ پاک وہ روشن کتاب ہے، جس سے حق اور باطل کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھنچ جاتا ہے۔ عزّت والے، حکمت والے ربّ العالمین کی طرف سے اس کا نزول ہوا ہے۔ جہاں اس پاک کتاب کا حوالہ آجائے، وہاں حجّت کو ختم ہو جانا چاہئے، اور اس حوالے کو دھیان سے سننا چاہئے اور ادب سے ماننا چاہئے۔

حاصل : قرآنِ پاک کی قسم کھانے والے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ دعوتِ فلاح میں قسم کھانا اللہ کی شان ہے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ بے شک ہم نے اسے قرآنِ عربی ٹھہرایا تا کہ تم عقل کرو۔

فصاحت کے لحاظ سے عربی زبان سب سے اعلیٰ درجے کی زبان ہے، کہ جو حقائق کو لطافت کے ساتھ بیان کر سکتی ہے۔ کتاب بھی عربی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی ہیں، اور جن لوگوں کو سب سے پہلے خطاب فرمایا گیا ہے، وہ بھی عربی ہیں۔ اس طرح زبان کے حوالے سے کوئی حجاب لوگوں کے لئے نہیں رہا۔ عقل مندی یہ ہے کہ قرآن پاک کو عربی زبان میں بھی پڑھا جائے، اس کے تراجم کو بھی پڑھا جائے، اور اپنے آپ کو اللہ کے فرمان کے تابع رکھا جائے، تا کہ اس روشن راستے سے کوئی انحراف نہ ہو جسے اللہ نے ہمارے لئے پسند کیا ہے۔

حاصل : بین الاقوامی زبانوں میں سب سے بلند درجہ عربی زبان کو حاصل ہو جائے گا، کہ حقائق کو

فصاحت سے بیان کرنے کے لئے اس کی ضرورت مسلّمہ ہے۔ عقل مندی بندے کی شان ہے۔

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴿۴﴾

اور بے شک وہ امّ الکتاب میں ہمارے پاس ہے، بڑی عظمت والا حکمت والا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لوح محفوظ پر خلوت میں موجود ہے۔ اس کی عظمت و حکمت پر اللہ کی گواہی سند کا درجہ رکھتی ہے، کہ اللہ کی شہادت سے بلند درجہ اور کوئی شہادت نہیں ہو سکتی۔ اس کی عظمت و حکمت سے فیض یاب ہونا، فیض یاب ہونے والوں کی خوش نصیبی ہو گی، اور اس کی بےقدری کرنے والے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالیں گے۔ اس کلام کی شان کسی کے ماننے سے بڑھتی نہیں، اور کسی کے انکار سے کم نہیں ہوتی۔

حاصل : قرآنِ پاک کی عظمت اور حکمت سے فیض یاب ہونا بڑی خوش نصیبی ہے۔ اس کو ماننے میں ماننے والوں کا بھلا ہے، نہ ماننے میں نہ ماننے والوں کا خسارہ ہے۔

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ﴿۵﴾

تو کیا ہم تم سے اس ذکر کو پھیر دیں گے اس بنا پر کہ تم اسراف کرنے والے لوگ ہو۔

یہ ذکر قرآن پاک ہے۔ اس نصیحت کو اتمام حجت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ زندہ لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں، کافروں پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ جزا کے وقت کوئی یہ نہ کہہ سکے گا، کہ اسے عظمت والے حکمت والے قرآن شریف کا پتہ ہی نہیں لگا۔ جو لوگ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں وہ یقیناً ناشکرے لوگ ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بھی نصیحت پہنچائی ضرور جاتی ہے کہ یہی اللہ کی شان کے لائق ہے۔

حاصل : اسراف کرنے والے لوگ، بڑے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآنِ پاک کی شفا اور رحمت ان کے پاس بھی پہنچنی چاہئے۔ وہ استفادہ کریں یا نہ کریں اس کی جزا تو انہی کو دی جائے گی۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶﴾

اور ہم نے اوّلین میں کتنے ہی نبی بھیجے۔

حق کو لوگوں تک پہنچانا اور حق کو بطریقِ احسن ماننے والا نمونہ لوگوں کو دکھانا، اتمام حجت کے اہم ارکان ہیں۔ پہلے لوگوں کی طرف بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی بھیجتا رہا ہے۔ طلبِ ہدایت رکھنے والے لوگ ان کی قدر کرتے تھے، ان کی صفات کو اپناتے تھے، اور ان کے اتباع کی بدولت فلاح پاتے تھے۔ دوسرے لوگ حق کے انکار میں ہی سب کچھ ضائع کر دیتے تھے۔

حاصل : طلبِ ہدایت رکھنے والے ہی حق پہنچانے والوں سے استفادہ کرتے ہیں۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٧

اور ان کے پاس جو نبی بھی آتا وہ اس کے ساتھ استہزاء ہی کرتے تھے۔

اوّلین میں سے اکثریت کا رویّہ یہی تھا کہ جو نبی بھی ان کے پاس آتا تھا، اس کی صداقت کا روشن ثبوت اس کے پاس موجود ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتا تھا، اور وہ کچھ کرکے دکھاتا تھا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھا، اس کے ساتھ کسی اجر کا سوال بھی نہیں ہوتا تھا۔ مگر لوگ اس کا مذاق ہی اڑایا کرتے تھے، اور حق کے مقابل انہیں بے سند باتوں میں ہی زیادہ دلچسپی تھی۔ حسنِ اخلاق کے موضوع پر جب بھی بات ہو جزا کا انکار کرنے والے اس کا مذاق ہی اڑایا کرتے ہیں، ماضی میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔

حاصل : ہدایت کی طلب نہ ہو، تو حسنِ اخلاق کا درس دینے والوں کا مذاق ہی اڑایا جاتا ہے۔ ماضی میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔

فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ۝٨

تو ہم نے ان سے اشدّ پکڑ والے بھی ہلاک کر ڈالے، اور اوّلین کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

ماضی میں بہت سے قرن جو بڑے زور آور تھے اور جن کی گرفت بڑی شدید ہوتی تھی، اپنے ظلم کی بنا پر ہلاک کیے جا چکے ہیں۔ اوّلین کی مثالوں میں سے عاد کی مثال موجود ہے، ثمود کی مثال موجود ہے اور دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔ جو لوگ اپنی قوت کے زعم میں مبتلا ہیں جو اموال و اولاد کی کثرت پر فخر کرتے ہیں، انہیں یہ بھی دیکھ لینا چاہئے، کہ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے، اس راستے پر پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا ہے۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والے ظالم ہوتے ہیں۔ جب ظالموں پر اللہ کی گرفت آتی ہے تو پھر وہ کہیں پناہ نہیں پاتے۔ دیکھنا چاہئے کہ جو راستہ ہم نے اختیار کر رکھا ہے، اس پر پہلے چلنے والوں کا انجام کیا ہوا ہے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝٩

اور اگر تم ان سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا ہے تو یقیناً یہی کہیں گے کہ انہیں عزیز و علیم نے خلق کیا ہے۔

آسمانوں اور زمین سے لوگوں کو اپنے تعلق کا کسی حد تک پتہ ہوتا ہے، اور اس پتے کے حوالے سے وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں غور بھی کرتے ہیں۔ جب ان سے یہ پوچھا جائے کہ بتایئے آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے، تو وہ یہ کبھی نہیں کہتے کہ انہیں ہمارے معبودوں نے پیدا کیا ہے۔ وہ یہی کہتے ہیں، کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ایک ہے جو بڑی قدرت والا، بڑی عزّت والا، اور بڑے علم والا ہے۔ مصنوع سے صانع کی قدرت اور اس کے علم کا پتہ لگتا ہے۔ آسمان اور زمین اتنی بڑی تخلیق ہیں، کہ ان کے بنانے والے کی قدرت بھی ہر شے پر محیط نظر آتی ہے، اس کا علم بھی ہر شے پر محیط نظر آتا ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین سے اپنے تعلق کو دیکھنا چاہیۓ۔ خالقِ کل نے ہمارے لئے کیا کیا بنایا ہے، اس پر نظر کرنی چاہیۓ۔ اللہ کی قدرت اور اس کے علم کا احاطہ دیکھ لیا جائے تو پھر اس کو نہ ماننا ممکن نہیں رہتا۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾

جس نے زمین کو تمہارے لئے گہوارہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے رکھے کہ تم ہدایت پاؤ۔

آسمانوں اور زمین سے روز مرّہ زندگی میں فیوض و برکات حاصل کرنے والے کو یہ بتایا جا رہا ہے، کہ اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے گہوارہ بنایا ہے۔ اس کو خوب بچھونا بنانا اللہ کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کو کانپنے سے بچانے کے لئے اللہ نے اس میں پہاڑ رکھے ہیں۔ پھر اس میں کشادہ راستے بھی اللہ ہی نے رکھے ہیں، اور ان کشادہ راستوں سے انسانوں کے کتنے ہی مفادات وابستہ ہیں۔ ان راستوں کو محفوظ بنانا اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات ہے، ان راستوں کو آسان بنانا، اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات ہے۔ جو راستے کی قدر کرتا ہے، وہ حیاتِ دنیا میں راہِ راست پر رہنے میں غفلت نہیں برتتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے اسے ہدایت ہو جاتی ہے۔

حاصل : جس نے زمین کو ہمارے لئے گہوارہ بنایا ہے، جس نے زمین میں ہمارے لئے راستے رکھے ہیں، ہمیں اس کی طرف جانے والی سیدھی راہ کو اختیار کرنا چاہیۓ۔

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾

اور جس نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس سے ایک مُردہ شہر کو حیات بخشی۔ اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

آسمان سے برسنے والا پانی، مبارک ہوتا ہے، اللہ کے علم سے برستا ہے، اور اس مقدار میں برستا ہے جو اللہ پسند فرماتا ہے۔ وہ زمین جو نباتات کو اگانے کی صلاحیت کھوچکی ہوتی ہے، بارش سے زندہ ہو جاتی ہے، اور اس پر ہریالی آجاتی ہے۔ بعث بعدالموت بھی اسی طرح ہوگی۔ بندے کا اپنا مشاہدہ اسے یہ بتاتا ہے کہ اللہ کی قدرت نہ ہونے کو ہونا بناسکتی ہے، اور ہونے کو نہ ہونا بناسکتی ہے، اور جزا کو مان لیا جائے تو پھر حسن عمل سے بندے کی شان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

حاصل : بارش ہمیشہ اللہ کے علم سے ہوتی ہے، اس لئے ہمیشہ پوری ہوتی ہے۔ بارش سے مُردہ زمین کو زندہ کرنا اللہ کی شان ہے۔ مُردوں کو اٹھانا بھی اللہ کی شان ہے۔ جزا کا یقین بندے کے اعمال میں نظر آنا چاہئے۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾

اور جس نے سب جوڑے خلق فرمائے، اور تمہارے لئے کشتیوں اور چوپایوں کو ٹھہرایا، جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

حیوانات میں نر اور مادہ کے جوڑے بندے کے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں۔ نباتات میں بھی نر اور مادہ ایک پھول کا حصہ ہوتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نر اور مادہ پھول الگ الگ درختوں پر ہوتے ہیں۔ جو جوڑے اللہ نے خلق فرمائے ہیں، ان کے بقاء نسل کی طبعی صورت بھی اسی نے رکھی ہے۔ اللہ کی تخلیق تو نظر آتی ہے جو کچھ اللہ کے مقابل والوں نے بنایا ہے وہ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ کشتیاں اور چوپائے، نقل و حمل کے ذرائع ہیں۔ یہ انسان کی بڑی ضرورت ہیں۔ اس ضرورت کا اہتمام اللہ نے ہی کیا ہے، اور حضرت انسان ان پر سواری کرتے ہیں اور ان سے اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔ جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے اور بڑے علم سے پیدا کیا ہے، جس نے ہماری ضروریات کو بڑے علم سے پورا کیا ہے، اس پرواہ کرنے والے، لاشریک کی شان کو ادب سے ماننا چاہئے۔

حاصل : اللہ کی تخلیق بڑے علم سے ہے۔ ہماری ضرورت کو پورا کرنے کا اہتمام بھی اللہ کے علم سے ہے۔ اللہ کے جس اہتمام سے ہم استفادہ کرتے ہیں، اس میں اپنی حیثیت کو ضرور دیکھنا چاہئے۔

لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾

کہ تم ان کی پیٹھ پر بیٹھو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو، جب ٹھیک بیٹھ لو تو یہ کہو، پاک ہے وہ جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر کیا ورنہ ہم اس کو قابو میں نہیں لاسکتے تھے۔

جانوروں پر سواری کی جائے، یا دوسری سواریاں کام میں لائی جائیں، ان کے خالق و مالک کو یاد کرنا چاہئے جس کی عطا کردہ نعمت سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ سواری غیر جاندار ہو تو بھی اس کے اجزائے ترکیبی سب اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ جن قوتوں کو کام میں لایا گیا ہے، وہ بھی اللہ نے پیدا کی ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے کی اہلیت بھی اللہ نے دی ہے۔ اللہ کی نعمت کو یاد کرنا بندگی ہے۔ سواری پر ٹھیک طرح سے بیٹھ جانے کے بعد یہ کہنا بندگی کا حصہ ہے کہ اے ہمارے ربّ تو مالکِ کل ہے، تو قدرت والا ہے، تجھے کوئی احتیاج نہیں، اور ہم تیرے محتاج ہیں۔ تو نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کیا ہے، ورنہ ہم کب اس کو قابو میں لاسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حیثیت کا اعتراف بندے کی شان کو بڑھاتا ہے۔

حاصل : سواری کو اللہ کی عطا جانتے ہوئے اس کی قدر کرنی چاہئے، اسے حق کے مطابق استعمال کرنا چاہئے، اور سوار ہو جانے کے بعد اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے یہ کہنا چاہئے: اللہ ہی نے اس کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے، ورنہ ہم اس کو قابو میں نہ لاسکتے تھے۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾

اور بے شک ہمیں اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

سواری کو اللہ کی عطا جاننے والے پر لازم ہے کہ وہ جہاں بھی جارہا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہو۔ یہ یقین رخ کو ہر حال میں درست رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جو آیا ہے وہ ضرور جائے گا۔ اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین بندے کے قول کو پاک کر دیتا ہے، اعمال کو درست کر دیتا ہے، اور بندہ اللہ کی عطا کردہ توفیق کو حق کے مطابق استعمال کرنے میں ہی اپنی فلاح دیکھتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین رُخ کے درست ہونے کا ثبوت ہے، اور اپنے رُخ کو درست رکھنا بندے کی ذمہ داری ہے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ ع

اور اُس کے لئے اس کے بندوں سے ایک جُز ٹھہرایا ہے۔ بے شک انسان صریحاً ناشکرا ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین نہیں ہوتا وہ من مانی کرنے سے بچ نہیں سکتے۔ وہ حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینے لگتے ہیں، اور اللہ کے بندوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ خالق کل ہے، مخلوق اس کا جُز ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ قادر مطلق ہے، مخلوق کی قدرت ایک محدود وقت کے لئے ہوتی ہے اور اللہ کی قدرت کے احاطے میں ہوتی ہے، پھر مخلوق اللہ کا جُز کیونکر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تعین سے پاک ہے۔ بے مثل ہے۔ اس کا جُز ہونا ممکن ہی نہیں۔ حق کے مقابل اپنی پسند کا عقیدہ گھڑنے والے انسان سے بڑا ناشکرا اور کون ہو گا۔ اللہ انسان کو پیدا کرتا ہے، اس کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کا

اہتمام کرتا ہے، اس کو بندگی کا حق ادا کرنے کے لئے جو بھی درکار ہوتا ہے، عطا کرتا ہے۔ ناشکرے پن کی حد یہی ہے کہ انسان حق کے مطابق ہونے کی بجائے حق کو اپنے مطابق بنانے میں متاعِ حیات کو بھی ضائع کرے، اور عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو بھی ضائع کرے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ واحد ہے، بے مثل ہے اور لاشریک ہے۔ ہمیں شکر گزار بندوں کے ساتھ میں اپنی فلاح دیکھنی چاہئے۔ من مانی کرنا فلاح پانے والوں کی نشانی نہیں ہے۔ اشیاء کائنات کو اللہ کا جز قرار دینا شرک ہے، اس لئے وحدت الوجود کا عقیدہ قطعاً خلافِ حق ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (25) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝٢٧

اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ چبالے گا، کہ ہائے کسی طرح میں نے رسول کی معیّت کی راہ اختیار کی ہوتی۔

أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ ۝١٦

کیا اس نے اپنی خلق میں سے بیٹیاں پسند کیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔

منکرینِ حق فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ اس عقیدے کے نقص کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ خالق کل ہے۔ وہ سب کو دینے والا ہے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ اس نے اپنے لئے تو بیٹیاں پسند کیں اور تمہیں بیٹوں سے نوازا۔ ولد اور والد میں مجانست ضروری ہوتی ہے، اور اللہ کے ساتھ کسی کو ہم جنس ثابت کرنا انتہائی بے عقلی کی بات ہے۔ پھر بقاء نسل کے ساتھ موت لازم ہے، اور یہ اللہ کی شان کے منافی ہے۔

حاصل : منکرینِ حق کے بیان میں جو نقائص ہوتے ہیں، ان کی وضاحت بہت بڑا کام ہے، اور یہ کام بڑے علم والوں کو کرنا چاہئے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝١٧

اور جب ان میں سے کسی کو اس کی بشارت ملے، جسے الرحمٰن کے نام لگاتا ہے، تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے، اور اندر ہی اندر گھُٹتا رہتا ہے۔

منکرینِ حق کے بہتان کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب ان میں کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر ملتی ہے، تو وہ غصے اور غم سے بھر جاتا ہے، اور اس کا منہ ناخوشی کو ظاہر کرتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھٹتا رہتا ہے۔ وہ اپنی قوم سے چھپتا پھرتا ہے، اس بشارت کی بُرائی کی

وجہ سے جو اسے مل چکی ہوتی ہے۔ اللہ کی شان سب سے اعلیٰ ہے، کہ وہ قادرِ مطلق ہے، اور وہ کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اس کے ساتھ ایسی شے کو منسوب کرنا جو بیان کرنے والے کو اپنے لئے پسند نہ ہو، یہی ثابت کرتا ہے کہ اللہ پر بہتان باندھنے والا شرافت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

حاصل : اللہ کی شان سب سے اعلیٰ ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ ہم ہر مقام پر اس کے فضل کے محتاج ہیں۔ جو ہمیں اپنے لئے پسند نہ ہو، اسے اللہ سے منسوب کرنا ایسی بات ہوگی جو ہماری شرافت کی نفی کو ثابت کرے گی۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

کیا وہ ہوئی ہے جو زیور میں پروان چڑھے اور جھگڑے میں صاف بات نہ کہہ سکے۔

لڑکی کی پیدائش کی خبر سنتے ہی جن کے منہ کالے ہو جاتے ہیں اور جو اندر ہی اندر گھٹتے رہتے ہیں، انھیں یہ خیال آتا ہے کہ کیا وہ پیدا ہوئی ہے، جو زیوروں میں ہی پلے بڑھے گی، اور نمائش آرائش سے الگ ہو کر خوش نہیں رہے گی، اور اپنے بڑوں کی شان و شوکت کو بیان کرنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتی ہوگی۔

حاصل : نمائش و آرائش عورتوں کی صفات ہیں، اور جھگڑے میں ذاتی غرض و غایت سے بلند ہو کر بات کرنا عورتوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور انھوں نے ملائکہ کو کہ جو عباد الرحمٰن ہیں، عورتیں ٹھہرایا ہے۔ کیا یہ ان کی تخلیق پر شاہد تھے۔ اب ان کی شہادت لکھ رکھی جائے گی، اور ان سے پوچھ ہوگی۔

منکرین حق نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہا ہے۔ یہ قطعاً خلافِ حق ہے، کہ ملائکہ کے عباد الرحمٰن ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ ملائکہ کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کرتے ہیں، اور وہی کرتے ہیں جس کا انھیں اللہ کی طرف سے امر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ ملائکہ کو عورتوں کا درجہ دیتے ہیں، یہ ان کی تخلیق کے وقت گواہ تو نہیں تھے۔ ان کو یہ شہادت دینے کا حق کیسے حاصل ہو گیا۔ اگر یہ اس ناقص عقیدے سے تائب نہیں ہوتے، تو ان کی شہادت لکھ کر رکھی جائے گی، اور قیامت کے دن ان سے پوچھ ہوگی۔

حاصل : ہماری بات کو علم پر مبنی ہونا چاہئے۔ جزا پر یقین رکھنے والوں کی گواہی کبھی خلافِ حق نہیں

ہوتی۔ اگر ہم بے سند بات کرنے سے باز نہیں آتے، تو پھر قیامت کے دن ہم سے ہماری گواہی کے بارے میں ضرور پوچھ ہوگی۔

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ؕ ﴿۲۰﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر الرّحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انہیں اس کا کچھ علم نہیں، یونہی قیافے لگاتے ہیں۔

مشرکین اپنے عقیدے کے درست ہونے کا ثبوت یوں دیتے ہیں کہ ہم جن کی عبادت کرتے ہیں، ان کی بندگی اللہ کو پسند ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ کی مشیّت کے خلاف تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ کوئی سند نہیں ہے ان کے عقیدے کے درست ہونے کی۔ اللہ نے اپنی پسند کو بھی واضح فرمایا ہے، ناپسند کو بھی واضح فرمایا ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں عامل نے جو رخ اختیار کرنا ہے، اسی کی اسے جزا دی جائے گی۔ جو لوگ شرک کرتے ہیں، وہ کسی علم کی بنا پر شرک نہیں کرتے۔ ان کے پاس اس کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ وہ تو محض اندازے قیافے ہی لگاتے رہتے ہیں، اور حق کے مقابل اندازے قیافے کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

حاصل : اپنے ناقص اعمال کو اللہ کی مشیّت قرار دینا بڑی بے علمی کا ثبوت ہے۔ ایسے قیافے لگانے والے کا کبھی بھلا نہیں ہوتا۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾

یا ہم نے انہیں اس سے قبل کوئی کتاب دی ہے، جسے وہ مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

علم الٰہی کا حصول اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں سے ہوتا رہا ہے، مرسلین کی تعلیمات سے ہوتا رہا ہے۔ قرآن پاک سے پہلے جو کتابیں نازل فرمائی گئی ہیں، اور لوگ انہیں مانتے ہیں، ان میں کہیں شرک کرنے کا حکم موجود نہیں ہے۔ اللہ کے کسی نبی نے شرک کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اس سے روشن ہوا کہ شرک قطعاً خلافِ حق ہے اور ظلمِ عظیم ہے، کہ کتاب اللہ میں یہی سند نازل فرمائی گئی ہے۔

حاصل : کسی بات کے درست ہونے کا ثبوت اللہ کے فرمان سے دینا چاہیئے۔ اللہ کے فرمان کو مضبوطی سے تھامنا یہ ہے کہ ہمارا عمل ہمارے قول پر شاہد ہو۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ

بلکہ کہتے ہیں، ہم نے اپنے آباء کو ایک

وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

اُمّت پر پایا ہے، اور ہم انہی کے آثار پر راہ پائے ہوئے ہیں۔

مشرکین دعوتِ حق کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہماری صداقت کا ایسا ثبوت تو نہیں ہے، کہ ہم اپنے طریقِ زندگی کے درست ہونے کی سند اللہ کی کتاب سے پیش کر سکیں، ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقوشِ قدم پر چلے جارہے ہیں، اس طرح ہم اپنے تفاخر کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ آباء کا راہِ حق پر ہونا ثابت ہو تو پھر ان کے آثار یقیناً اہمیت رکھتے ہیں، اور اگر ان کا راہِ حق پر ہونا ثابت نہ ہو، تو پھر ان کے آثار پر دوڑے چلے جانا قطعاً گمراہی ہے۔

حاصل : اپنے آباء کے طریقِ زندگی کو درست قرار دینے کے لئے سند موجود ہونی چاہئے۔ جن کے آثار کو سند مانا جارہا ہو، ان کے راہِ راست پر ہونے کی سند کو پہلے دیکھنا چاہئے۔

وَكَذٰلِكَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اسی طرح آپ سے قبل ہم نے جس قریئے میں بھی کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا، ہم نے اپنے آباء کو ایک امّت پر پایا ہے اور ہم انہی کے آثار پر اقتدا کرتے رہیں گے۔

منکرینِ حق کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے، کہ جب بھی کسی قریئے میں اللہ نے کسی ڈر سنانے والے کو بھیجا تو وہاں کے آسودہ لوگوں نے حق کے جواب میں یہ کہا، کہ ہم نے اپنے آباء کو ایک راہ پر پایا ہے، وہی ہمارے نزدیک معیار ہے۔ اسی میں ہم اپنی شان دیکھتے ہیں، یہی ہمارا امتیاز ہے، اور ہم ان کی پیروی کرتے رہیں گے۔ حق کا انکار جیسے حال پر ہو رہا ہے، اسی طرح ماضی میں بھی ہوتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو ہدایت یافتہ لوگوں کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔ اقتدا اسی کی ہونی چاہئے جو ہدایت یافتہ ہو، محض آباء کے آثار پر دوڑے چلے جانا کسی کے لئے باعث فلاح نہیں ہوا۔

حاصل : منکرینِ حق نے ہمیشہ اپنے آباء کے آثار کو سند مانتے ہوئے ان کی پیروی کی ہے۔ یہ روّیہ طلبِ ہدایت رکھنے والوں کا نہیں ہو سکتا۔ جن کی پیروی کی جائے ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند موجود ہونی چاہئے۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ

ڈر سنانے والے نے فرمایا، کیا جب بھی کہ

عَلَيۡهِ اٰبَآءَكُمۡ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

میں تمہیں اس سے بہتر راہ دوں جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا ہے۔ کہنے لگے، ہم اس سارے کا انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔

ہر ڈر سنانے والے صاحب نے اپنے اپنے وقت پر آباء کی تقلید کرنے والوں سے یہ فرمایا کہ تمہیں فلاح کے راستے کو اختیار کرنا چاہئے۔ جو راستہ تم نے اختیار کر رکھا ہے وہ فلاح کا نہیں ہے۔ تم اپنے گمان کو حق کے برابر ٹھہراتے ہو۔ اس سے تمہیں راحت حاصل نہیں ہو سکتی، تمہیں خوف و حزن سے نجات نہیں مل سکتی۔ میں تمہیں وہ راستہ دکھاتا ہوں، جس پر چلنے میں تمہیں بڑا سکھ ملے گا، اور تمہیں شکوک و شبہات سے چھٹکارا مل جائے گا۔ کیا تم اس راستے کو اپنے لئے بہتر نہیں پاؤ گے۔ منکرینِ حق کا جواب یہی ہوتا تھا ہم اس کو سرے سے مانتے ہی نہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔

حاصل : بہترین راستے کا انتخاب ہماری ذمہ داری ہے، محض آباء کی تقلید کیا معنی رکھتی ہے۔ منکرینِ حق بھلائی کے علم کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۵﴾

تو ہم نے ان سے انتقام لیا، تو نظر کرو مکذّبین کی عاقبت کیسی ہوئی۔

جن لوگوں نے حق کو سرے سے مانا ہی نہیں، ان سے اللہ تعالیٰ نے انتقام لیا۔ جو بُرا دا ؤ وہ لوگ چلتے تھے وہی ان پر پڑ گیا، اور وہ عبرتناک انجام کو پہنچ گئے۔ اللہ کی سنّت یہی رہی ہے۔ یہ بدلتی بھی نہیں اور یہ ٹلتی بھی نہیں۔ حق کا قطعی انکار کرنے والے ہمیشہ عبرتناک انجام کو پہنچتے ہیں۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے اس مقام کی طرف بڑھتے رہتے ہیں، جہاں انہیں پکڑ لیا جاتا ہے۔ پھر ان سے انتقام لیا جاتا ہے اور وہ عبرتناک انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔ ماضی سے سبق سیکھنا چاہئے۔

شہادت : سورہ الاسراء (17) میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں، بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب سے پوچھ ہو گی۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِىۡ

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے

بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

باپ اور اپنی قوم سے یہ کہا، کہ میں ان سے بیزار ہوں، جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

مشرکین جو اپنے آباء کی تقلید کے مقابل کسی بات کو سننے کے لئے تیار ہی نہ تھے، انہیں آباء میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ یاد دلایا جارہا ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے باپ اور اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "اللہ کے مقابل جن کی تم عبادت کرتے ہو، یہ تمہیں نفع بھی نہیں دیتے، ضرر بھی نہیں دیتے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم اللہ کے مقابل پوجتے ہو، تو کیا عقل نہیں کرتے۔" اس مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محض آباء کی تقلید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک عقل کا کام نہیں تھا۔

حاصل : اپنے آباء کے طریقِ زندگی سے، جب وہ حق کے خلاف نظر آتا ہو، بیزاری کا اظہار کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾

میں تو اسی کی بندگی کرتا ہوں جس نے مجھے بنایا، تو وہ جلد ہی مجھے راہ دے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے بیزاری کا اظہار کرنے کے بعد اپنے خالق کو معبود ماننے کا اعلان کیا، اور یہ بھی کہا کہ بتوں سے بیزاری کے اظہار کے بعد میرا راستہ تم لوگوں سے الگ ہو چکا ہے، اپنے معبود کی خوشی کے لئے اور تمہارے ممکنہ برتاؤ کی شدت کو برداشت کرنے کے لئے مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے، اس کے لئے میرا معبود مجھے راستہ دکھائے گا، اور تم مجھے بے راہ اور اکیلا نہیں پاؤ گے۔

حاصل : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جس نے مجھے بنایا ہے وہی مجھے ہدایت دے گا، حجّت کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی ہدایت سے مخالفین کی طرف سے پہنچنے والے دکھوں کو برداشت کیا جا سکتا ہے، یہی ہدایت بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور اسے اپنے پیچھے کلمۂ باقیہ ٹھہرایا، کہ وہ رجوع رہیں۔

جو حجت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی اور جس کی بدولت آپ کی شان میں رفعت آئی، آپ نے اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے اسے معیار ٹھہرا دیا، تاکہ اس معیار کی موجودگی میں وہ اپنے رخ کی درستگی کو دیکھتے رہیں۔ معیار یہ ہے کہ جو

لوگ ایمان لائیں اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہ ملائیں، ان کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت والے ہیں۔

حاصل : اپنے پیچھے آنے والوں کے سامنے حق پر پورا رہتے ہوئے اس معیار کو روشن کرنا چاہیے، جو انہیں رجوع الی اللہ رہنے میں مدد دے۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾

بلکہ میں نے انہیں اور ان کے آباء کو متاع دی، حتیٰ کہ ان کے پاس حق اور رسول مبین آگئے۔

حق قرآنِ پاک ہے، اور رسول مبین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حق آپ پر نازل ہوا اور آپ نے احکامِ الٰہی کو ماننے کا اسوۂ حسنہ لوگوں کے سامنے رکھا۔ اور ان لوگوں کا دعویٰ جن میں آپ کی بعثت ہوئی یہی تھا، کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا تشریف لایا، تو ضرور وہ کسی امّت سے زیادہ ہدایت یافتہ بنیں گے۔ اللہ نے ان لوگوں کو اور ان کے آباء کو بھی متاعِ حیات دی تھی۔ وہ آسودگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے میں سہارا دے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

حاصل : وہ آسودگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے میں سہارا دے، اللہ کی بڑی عنایت ہے۔ حق، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، حق کو ماننے کا نمونہ بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہے، اس طرح صراطِ مستقیم کا تعیّن بالکل واضح ہے۔ حق کو ماننے والے اپنے کئے کی جزا پائیں گے، نہ ماننے والے اپنے کئے کی جزا پائیں گے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب ان کے پاس حق آیا، کہنے لگے یہ تو سحر ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

نزولِ حق سے پہلے جو لوگ یہ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس حق آیا تو ہم ضرور ہدایت پانے والے ہوں گے، یہ ان کا حال بیان فرمایا گیا ہے، کہ جب ان کے پاس حق آیا، تو وہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ حق کو مان لینے میں ان لوگوں کو یہ خطرہ نظر آیا، کہ موجودہ نظام تلپٹ ہو جائے گا، اور اس کی جگہ وہ نظام آجائے گا، جس میں اخلاقِ حسنہ کے حوالے سے لوگ لائقِ تکریم مانے جائیں گے، تو انہوں نے یہ کہہ دیا، کہ یہ تو ایک جادو ہے، اور ہم اس کو مانتے ہی نہیں۔ قرآنِ پاک میں معاشرتی مسائل کا حل جس علم سے پیش کیا گیا ہے، وہ علمِ الٰہی ہے، اس میں کسی جھول کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، مگر اس کو ماننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگ ہدایت کے طلب گار ہوں اور اپنی پسند کے دائروں سے نکلنے کے لئے تیار ہوں۔

حاصل : حق اس قدر روشن ہوتا ہے کہ وہ مسائل کا یقینی حل بتاتا ہے، اس لئے آسودہ حال لوگ اسے جادو کہہ کر اس کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا انکار کر کے

اس سے اپنی کراہت کا اظہار کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾

اور انہوں نے کہا یہ قرآن ان دو قریوں کے کسی عظیم مرد پر کیوں نہ نازل ہوا۔

یہ دو قریئے مکہ شریف اور طائف ہیں۔ منکرینِ حق نے یہ کہا کہ اس قرآن کو ان دو بستیوں کے کسی عظیم مرد پر نازل ہونا چاہئے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا، پھر اس کو مان کیسے لیا جائے۔ عظمت کے دیکھنے کے لئے انسانی علم سے جو پیمانے بنائے گئے ہیں، وہ ہیں وسعت مال اور نسبی تفاخر۔ جہاں سیادت کا حق وسعت مال سے جڑ جائے وہاں اخلاقِ حسنہ کی باتیں بے معنی ہو جاتی ہیں، اور جہاں سیادت کا حق نسبی تفاخر سے جڑ جائے وہاں ماضی کا ذکر ہی ہوتا ہے، حال کا نہیں ہوتا۔ اس لئے مالی اور نسبی تفاخر میں مبتلا لوگ کسی کو روشنی کی طرف لے جانے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ کسی کے مال کو بڑھانا یا کم کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اللہ نے سب لوگوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے مال اور نسب کبھی سیادت کے استحقاق کو ثابت نہیں کرتے۔

حاصل : قرآنِ پاک کو سحر قرار دینے والے یہ چاہتے تھے کہ اس کا نزول کسی بڑے مال دار اور بڑے نسب والے پر ہوتا، کہ سیادت کا استحقاق عموماً انہی امور پر ہوتا ہے، جب کہ فرمانِ الٰہی سے یہ ثابت ہے کہ سیادت بڑے علم والے اور بڑے صبر و استقامت والے کا حق ہے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٣٢﴾

کیا آپ کے ربّ کی رحمت وہ تقسیم کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے مابین حیاتِ دنیا میں معیشت کو تقسیم کیا، اور بعض کو بعض پر درجات میں رفعت دی، کہ ایک دوسرے کی خدمت کریں۔ اور آپ کے ربّ کی رحمت ان کی جمع سے بہتر ہے۔

قرآنِ پاک کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، جو سبؐ سے بڑے علم والا ہے۔ وہ اپنی رحمت کو اپنے علم سے تقسیم کرتا ہے۔ جس ذات بابرکات کو اس نے رحمۃٌ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، اس سے بہتر بندہ دائرۂ عبدیت میں کوئی ہو ہی نہیں سکتا، کہ اس شرف سے نہ پہلے کوئی نوازا گیا ہے، نہ آئندہ کوئی نوازا جائے گا۔ حیاتِ دنیا میں معیشت کی اہمیت ضرور ہے مگر اللہ جس کے رزق کو بڑھانا چاہے بڑھا دیتا ہے، جس کے رزق کو کم کرنا چاہے کم کر دیتا ہے، اور بعض کو بعض پر درجات میں بلند کر دیتا ہے، کہ لوگ اسی طرح ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں۔ معاشی طور پر کام لینے والے اور کام کرنے والے ایک درجے میں آجائیں، تو کام چل نہیں سکے گا، اس لئے ایسے معاشرے کا تصور ہی درست نہیں جس میں معاشی لحاظ سے سب ایک ہی درجے

میں ہوں۔ رحمتِ ربّی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے، کہ بندہ معطیؑ مطلق کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے جو کچھ لوگ جمع کرتے ہیں یہ اس کے مقابل بہت بہتر ہے۔

حاصل : رحمتِ ربّی، اللہ کے علم سے تقسیم ہوتی ہے۔ حیاتِ دنیا میں معیشت کی تقسیم بھی اللہ کا کام ہے۔ معاشی طور پر درجات کا موجود رہنا معاشرے کی زندگی ہے۔ مال و منال بندے کو ہر مقام پر پورا نہیں رکھ سکتا، رحمتِ خداوندی ہر مقام پر پورا رکھتی ہے، اس لئے مال و منال کے مقابل رحمتِ ربّی یقیناً بہتر ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایک ہی راہ پر چل کھڑے ہوں گے، تو ہم الرحمٰن کے منکروں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی ٹھہرا دیتے اور زینے بھی جن پر وہ چڑھا کرتے۔

متاعِ حیاتِ دنیا کی بہتات کسی کی پاکیزگی کا ثبوت نہیں ہوتی۔ قربِ الٰہی کے لئے یہ کوئی معیار نہیں ہے۔ اللہ نے تو یہ بھی مہربانی فرمائی ہے کہ اپنے منکروں کو اس قدر مال نہیں دیا کہ ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی ہوتیں اور ان کے زینے چاندی کے ہوتے جن پر وہ چڑھتے پھر بھی آخرت میں تو ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہوتا۔ مگر اس طرح متاعِ حیات کی بہتات کو دیکھ کر بہت لوگ انہی کی راہ کو اختیار کرنے لگتے، اور یہ بات کم لوگوں کی نظر میں رہتی کہ غریب، اللہ کے قریب رہنے کی بڑی اہلیت رکھتے ہیں۔ عطائے الٰہی کی تقسیم میں عالی ظرفی کا ثبوت کم لوگ ہی دے پاتے ہیں۔

حاصل : کافروں کی جمع جتھا سے مرعوب ہونا قطعاً درست نہیں ہے۔ غریب میں اللہ کے قریب رہنے کی اہلیت زیادہ ہوتی ہے۔

وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّکِئُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے تخت بھی چاندی کے کر دیتے، جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے۔

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ مال و منال کی طلب میں ایک ہی راہ پر چل کھڑے ہوں گے تو کافروں کو دنیا میں بڑے مال دیئے جاتے، ان کے گھروں کے دروازے چاندی کے ہوتے، ان کے تخت چاندی کے ہوتے جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھا کرتے، حیاتِ دنیا میں ان کے پاس بہت سی آسائشیں ہوتیں۔ یہ لوگ تو موجودہ متاعِ حیات کے ساتھ بھی فخر و غرور کی انتہا کو پہنچے ہوئے

ہیں، اگر یہ متاع بہت بڑی ہوتی تو ان کا حال کیا ہوتا۔

حاصل : متاع حیاتِ دنیا کی بہتات کو قربِ الٰہی کا ثبوت جاننا قطعاً درست نہیں۔ دنیاوی شان و شوکت کبھی پاکیزگی کی نشانی نہیں ہو سکتی۔

وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور طرح طرح کی آرائش، اور یہ سب حیاتِ دنیا کی متاع ہے، اور آخرت تمہارے رب کے نزدیک متقین کے لئے ہی ہے۔

ڈھیروں مال اور طرح طرح کی آرائش سب متاعِ حیاتِ دنیا میں ہی ہے۔ اس کا استعمال خلافِ حق ہو گا، تو انجام جہنم ہی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی تو ضرور ہو گی۔ وہاں ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا بھی دی جائے گی۔ جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے حصول کے لئے بطریقِ احسن استعمال کرتے ہیں، یہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی فلاح پانے والے ہیں۔

حاصل : زندگی کی آسائشیں جس قدر بھی کسی کو حاصل ہوں، اگر اس کا حال خلافِ حق ہے، تو وہ خسارے کے رخ پر ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے لوگ دنیا میں خوف و حزن سے بچے رہتے ہیں، آخرت میں تو فلاح ہے ہی ان کے لئے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاطر (36) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾

اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی اسے عاجز کر سکے، بے شک وہ علم والا، قدرت والا ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

اور جو الرّحمٰن کی نصیحت سے آنکھیں بند کرے، ہم اس پر ایک شیطان مقرر کرتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

جو خیر کو قبول نہ کرے، غیر اس کے گلے پڑ جاتا ہے، اور اس کے ساتھ رہتا ہے۔ انسانوں سے دشمنی کرنا اور انہیں انتہائی خسارے تک پہنچانا شیطان نے اپنا مقصدِ حیات بنالیا ہے۔ جو بھی اللہ کے مقابل شیطان کو دوست بنائے، وہ صریحاً خسارے میں پڑتا ہے۔ الرّحمٰن کی نصیحت یہ شان رکھتی ہے، کہ اس کے ماننے سے ماننے والے کا بھلا ہوتا ہے، اس نصیحت کے حق ہونے کی

سند موجود ہوتی ہے اور اس نصیحت کے پہنچانے والے کی طرف سے کسی اجر کا سوال نہیں کیا جاتا۔ جو شعور کی موجودگی میں اس نصیحت کا انکار کرے اور اس کے مقابل اپنی خواہش کی پیروی کرے، وہ خود اپنے لئے گمراہی کا انتخاب کرتا ہے۔

حاصل : الرّحمٰن کی نصیحت سے آنکھیں بند کرلینا بندے کا فعل ہے، حق کی بے قدری کرنے والے پر شیطان کو مقرر کر دینا سنتِ الٰہی ہے۔ بنی آدم سے دشمنی کرنے میں شیطان کبھی غفلت نہیں کرتا۔

وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٧﴾

اور وہ انہیں راہ سے روکتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت والے ہیں۔

راہِ حق سے بندے کو روکنے میں شیطان کو بڑی مہارت حاصل ہے۔ وہ بندے کے اعمال کو مزین کر کے اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ بندہ اپنے اعمال کو خوب جانتے ہوئے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ وہ ہوتا گمراہ ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ وہ ہدایت والا ہے۔ شیاطین کی دوستی، ایمان نہ لانے والوں سے ہی ہوتی ہے۔

حاصل : بندے کو راہِ حق سے روکنا شیطانی کام ہے۔ جو بندہ اپنے اعمال کی زینت پر راضی ہو جائے وہ شیطان کا دوست ہوتا ہے، اور سمجھتا یہ ہے کہ وہ ہدایت والا ہے۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ ﴿٣٨﴾

حتیٰ کہ جب ہمارے پاس حاضر ہو گا، کہے گا، کاش میرے اور تیرے مابین بعدا لمشرقین ہوتا، تو کیا ہی بُرا ساتھی ہے۔

انسان کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف واپس بھی جانا ہے۔ جو لوگ حق کو نہیں مانتے، شیطان ان کا ساتھی ہو جاتا ہے، اور شیطان اور اس کا قبیلہ بندوں کو وہاں سے دیکھتا ہے، جہاں سے وہ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ قیامت کے دن شیطان جلوت میں ہو گا، اور خسارے میں پڑنے والے کو نظر آئے گا، تو وہ کہے گا، کاش میرے اور تیرے مابین بہت فاصلہ ہوتا، تو کیا ہی بُرا ساتھی ہے۔ بُرا ساتھی وہ ہوتا ہے جو ہمیشہ خواہشات کی پیروی کی ترغیب دیتا رہے، انجام سے غافل رکھے، حق سے بھٹکاتا رہے اور جب اصلاح کا امکان ختم ہو جائے تو بندے پر اس ساتھی کی حقیقت واضح ہو اور بندہ اپنے ہاتھ چبا ڈالے اور کہے کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

حاصل : جزا کے دن بندہ شیطان کی دوستی کی حقیقت کو دیکھے گا تو کہے گا، کاش میرے اور تیرے مابین بہت فاصلہ ہوتا، تو کیا ہی بُرا ساتھی ہے۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور آج کے دن تمہیں ہر گز نفع نہ ہو گا جبکہ تم ظالم ٹھہر چکے ہو، تم عذاب میں بھی شریک ہو۔

گمراہ ہونے والے گمراہی کی ترغیب دینے والوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کریں گے، تو گمراہی کی ترغیب دینے والے یہ جواب دیں گے کہ ہمارا تو تم پر کچھ زور نہ تھا، تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔ تب یہ فرمایا جائے گا: کہ اب تمہیں اپنے ماضی پر افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا، تم خلافِ حق کرتے رہے ہو اور ظالم ٹھہر چکے ہو، تم اپنے کیے کا انجام پاؤ گے، تم عذاب میں بھی شریک ہو۔

حاصل: جزا کے دن کسی کا یہ کہنا کہ ہائے افسوس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اختیار کی ہوتی اور فلاں سے دوستی نہ کی ہوتی، کوئی فائدہ نہ دے گا۔ جو ظلم کے مقام پر ساتھ ہوں گے وہ عذاب میں بھی ساتھ ہوں گے۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

تو کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا اندھوں کو راہ دکھائیں گے اور ان کو جو صریحاً گمراہی میں ہیں۔

پیغامِ حق پہنچانے والے رضائے الٰہی کے حوالے سے اپنا کام کیے جاتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے لوگ ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہے ہیں۔ جو لوگ حق کو نہیں مانتے ان کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے، کہ وہ جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ جو حق کو سننے کی طلب نہ رکھتا ہو اس پر حق کا کیا اثر ہو سکتا ہے، جو راہِ حق کو پانے کی طلب نہ رکھتا ہو وہ راہِ حق کی کیا قدر کر سکتا ہے۔ نصیحت تو اسے فائدہ دیتی ہے جو دل رکھتا ہو، یا کان لگائے اور حاضر رہے۔ جو جان بوجھ کر گمراہی کو اختیار کرے اس کو ڈر سنانا یا نہ سنانا برابر ہے کہ وہ ایمان نہیں لایا کرتا۔ حق کا سنانا اسی کو فائدہ دیتا ہے جو اللہ کی آیات کو مانتا ہو اور اپنی تسلیم کو عملاً سچا ثابت کرے۔

حاصل: جو لوگ حق کو سننے کی طلب نہ رکھتے ہوں، راہِ حق کے قدردان نہ ہوں اور جان بوجھ کر گمراہی کو اختیار کریں، وہ کب ہدایت پا سکتے ہیں۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾

تو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو ان سے انتقام ضرور لیں گے۔

حق کو ماننے والے مسلم ہیں، حق کا صریحاً انکار کرنے والے مجرم ہیں اور مسلم و مجرم کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ماننے والوں کو انعامات سے نوازتا ہے، مجرموں سے انتقام لیتا ہے، اور انہیں عذابِ اکبر سے پہلے عذابِ ادنیٰ چکھاتا ہے کہ وہ رجوع ہوں۔ اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی پھر اس نے اعراض کیا۔ ایسے مجرموں سے انتقام لینا سنّتِ الٰہی ہے۔ اس انتقام کا وقت شاہد کے وصال کے بعد بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ جو بھی کرتا ہے بڑے علم سے کرتا ہے۔ اتمامِ حجت اللہ کی شان ہے۔ ورنہ اس کو پوچھنے والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

حاصل : حق پہنچانے والے کا کام اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔ اس کے مخالفین سے ان کے جرم کا انتقام لینا اللہ کی سنّت ہے۔ اللہ جن سے انتقام لے وہ عبرتناک انجام کو پہنچتے ہیں۔

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾

یا آپ کو دکھا دیں جو انہیں وعدہ دیا ہے، تو بےشک ہم ان پر مقتدر ہیں۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے، وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ مجرمین کے ساتھ جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اس عذاب کو ٹال دینا کسی قوت کے بس میں نہیں ہو سکتا۔ اس عذاب سے بچ نکلنا بھی کسی کے لئے ممکن نہیں ہو سکتا۔ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے، اس سے سبق لینا عقل مندی ہے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ماضی میں جن قرون کو عبرتناک ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا ہے، اور ہم ان کے مساکن میں چل پھر رہے ہیں، وہ ہم سے قوت میں بڑھ کر تھے۔ ان کے پاس متاعِ حیات بھی کم نہ تھی۔

حاصل : ماضی سے سبق لینا چاہئے۔ حال پر اصلاح کو قبول کرنا بڑی عقل مندی ہے، ورنہ مجرم اللہ کے انتقام سے نہ کبھی بچے ہیں نہ کبھی بچ سکیں گے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

تو مضبوط تھامے رہو جو تمہاری طرف وحی فرمایا گیا ہے، بےشک تم صراطِ مستقیم پر ہو۔

قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کو ماننے کا بہترین نمونہ ہیں۔ حق کو مضبوطی سے تھامنے کی صورت یہی ہے کہ قولاً طاغوت کا انکار کیا جائے اور اللہ پر ایمان لایا جائے اور عملاً اپنے رخ کو اللہ تعالیٰ کی طرف درست رکھا جائے اور احسان کیا جائے۔ جو حق کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے وہ یقیناً صراطِ مستقیم پر ہے۔

حاصل : حق کو ماننے کے بہترین نمونے کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے، ہماری تصدیق شاہدین کریں گے تو ہمارے صراطِ مستقیم پر ہونے کا ثبوت ملے گا۔ طاغوت کا انکار اور اللہ پر ایمان قولاً حق

کو مضبوطی سے تھامنا ہے، تسلیم و رضا اور احسان عملاً حق کو مضبوطی سے تھامنا ہے، اور حق کو مضبوطی سے تھامنے والا صراطِ مستقیم پر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور بے شک یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے نصیحت ہے، اور عنقریب تم سے سوال ہوگا۔

قرآنِ پاک حق ہے، جس ذات پاک پر یہ نازل فرمایا گیا ہے، اس نے نصیحت کی ایسے قدر کی ہے کہ آپ کا اتباع تاقیامت ہدایت پانے والوں کی نشانی ہے۔ اس نصیحت میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے۔ یہ نصیحت علم مطلق سے کی گئی ہے۔ نصیحت پہنچانے والے اس کے ساتھ کبھی اجر کا سوال نہیں کرتے۔ اس نصیحت کے ماننے میں ماننے والے کا بھلا ہے، اس کے انکار میں منکر کا خسارہ ہے۔ لوگوں سے عمل کے لئے دی گئی توفیق کے خاتمے کے بعد یہ پوچھا جائے گا، کہ تم نے حق کی کیا قدر کی اور گمان کے مقابل اسے کس قدر اہمیت دی۔ اسے عنقریب اس لئے کہا گیا ہے کہ عمل کے لئے دیا گیا وقت مسلسل خاتمے کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔

حاصل: قرآنِ پاک ہمارے لئے نصیحت کا وہ معیار ہے، کہ جس کو ماننے کا ثبوت ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہر مقام پر نظر آنا چاہئے۔ ہم سے اس نصیحت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ہم نے اس کی کیا قدر کی۔

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

اور جو رسول ہم نے آپ سے قبل بھیجے ہیں ان سے سوال کیجئے، کیا ہم نے الرحمٰن کے مقابل اور معبود ٹھہرائے ہیں، جن کی عبادت ہو۔

حق ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا جاتا رہا ہے، مرسلین اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا دین ہمیشہ اسلام ہی رہا ہے۔ مرسلین سے یہ سوال کرنے کا شرف اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا، کہ جو رسول ہم نے آپ سے قبل بھیجے ہیں، ان سے پوچھ لیجئے، کیا ہماری تعلیم میں کبھی شرک کا کوئی مقام موجود تھا۔ کیا ہم نے الرحمٰن کے مقابل کبھی اور معبود ٹھہرائے ہیں، جن کی بندگی کی اجازت دی گئی ہو۔ اس سے صاف روشن ہوتا ہے، کہ اللہ کے کسی رسول نے شرک کی تعلیم نہیں دی، اور اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت ہمیشہ شرک سے پاک رہی ہے۔

حاصل: مرسلین کی تعلیمات ہمیشہ شرک سے پاک تھیں۔ ماضی کے مرسلین سے سوال کرنے کا

شرف اللہ عطا کرے تو ممکنات کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے۔ الرحمٰن کے مقابل کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (7) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾

اے لوگو اس کا اتباع کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے مقابل والوں کا اتباع نہ کرو۔ بہت ہی قلیل نصیحت مانتے ہو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٦﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تو آپ نے بتایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

ماضی حال کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے، حال ماضی کی شہادت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ آلِ فرعون مفسد تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا۔ آپ نے ان کے سامنے اپنی رسالت کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ مجھے رب العالمین نے تم لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کے بارے میں وہی بات کرتا ہوں جو حق ہے۔ فرعون یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ ربِ اعلیٰ ہے، ربِ العالمین کے رسول کو سامنے پاکر اس نے مستقبل میں بہت سے خدشات کو دیکھا، مگر بعض خدشات کو بیان کرنا اس کے لئے مشکل تھا کہ اس طرح اس کے ربِ اعلیٰ ہونے کا دعویٰ ہی باطل ہو جاتا۔

حاصل : اتمامِ حجت کرنا اللہ کی شان ہے۔ راہِ راست دکھانے کا اہتمام اللہ ضرور کرتا ہے، کوئی حق کو مانے یا نہ مانے۔ ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا دی جائے گی۔

فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤٧﴾

پھر جب آپ ان کے پاس ہماری نشانیاں لائے، جبھی وہ آپ کی تضحیک کرنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب العالمین کا رسول ہونے کا دعویٰ کیا، تو فرعون نے کہا اپنی صداقت کا ثبوت لاؤ۔ آپ نے حکمِ الٰہی کے مطابق اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیا وہ فوراً اژدہا بن گیا۔ فرعون پر اس نشانی کا اثر ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا، تو وہ چمکنے لگا۔ یہ نشانی بھی بڑی روشن تھی، اور ان نشانیوں کی وضاحت سے وہ لوگ عاجز تھے۔ طلبِ ہدایت سے وہ لوگ عاری تھے، اس لئے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑانے لگ گئے اور کہنے لگے یہ

تو صریحاً جادو ہے، اور یہ جادوگر ہے بڑے علم والا، مگر اس کا مقابلہ جادوگروں سے کرایا جا سکتا ہے۔

حاصل : حق پہنچانے والے کے پاس اس کی صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ منکرینِ حق، حق پہنچانے والوں کی تضحیک میں اپنی عافیت دیکھتے ہیں مگر یہی تضحیک انہیں ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔

وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ۖ وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾

اور ہم انہیں جو نشانی دکھاتے وہ پہلے سے بڑی ہوتی، اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا کہ وہ رجوع کریں۔

آل فرعون کو حق کی نشانیاں دکھائی جاتی رہیں۔ ہر نشانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو روشن کرتی تھی اور ایک سے ایک بڑھ کر تھی۔ ان لوگوں پر قحط کا مقام آیا، ثمرات کی کمی کا مقام آیا، طوفان آیا، ٹڈیوں کا عذاب آیا، جوؤں کا عذاب آیا، مینڈکوں کا عذاب آیا اور خون کا عذاب آیا۔ ان کو ہر عذاب میں یہ نظر آیا کہ ان کا رخ درست نہیں تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے احاطے میں تھے اور قدرتِ الٰہی کے سامنے کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔ مصائب و آلام کی یہ صورتیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں مدد دینے کے لئے تھیں۔

حاصل : اتمامِ حجت کرنا اللہ کی شان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نشانیاں بھی آلِ فرعون کو دکھائی گئیں، ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت ملتا تھا۔ مصائب و آلام، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾

اور کہنے لگے اے ساحر ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر، اس عہد کے سبب جو تمہارے پاس ہے، ہم ضرور ہدایت پانے والے بنیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کو اللہ نے اپنے علم سے واضح کیا۔ آل فرعون دکھ میں ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ درخواست کرتے کہ آپ مہربانی کیجئے، ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے، اس نے آپ کو بڑا شرف عطا فرمایا ہے۔ آپ کی دعا سے یہ دکھ دور ہو جائے تو ہم آپ کی معیت اختیار کر لیں گے اور ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ دکھ کے وقت میں بھی ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر ہی کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعویٰ یہ کیا تھا کہ وہ رب العالمین کے رسول ہیں اور ساحر تو اللہ کا رسول ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ رہے تھے کہ آل فرعون اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت کو ضائع کرتے ہوئے مسلسل ہلاکت کی طرف بڑھ رہے ہیں، مگر آپ نے اپنے حق کو ادا کرنے میں کبھی کوتاہی

نہیں کی۔ آلِ فرعون کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرتے ہوئے آپ وہ سب کچھ کرتے رہے جو اللہ کی رضا کے لئے آپ کو کرنا تھا۔

حاصل : متکبّر کے نزدیک اخلاقی قدریں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ خواہشات کو معبود بنانے والے، حدود اللہ کو کب مانتے ہیں۔ وہ دکھ کے وقت یہ کہتے ہیں، کہ یہ دکھ دور ہو جائے تو ہم ہدایت والے بنیں گے، مگر اس عہد کے پیچھے کوئی سنجیدگی نہیں ہوتی۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٥٠﴾

پھر جب ہم ان پر سے عذاب کو کھول دیتے جبھی وہ عہد سے پھر جاتے۔

وقتِ عذاب میں آل فرعون یہ عہد کرتے تھے کہ ان کے لئے دعا کی جائے اور عذاب ان سے ٹل جائے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزادی دے دیں گے۔ مگر جب ان پر سے عذاب کو ٹال دیا جاتا تو وہ اپنے عہد سے پھر جاتے تھے۔

حاصل : متکبّر لوگوں کا رویہ دکھ کے وقت میں اور طرح کا ہوتا ہے، دکھ کے وقتی طور پر ٹل جانے سے ان کا رویّہ بالکل بدل جاتا ہے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٥١﴾

اور فرعون نے اپنی قوم کو پکارا اے میری قوم، کیا مصر کی سلطنت میری نہیں اور میرے تحت یہ نہریں جاری نہیں، تو کیا تم دیکھ نہیں رہے۔

فرعون نے اپنی قوم کو دعوتِ فکر و نظر دی، انھیں اپنی طرف متوجہ کر کے ان سے کہا : کیا مصر کی بادشاہی میرے لئے نہیں ہے، اور کیا یہ بادشاہی میری عظمت کا ثبوت نہیں ہے۔ میری شان و شوکت تمہارے سامنے ہے۔ کیا میرے محل کے نیچے نہریں جاری نہیں ہیں۔ اس سے بڑی شان ہو بھی کیا سکتی ہے۔ کیا تم لوگ دیکھ نہیں رہے۔ اللہ کو اگر حق نازل کرنا ہی تھا تو مجھ سے زیادہ کون موزوں ہو سکتا تھا۔

حاصل : متکبّر کے نزدیک اس کا دائرہ اختیار اور اس کی عالی شان رہائش گاہ، اس کی عظمت کی وہ اسناد ہوتی ہیں، جن کو بہت قدر کی نظر سے دیکھا جانا چاہئے۔

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ

کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو حقیر

وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

آدمی ہے اور صاف بیان کرتا بھی معلوم نہیں ہوتا۔

فرعون نے اپنی سلطنت کی نشانیاں اپنی قوم کے سامنے بیان کرنے کے بعد، ان لوگوں سے تقابل کر کے نتیجہ اخذ کرنے کو کہا، کہ آزاد قوم کے سردار اور بادشاہ کے سامنے غلام قوم کے ایک نادار آدمی کی حیثیت کیا ہے۔ پھر خطابت کے حوالے سے اس کے بیان کو دیکھا جائے تو اس کا بیان اعلیٰ پائے کا نہیں ہے۔ جہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کے عقدے کا تعلق ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ نے حل فرما دیا تھا۔ فرعون اپنی قوم سے یہ کہہ رہا تھا کہ ربّ العالمین کا رسول ہونے کا دعویٰ کرنے والا، زور خطابت بھی نہیں رکھتا۔

حاصل: قیادت و سیادت پر اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لئے لوگوں کو اپنے عالی مرتبہ ہونے کا احساس دلانا اور ان کے سامنے اپنے زور خطابت کا بالواسطہ ذکر کرنا، فرعون صفت لوگوں کا کام ہے۔ ماضی میں بھی یہی ہوتا رہا ہے، اب بھی یہی ہو رہا ہے۔

فَلَوْلَآ أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

تو اسے سونے کے کنگن کیوں نہ ڈالے گئے، یا اس کی معیت میں ملائکہ آتے کہ اس کے پاس رہتے۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو موضوع بناتے ہوئے اپنا زور خطابت دکھایا اور کہا کہ اللہ کے رسول کی شان بہت بلند ہونی چاہئے تھی، اسے سونے کے کنگن پہنائے گئے ہوتے کہ اس کی فضیلت لوگوں کو نظر آتی۔ یا یہ ہوتا کہ ملائکہ اس کے ساتھ آتے اور اس کی شان و شوکت کو بڑھاتے نظر آتے۔ اور یہاں جو کچھ ہے وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو، کیا ایسا شخص ربّ العالمین کا رسول ہو سکتا ہے۔

حاصل: اللہ کا چناؤ، اللہ کے علم سے ہوتا ہے اور اللہ کا علم ہی سب سے بڑا علم ہے اس لئے اللہ کے انتخاب سے بہتر کوئی انتخاب ہو نہیں سکتا۔ سونے کے کنگن کبھی رسالت کی نشانی نہیں ٹھہرائے گئے۔ ملائکہ اسی وقت صاحبانِ حق کی مدد کو آتے رہے ہیں جب حجت پوری ہو چکی ہوتی تھی۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَأَطَاعُوْهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾

تو اس نے اپنی قوم کو بے حیثیت کر دیا، پھر انہوں نے اسی کی اطاعت کی، بے شک وہ قوم فاسق تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کی روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد بھی آلِ فرعون نے فرعون کی بے سند باتوں کو وقعت دی، اور اپنی حیثیت کو بے معنی کر لیا۔ جب یہ احساس ہی نہ رہے کہ زینتِ حیاتِ دنیا ہمارے لئے ہے اور ہم زینتِ حیاتِ دنیا کے لئے نہیں ہیں، تو بندے کا وزن ختم ہو جاتا ہے، اور وہ بے حیثیت ہو جاتا ہے۔ بے حیثیت جس کو بھاری دیکھتا ہے اسی کی اطاعت کرتا ہے۔ آلِ فرعون حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے میں لگے رہے، اس لئے یہ فاسق لوگ تھے۔

حاصل : حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی جو لوگ زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بناتے ہیں وہ اپنی حیثیت کو ختم کر لیتے ہیں، اور اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کو بھاری جانتے ہیں۔ حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے والے فاسق ہوتے ہیں۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾

پھر جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا، تو ہم نے ان سے انتقام لیا، تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

حق کو ماننے والے لوگوں کو ظلم کا نشانہ بنانے سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ آل فرعون نے بنی اسرائیل پر وہ ظلم توڑے جن کا ذکر کرنا بھی بہت تکلیف دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت بھی دی، حق کی روشن نشانیاں بھی دکھائیں مگر وہ لوگ ظلم میں بڑھتے چلے گئے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر حجت پوری ہو گئی، تو اللہ نے ان لوگوں سے انتقام لیا۔ یہ سب آلِ فرعون اپنی پوری تیاری کے ساتھ بنی اسرائیل کی سرکوبی کے لئے نکلے، بنی اسرائیل کو اللہ نے دریا سے گزرنے کا راستہ دیا، اسی راستے پر آلِ فرعون بھی چلے تو یہ سب غرق کر دیے گئے۔

حاصل : اللہ کو ناراض کرنا باعث ہلاکت ہوتا ہے۔ اللہ جس سے انتقام لے وہ دوسروں کے لئے باعثِ عبرت بن جاتے ہیں۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

پھر انہیں داستانِ ماضی ٹھہرا دیا اور پچھلے لوگوں کے لئے مثال بنا دیا۔

آل فرعون کو اللہ نے اس طرح صفحہ ہستی سے مٹایا کہ وہ داستانِ ماضی ہو گئے، اور وہ قوم جو کمزور کر دی گئی تھی اور جس کی تذلیل میں آلِ فرعون کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے، اس زمین کے مشرق و مغرب کی وارث بنا دی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے ہی فرما چکے تھے کہ اے بنی اسرائیل عنقریب تمہارے دشمن کی جگہ تمہیں خلافت دی جائے گی پھر دیکھا جائے تم کیسے عمل کرتے ہو۔ آلِ فرعون کی بناوٹوں کو برباد کر دیا گیا، اور ان فاسق لوگوں کو پیچھے آنے والوں کے لئے مثال بنا دیا گیا۔ ماضی سے سبق سیکھنے والے اس مثال کو سامنے رکھتے ہیں، اور جو اس مثال سے سبق نہیں لیتے وہ اسی راہ کو اختیار کئے ہوئے ہیں جس پر آلِ فرعون عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہیں۔

حاصل : جو حق کی روشن نشانیوں کو دیکھ لینے کے بعد بھی خلافِ حق کرنے سے باز نہ آئے وہ قصۂ ماضی بنا دیا جاتا ہے، اور پیچھے آنے والوں کے لئے مثال بنا دیا جاتا ہے۔

شہادت : غافل لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ وہ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، سب نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، ان کے متعلق سورہ الاعراف (7) میں یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ﴿١٤٦﴾

اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اسے اختیار نہیں کرتے، اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اسے جھٹ اختیار کر لیتے ہیں۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾

اور جب ابنِ مریم کی مثال بیان کی جاتی ہے جبھی تمہاری قوم اس پر چیخنے لگتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی یہ بات روشن تھی کہ اللہ کی بندگی کی جائے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانا ہے انہوں نے آپ کی تعلیمات کا انکار کیا ہے۔ آپ تو پالنے میں ہی اپنے عبداللہ ہونے کا اعلان کر چکے تھے۔ جو لوگ اس بات پر چیخنے لگتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش ہو سکتی ہے تو ملائکہ کی کیوں نہیں ہو سکتی وہ حق کو سنتے ہی نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو کبھی لوگوں کو شرک کی تعلیم نہیں دی۔

حاصل : حق وہ ہے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور شاہدین نے اس پر عمل کر کے لوگوں کو دکھایا ہے۔ شاہدین کے نام پر لوگوں کے بے سند نظریات کبھی حق نہیں ہو سکتے۔

وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾

اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ یہ بات وہ محض جھگڑے کے لئے کرتے ہیں، بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔

مشرکین یہ کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ قرآن پاک تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے تھے، پھر مشرکین کے معبودوں سے ان کا تقابل کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ بے سند بات محض جھگڑا کرنے کے لئے کہی جاتی ہے، اور جھگڑالو لوگ ایسی باتیں کرتے ہی ہیں۔

حاصل : حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، مشرکین کے معبودوں سے ان کا تقابل کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جھگڑالو لوگ، جھگڑا کھڑا کرنے کے لئے بے سند باتیں بناتے رہتے ہیں۔

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾

وہ تو بندے تھے جس پر ہم نے انعام فرمایا اور بنی اسرائیل کے لئے آپ کو مثال بنایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مثلِ آدم علیہ السلام فرمایا گیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا، پھر "کن" فرمایا گیا تو آپ ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ سند نازل فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ کے انعام یافتہ بندے تھے، اور بنی اسرائیل کے لئے مثال تھے۔ جب آپ نے بنی اسرائیل کے عقائد کو خلافِ حق دیکھا تو فرمایا: کون ہیں جو اللہ کی طرف میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے ساتھ ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صراطِ مستقیم کو روشن کر دیا اور بنی اسرائیل کے عقائد کو درست کر دیا۔

حاصل: اللہ کے انعام یافتہ بندے کے اتباع سے فلاح حاصل ہوتی ہے۔ عقیدہ درست ہو تو رخ درست ہوتا ہے، اور رخ درست ہو تو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَٰٓئِكَةً فِى ٱلْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾

اور اگر ہم چاہتے، تو تم ہی میں سے ملائکہ ٹھہرا دیتے، کہ زمین میں خلیفہ ہوتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بن باپ کے پیدا کیا، تو یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کے بعد کہ وہ عبداللہ ہیں، انہیں معبود ٹھہرانا بالکل بے سند بات ہے اور ان کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے۔ اللہ کی قدرت اور مشیّت جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ اللہ کو اگر یہ پسند ہوتا کہ بنی آدم میں سے فرشتہ صفت لوگ پیدا ہوں اور وہ زمین میں حکومت کریں، تو اللہ کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں تھا۔ فرشتے کی یہ صفت ہے کہ وہ خواہش نہیں رکھتا اور امرالٰہی کے مطابق کام کرتا ہے، بندے کی یہ صفت ہے کہ خواہش کی موجودگی میں امرِالٰہی کے مطابق کام سرانجام دے سکتا ہے اور وہ بنی آدم کے لئے لائقِ اتباع ہے، فرشتہ بنی آدم کے لئے لائقِ اتباع نہیں ہے۔

حاصل: اللہ کی قدرت اور مشیّت سے ہی ہوتا ہے جو بھی ہوتا ہے۔ اللہ کے کاموں میں بڑی حکمت ہوتی ہے، اس حکمت کا پتہ اسی کو لگ سکتا ہے جو اللہ کو مانتا ہو۔

وَإِنَّهُۥ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَٱتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾

اور بے شک یہ ساعت کے لئے علم ہے، تو تم اس میں شک نہ کرو، اور میرا اتباع کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

قرآن پاک قیامت کے بارے میں جو علم دیتا ہے، اس کے ماننے میں ہی بندوں کی فلاح ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی تو ہیں مگر انہیں قیامت کا علم کہنا درست نہیں ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو حال پر دعوتِ خیر دے رہے تھے، آپ کا اتباع حال پر ہی ہونا تھا اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی بات بھی حال سے تعلق رکھتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں شک نہ کرنے سے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور صراطِ مستقیم کا حصول کیسے ممکن ہے۔

حاصل : قرآن پاک قیامت کے بارے میں علم کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں شک کرنے والا فلاح نہیں پاتا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہی صراط مستقیم ہے۔ آپ کے تابعین کا اتباع بھی آپ کا ہی اتباع ہے، اور قیامت تک یہ سلسلۂ شاہدین جاری رہے گا۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

اور کہیں شیطان تمہیں سیدھی راہ سے روک نہ دے، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

شیطان نے بنی آدم سے دشمنی کو اپنا مقصدِ حیات بنالیا ہے۔ سیدھی راہ پر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھات لگا کر بیٹھنا اس کا طریقہ ہے۔ سیدھی راہ یہ ہے کہ حق کو مانا جائے، اس میں شک نہ کیا جائے اور شاہدین کا اتباع کیا جائے۔ شیطان سے اپنی حفاظت اسی طرح ممکن ہوتی ہے، کہ کبھی حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت نہ دی جائے، حق کی سند دیکھ لینے کے بعد کبھی شک نہ کیا جائے اور بنی آدم سے شیطان کی دشمنی کو کبھی بھلایا نہ جائے۔

حاصل : بندوں کو سیدھی راہ سے روکنے میں شیطان کبھی غفلت نہیں برتتا، شیطان سے اپنی حفاظت کرنے میں کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾

اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) روشن نشانیاں لائے، فرمایا میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور بعض وہ باتیں واضح کرنے کے لئے جن میں تم اختلاف رکھتے ہو، تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ بتایا، کہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں، میری صداقت کا ثبوت دیکھو: تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، تمہیں دانائی سکھانا میرا منشاء ہے۔ جو دین میں تمہیں سکھاؤں گا یہ نیا دین نہیں ہے، وہی اسلام ہے جو پہلے تمہیں سکھایا گیا تھا اور تم اس کی اصل کو چھوڑ کر فروعات میں پڑ چکے ہو۔ جب حق صرف کچھ الفاظ اور کچھ رسومات کا نام ہو جائے تو اختلاف کا پیدا ہونا اور بڑھنا قدرتی ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو یہ بتایا کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے اذن سے پرند ہو جاتی ہے۔ اور میں پیدائشی اندھے کو اچھا کرتا ہوں، برص والے کو اچھا کرتا ہوں، میں اللہ کے حکم سے مُردے زندہ کرتا ہوں، اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ توریت کی تصدیق کرتا ہوں، اور بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں، اب اللہ کے حکم سے حلال کرتا ہوں۔ تم لوگ اللہ سے ڈرو گے اور میری اطاعت کرو گے تو تمہارا بھلا ہو گا۔ حیاتِ دنیا میں تم صراطِ مستقیم پر رہو گے، آخرت میں تمہیں جنّت نصیب ہو گی۔

حاصل: جب لوگ حق کو شاہدین کے حوالے سے مانتے ہوں تو اختلاف کا کوئی مقام نہیں ہوتا، جب حق کو اپنی پسند کے مطابق بنانے کی راہ اختیار کی جائے تو اختلافات کا پیدا ہونا اور بڑھنا قدرتی بات ہے۔ جزا کا یقین رکھنا اللہ سے ڈرنا ہے، اور شاہد کی بات کو جانتے ہوئے ماننا اور نہ جانتے ہوئے ماننا اس کی اطاعت ہے۔

إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَٱعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾

بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا ربّ ہے، تو اسی کی عبادت کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو بتایا، کہ مجھے انعامات سے نوازنے والا اللہ ہی ہے۔ وہی مجھے پالتا ہے، وہی تم لوگوں کو پالتا ہے، وہی عالمین کو پالتا ہے۔ عبادت اسی کی شان کے لائق ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ صراطِ مستقیم یہی ہے کہ حکم اللہ کا مانا جائے اور نمونہ اس معیار کو بنایا جائے جو اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔

حاصل: اللہ کے ہر رسول کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی لوگوں کو یہی بتایا ہے کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا ربّ ہے، تو اسی کی بندگی کرو، یہی صراطِ مستقیم ہے۔

فَٱخْتَلَفَ ٱلْأَحْزَابُ مِنۢ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾

تو ان گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ تو ظالموں کی خرابی ہے، ایک المناک دن کے عذاب سے۔

جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کو سنا اور ادب سے آپ کی اطاعت کی، آپ کو اللہ کی بندگی کرنے والا اکمل نمونہ جانتے ہوئے آپ کا اتباع کیا، وہی سچے ثابت ہوئے۔ جن لوگوں نے آپ کی تعلیمات کو اپنی پسند کے معنی دیئے وہ گروہوں میں بٹ گئے اور آپس میں اختلاف کرتے کرتے حق سے دور ہوتے گئے۔ خلافِ حق کرنے والے ظالم ہیں۔ ان ظالموں کو جزا کے دن کا یقین نہیں ہے۔ ان ظالموں کے لئے وہ دن بڑے دردناک عذاب کا دن ہو گا۔ اس دن یہ بہت سنیں گے اور بہت دیکھیں گے، مگر آج یہ حق کو سن کر ان سنا کر دیتے ہیں، اور دیکھے ہوئے کو بھی اہمیت نہیں دیتے۔

حاصل : تفرقہ بازی اور اختلاف حق کو نہ ماننے والوں میں ہوتا ہے۔ ظالموں کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا۔ قیامت کے دن ان کو المناک عذاب کا سامنا ہو گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾

کاہے کے انتظار میں ہیں سوائے اس کے کہ قیامت ان پر اچانک آجائے اور انہیں شعور بھی نہ ہو۔

منکرین حق کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ یہ لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی نصیحت کی بےقدری کرتے چلے جا رہے ہیں، اور عمل کے لئے دی گئی مہلت مسلسل کم ہو رہی ہے۔ اس غفلت کا انجام یہی ہو سکتا ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت ان پر اچانک آجائے اور یہ اس کے لئے بالکل تیار نہ ہوں۔ حیاتِ دنیا کے خاتمے کے ساتھ ہی یہ واضح ہو جائے گا کہ کیا کیا جانا چاہئے تھا اور کیا کیا جاتا رہا، مگر اس وقت اصلاح کو قبول کرنا اور عملاً اپنی صداقت کا ثبوت دینا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : دیکھنا چاہئے کہ جو راستہ ہم نے اختیار کر رکھا ہے، اس کا انجام کیا ہو گا، اور کیا ہم غفلت میں پڑے، وقت کو ضائع تو نہیں کرتے چلے جا رہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

اس دن گہرے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، سوائے متقین کے۔

جس دوستی کی بنا خواہشات پر ہو، غرض و غایت پر ہو، وہاں رخ کبھی درست نہیں ہو گا، وہاں دوست کی بھلائی کبھی پیشِ نظر نہیں ہو گی۔ قیامت کے دن جب اپنے کئے کا انجام سامنے آجائے گا، تو خلاف حق کرنے والے دوست، خسارے میں پڑنے کا سبب نظر آئیں گے، اور قابلِ نفرت معلوم ہوں گے۔ متقین کی شان ملاحظہ ہو کہ ان کی دوستی دنیا میں بھی قائم رہتی ہے، آخرت میں بھی قائم رہے گی۔ جزا کا یقین اور شاہد کا اتباع، اللہ سے ڈرنے والوں کی طریقت ہے، یہی درست رویّہ ہے۔

حاصل : ہماری دوستی اسی سے ہونی چاہئے جو جزا کا یقین رکھتا ہو اور شاہد کا اتباع کرے، کہ باقی سب دوستیاں بے حقیقت ہوتی ہیں۔

شہادت : قیامت کے دن کافر کہیں گے۔

فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوا لَنَآ أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵۳﴾

تو ہیں کوئی ہماری شفاعت کرنے والے کہ ہماری شفاعت کریں، یا ہم واپس بھیجے جائیں، کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں۔ بے شک انہوں نے اپنی جانیں خسارے میں ڈالیں اور گم ہو گئے جو افترے وہ باندھتے تھے۔

يَٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۶۸﴾

اے میرے بندو آج کے دن نہ تمہیں خوف ہو گا اور نہ تم محزون ہو گے۔

قیامت کے دن فلاح پانے والوں سے فرمایا جائے گا، اے میرے بندو آج کے دن تم کو خوف بھی نہیں ہو گا اور تمہیں غم بھی نہیں ہو گا۔ خوف اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے، حزن اپنے متعلقین کے بارے میں ہوتا ہے۔ یہ کلمہ مومنین کے لئے اس قدر راحت کا باعث ہو گا کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ مالکِ یوم الدین سے اپنی بندگی کی قبولیت کی سند پائیں گے تو ان کے وجود میں قربِ الٰہی سے ایسی کیفیت پیدا ہو گی، جس کو محسوس کیا جا سکتا ہے، مگر اس کو بیان کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : فیصلے کے وقت، اللہ کے بندوں کو ان کی بندگی کی قبولیت کی سند اس طرح دی جائے گی کہ انہیں بتایا جائے گا، کہ آج کے دن تم کو خوف و حزن نہیں ہو گا۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۶۹﴾

وہ جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور مسلمان رہے۔

جن کی بندگی اللہ کے ہاں قبول ہو گی، یہ ان کی صفات ہیں، کہ انہوں نے حق کو مانا اور عملاً فرماں بردار رہے۔ جس کی زبان پاک ہو اور ہاتھ امین ہو، وہ اپنے قول کو عمل سے سچا ثابت کرتا ہے۔

حاصل : آیات قرآن پر ایمان لانا اور اپنے آپ کو عملاً سچا ثابت کرنا، اللہ کی بندگی ہے۔

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿۷۰﴾

تم اور تمہارے ساتھی جنت میں داخل ہو جاؤ، بڑی خوشی اور شادمانی کے ساتھ۔

جو تعلق صداقت پر مبنی ہے وہ حال پر بھی باعث راحت ہوتا ہے آخرت میں تو ہو گا ہی۔ اللہ کی آیات پر ایمان لانے والے اور مسلمان رہنے والے لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو گا، اور انہیں بڑی خوشی اور شادمانی سے نوازا جائے گا۔

رخ کا حق کے مطابق ہونا اور طلب ہدایت رکھنے والوں کی قدر کرنا یہ ساتھ رکھنے کا علم ہے۔

حاصل : خیر کا رخ رکھنے والوں کی قدر کرنی چاہئے اور ان کی عزّت افزائی کرنی چاہئے۔

يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾

ان پر سونے کے پیالوں اور جاموں کا دور ہو گا اور وہاں ہے جو ان کا جی چاہے گا اور آنکھیں جس سے لذّت اٹھائیں گی، اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

جنت کی حقیقت راحت ہے۔ جنّتی حضرات کو خدائی مہمان ہونے کا شرف ملے گا، تو ان کو عطا ہونے والے کھانے اور مشروب کی عمدگی کے ساتھ، عطا کا طریقہ بھی اپنی ایک شان رکھتا ہو گا، کہ وہ برتن نہایت نفیس ہوں گے جن میں وہ نعمتیں دی جائیں گی، اور نعمتیں اس قدر نظر کو بھائیں گی کہ ان کے دیکھنے سے بھی خوشی ہوگی، اور راحت کے اس مقام پر ہمیشہ رہنے کا حکم ہو گا۔

حاصل : کھانے کی افادیت کے ساتھ، اس کے پیش کرنے کا طریقہ بھی مہمان نوازی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کھانا اور مشروب نظر کو بھانا چاہئے۔ دائمی پاک دامنی کا انعام دائمی راحت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو گا۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾

اور یہ ہے وہ جنّت جس کے تم وارث بنائے گئے اپنے اعمال کی بدولت۔

جنت کی نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ اہلِ جنت کو دائمی راحت سے نوازنے کے بعد یہ بتایا جائے گا، کہ جس جنت کے تم وارث بنائے گئے ہو، یہ تمہیں تمہارے اعمال کی بدولت دی گئی ہے۔ تم نے وہ کیا جو اللہ کی رضا کے حصول کے لئے تمہیں کرنا چاہئے تھا۔ تمہارے صالح اعمال نے تمہارے دعویٰ ایمان کو سچا ثابت کیا۔

حاصل : جن اعمال کی بدولت جنت نصیب ہو گی، وہ اعمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہیں۔

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾

تمہارے لئے اس میں کثیر میوے ہیں کہ تم ان میں سے کھاؤ گے۔

جنت میں پھل بہت ہوں گے، افادیت کا پہلو تو اللہ نے رکھا ہی ہوا ہے، کہ اس نے کسی شے کو بے مقصد بنایا ہی نہیں۔ جو پھل، کھانے والے پسند کریں گے، وہی انہیں عطا ہوں گے، اور وہ ان کے لئے باعثِ راحت بھی ہوں گے۔ ان پھلوں کی تازگی، عمدگی اور کثرت لاجواب ہوگی۔

حاصل : مہمان نوازی میں پھلوں کا پیش کرنا بڑی بات ہے کہ اللہ نے اس طریقے کو پسند فرمایا ہے۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ بے شک مجرم، جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مجرمین کو یہ گمان ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر نہیں جانا، وہ من مانی کرتے ہوئے ظلمات میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ غفلت ان کا احاطہ کئے رکھتی ہے۔ حق کی دائمی مخالفت کو وہ اپنا کام جانتے ہیں۔ ان کے کئے کی جزا جہنم کا دائمی عذاب ہے، اس لئے وہ اس میں پڑے رہیں گے۔

حاصل : اللہ کی روشن نشانیوں کو دیکھ کر غفلت میں پڑنا اور حق کی دائمی مخالفت کو اپنا کام جاننا مجرمین کا طریقِ زندگی ہے۔ ان کو ان کے کیے کی جزا جہنم کے دائمی عذاب کی صورت میں ملے گی۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وہ کبھی ان پر سے ہلکا نہیں ہو گا اور وہ اس میں بے آس پڑے رہیں گے۔

مجرمین کو جہنم کے دائمی عذاب میں ڈالا جائے گا، تو یہ ان کی اپنی کمائی ہوگی۔ حق کی مخالفت میں پورا اور مسلسل زور لگانے والوں سے عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا، اور ان لوگوں کو یہ آس بھی نہیں ہوگی کہ جس عذاب میں وہ پڑے ہوئے ہیں وہ کبھی ختم ہو گا۔ بے آس ہونے سے سزا کی شدت بڑھ جاتی ہے۔

حاصل : کسی کو آگ کی سزا دینا صرف اللہ کی شان کے لائق ہے کہ اللہ ہی ہر ایک کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دے سکتا ہے اور دے گا۔ بے آس ہونا سزا کی شدت کو بڑھا دیتا ہے۔

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔

اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی پر ظلم کرے، خلافِ حق کرنے والے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، کہ حق ان

پر واضح ہو چکا ہوتا ہے اور وہ شعور کے ساتھ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ظالم کے سامنے، ماضی میں ظلم کرنے والوں کی مثالیں بھی ہوتی ہیں، حال پر حق کو ماننے والے پاک لوگ بھی ہوتے ہیں، اور مستقبل سے بھی اسے آگاہ کر دیا جاتا ہے، شعور کے ساتھ خلافِ حق کرنا خود اپنے اوپر ظلم کرنا ہے۔

حاصل : ظلم کرنا اللہ کی شان کے لائق نہیں۔ خلافِ حق کرنے والے، اپنے کئے کی ہی جزا پائیں گے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور وہ ندا دیں گے۔ اے مالک، آپ کا رب ہمارا خاتمہ ہی کر دے۔ وہ جواب دے گا، تمہیں اسی حال میں رہنا ہے۔

ظالم اپنے کئے کی جزا پاتے ہوئے بے آس ہوں گے، سزا کی شدّت کبھی کم نہ ہوگی تو وہ موت کی آرزو کریں گے، اور جہنّم کے داروغہ سے یہ کہیں گے، کہ اپنے رب سے ہمارے خاتمے کی ہی درخواست کریں۔ وہ جواب دے گا، تمہیں اسی حال میں رہنا ہے، بعث بعدَ الموت کے بعد موت کا تو مقام ہی نہیں رہا۔

حاصل : دکھ انتہائی شدید ہو، اور مسلسل ہو، تو اس کے مقابل موت کو ترجیح دینا نفس کو قبول ہوتا ہے۔ بعث بعد الموت کے بعد موت کا مقام ہی نہیں۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

بے شک ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے، لیکن تمہاری اکثریت کو حق سے کراہت ہے۔

حق لوگوں تک پہنچانا، اللہ کا کام ہے، اور اللہ کا کام ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حق اس تک پہنچا ہی نہیں، ورنہ وہ اسے خود مان لیتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت یقیناً آتی ہے۔ اسے نہ ماننے والے اس سے اعراض کرتے ہیں، اس سے کراہت کا اظہار کرتے ہیں تو ان کا رخ درست نہیں رہتا، اور وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہوئے اپنے انجام کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔

حاصل : حق کا ہر ایک فرد اور جماعت تک پہنچنا یقینی بات ہے۔ جانتے بوجھتے جب اس سے کراہت کا اظہار ہو تو پھر اس کا انجام بھی وہی ہو گا، جو سنّتِ الٰہی کے مطابق ہونا چاہیے۔

أَمْ أَبْرَمُوٓا۟ أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ﴿٧٩﴾

کیا انہوں نے کوئی حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ تو ہم بھی ایک حتمی فیصلہ کر لیں گے۔

حق سے کراہت کا اظہار کرنے والے، جب یہ فیصلہ کر لیتے ہیں، کہ حق کا مٹانا ان کی فوری ضرورت ہے تو وہ حق پہنچانے والوں کو ختم کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ انہیں اپنی قوت پر ناز ہوتا ہے، اپنی تدابیر پر یقین ہوتا ہے، مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ نتائج پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اللہ کی مشیئت کے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ سنّتِ الٰہی یہی رہی ہے کہ جن لوگوں نے حق پہنچانے والوں کو ختم کرنے کی تدبیریں کیں، ان کی ہلاکت میں دیر لگی، اور وہ لوگ ہمیشہ المناک انجام کو پہنچے۔

حاصل : حق سے کراہت کرنے والے جب حق پہنچانے والوں کے خاتمے کا تہیہ کر لیتے ہیں، تو ان مجرم لوگوں کے خاتمے کا خدائی فیصلہ بھی کر دیا جاتا ہے۔

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَىٰهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

کیا سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے رازوں اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ ہم سن رہے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس ہیں اور لکھتے جاتے ہیں۔

منکرینِ حق کو، حق سے اس قدر کراہت ہوتی ہے، کہ وہ حق کو مٹانے کی کوشش میں شب و روز لگے رہتے ہیں۔ کبھی وہ اپنے ساتھیوں سے اشاروں کی زبان میں بات کرتے ہیں، کبھی وہ ان سے سرگوشی کرتے ہیں۔ جو سازش بھی وہ کرتے ہیں، اس کے بارے میں انہیں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کا بھی علم رکھتا ہے۔ جو سازش بھی حق پہنچانے والوں کے لئے تیار کی جائے، اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے اسے جانتے ہیں کہ کیا کیا جا رہا ہے، اور وہ اسے لکھتے جاتے ہیں، اور یہ لکھا ہوا ایسا ہے کہ جب منکرین حق کے سامنے آئے گا تو وہ حیران رہ جائیں گے، کہ اس میں تو سب کچھ درج ہے۔

حاصل : منکرینِ حق کے راز اور سرگوشیاں اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہوتیں۔ فرشتے ان کی سازشوں کو اس طرح سے لکھتے جاتے ہیں کہ ان کی ہر چھوٹی بڑی بات ریکارڈ ہو رہی ہے۔

قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْعَٰبِدِينَ ﴿٨١﴾

فرما دیجئے اگر الرحمٰن کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے اس کی بندگی میں ہی کرتا۔

کبھی حال کی وضاحت کے لئے محال سے سمجھنے کی دعوت دی جاتی ہے، مقصود لوگوں کو حق کے قریب کرنا ہوتا ہے۔ حق تو

وہی ہے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اور وہ ماضی میں اللہ کے فرمان کی تصدیق کرتا ہے۔ فرمانِ الٰہی کا سب سے پہلے ماننے والا تو اللہ کا بھیجا ہوا بندہ ہی ہوتا ہے، حق کو ماننے کی طریقت اسی ذاتِ بابرکات سے جاری ہوتی ہے۔ اگر الرحمٰن کی اولاد ہوتی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اسے کون جان سکتا تھا اور کون حضور سے بڑھ کر اس کی قدر کر سکتا تھا۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہنے والے بے سند باتیں کرتے ہیں اور اللہ پر افترے باندھتے ہیں۔

حاصل : کبھی محال سے بھی حال کی وضاحت کی جاتی ہے، مقصود لوگوں کو حق کے قریب کرنا ہی ہوتا ہے۔ حق کو عملاً نافذ کرنے والی ذاتِ بابرکات سے بڑا کوئی حق شناس ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی بندگی کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب ان باتوں سے پاک ہے، جو یہ بتاتے ہیں۔

آسمانوں میں ربوبیت کا دعویٰ، اللہ کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ کوئی دوسرا یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتا۔ زمین میں ربوبیت کا دعویٰ بھی اللہ کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ کائنات کی ہم آہنگی یہ بتاتی ہے کہ ربوبیت کرنے والی ذاتِ اقدس ایک ہے۔ احکام کو جاری کرنے والے مقام کا مالک، عرشِ عظیم کا رب بھی ایک ہی ہے۔ حق کا انکار کرنے والے جو باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتاتے ہیں، وہ تو اللہ کی شان کے لائق ہی نہیں ہیں۔

حاصل : آسمانوں کا رب ہونا اللہ کی شان ہے، زمین کا رب ہونا اللہ کی شان ہے، عرش عظیم کا رب ہونا اللہ کی شان ہے۔ اندازے قیافے سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بات کرنا قطعاً گناہ ہے۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو چھوڑیئے ان کو کہ بےہودہ بکیں اور کھیلتے رہیں، حتیٰ کہ اس دن سے دوچار ہوں، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

جو لوگ حق سے کراہت کو اپنا وطیرہ بنالیں اور بے سند باتیں بتانے میں لگے رہیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ ان کی باتیں بے ہودہ ہوتی ہیں اور وہ لوگ اللہ کی دی ہوئی مہلت کو کھیل کود اور ہنسی مسخری میں ضائع کرتے رہتے ہیں۔ عمل کے لئے دیا گیا وقت تو مسلسل کم ہو رہا ہے، حتیٰ کہ وہ دن آجائے گا، جس دن حقائق ناقابلِ تردید صورت میں سامنے ہوں گے، کوئی نفس کسی دوسرے کی جزا نہ ہو سکے گا، اور حکم صرف اللہ کا ہی ہو گا۔ اس دن منکرینِ حق افسوس کرتے ہوئے کہیں گے : ہائے افسوس، ہم نے اللہ کے رسول کی معیت کی راہ نہ اپنائی۔

حاصل : حق پہنچانے والے کسی کو زبردستی راہِ حق پر نہیں لاسکتے۔ جو طلبِ ہدایت نہ رکھتا ہو،

بے ہودہ باتوں اور کھیل تماشے میں وقت ضائع کرتا رہے، اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا حق ہے۔ جزا کے دن اسے اللہ کے رسول کی معیت اختیار نہ کرنے کا بڑا افسوس ہو گا۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾

اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے، اور وہی حکمت والا، علم والا ہے۔

آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے۔ آسمانوں میں بھی اسی کی بندگی ہو رہی ہے، زمین پر بھی اسی کی بندگی حق ہے۔ اس نے جو کچھ بھی بنایا ہے، بڑی حکمت سے بنایا ہے اور بڑے علم سے بنایا ہے۔ حکمت و علم والے خالقِ کل کے مقابل جس کو بھی معبود مانا جائے گا، اگر اس کی کوئی بات ہو گی تو اس کی بات حکمت سے بھی خالی ہو گی، علم سے بھی خالی ہو گی، اور وہ قطعاً بے سند ہو گی۔ آسمانوں اور زمین میں جس نظم کو دیکھا جاتا ہے، یہ ایک معبود سے ہی ممکن ہے۔ اگر معبود ایک سے زائد ہوتے تو کائنات میں نظم کا قائم رہنا ممکن ہی نہ تھا۔

حاصل : آسمانوں میں بھی اللہ معبود ہے، زمین میں بھی اللہ معبود ہے۔ وہی حکمت والا ہے وہی علم والا ہے۔ حق وہی ہے جو معبود نے بتایا ہے۔ حق کو چھوڑ دیا جائے، تو حکمت سے دور ہو جانا بھی یقینی ہے علم سے دور ہو جانا بھی یقینی ہے۔

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾

اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی بادشاہی آسمانوں میں اور زمین میں اور ان کے مابین ہے، علم ساعت اسی کے پاس ہے، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

برکات کا مالک اللہ ہی ہے۔ اس کی رحمت و برکات کا کوئی بدل ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ کی برکات سے فیض یاب ہونے والے جس قدر بھی ہوں، اللہ کی برکات میں کمی نہیں آئے گی۔ آسمانوں میں بھی اسی کی بادشاہی ہے، زمین میں بھی اسی کی بادشاہی ہے، کہ اس کی مشیئت کے سامنے کسی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اور آسمانوں اور زمین کے مابین ہر مقام پر بھی اللہ کی بادشاہی ہے کہ اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ قیامت کا علم اسی کی شان کے لائق ہے۔ بندوں کو اس علم سے فائدے کی بجائے نقصان ہو سکتا ہے، کہ وہ عمل کے لئے دی گئی مہلت کو دیکھنے کی بجائے، قیامت کے وقوع کو بعید دیکھتے ہوئے غفلت میں پڑ سکتے ہیں۔ ہم آئے بھی اللہ کی طرف سے ہیں، لوٹائے بھی اسی کی طرف جائیں گے۔ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کر کے واپس جانے والے اور مقصدِ تخلیق کو نظر انداز کرتے ہوئے من مانی کر کے واپس جانے والے کبھی مساوی نہیں ہو سکتے۔

حاصل : برکات کا مالک اللہ ہے۔ اس کی بادشاہی آسمانوں میں، زمین میں اور ان کے مابین ہر مقام پر ہے۔ حصولِ برکات کے لئے اسی کا رخ رکھنا چاہئے۔ علمِ ساعت اسی کی شان کے لائق ہے۔ ہمیں مسلمان کی حیثیت سے موت آئے تو ہم بابرکات لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

اور اللہ کے مقابل جن کو یہ پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، مگر وہ جو حق کی شہادت دیں اور علم رکھتے ہوں۔

اللہ کے مقابل نہ کوئی دوست ہو سکتا ہے نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہو سکتا ہے۔ جو معبود لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے وجود پاتے ہیں وہ تو اپنی حرکات کے لئے بھی دوسروں کے محتاج ہیں۔ اللہ کے پاک بندوں اور فرشتوں کو جن لوگوں نے معبود کا درجہ دیا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ اللہ کے دربار میں ان لوگوں کو ان پاک ہستیوں کی شفاعت نصیب ہوگی، وہ بھی جان لیں کہ اللہ کے ہاں شفاعت اسے ہی نفع دے گی جس کے لئے الرحمٰن کا اذن ہوگا۔ اللہ کے دربار میں جن شفاعت کرنے والوں کو بولنے کا اذن ہوگا، ان کی صفات یہ ہیں کہ وہ حق کی شہادت دیتے ہیں، وہ حق کو مانتے ہیں اور عملاً اس پر پورا رہ کر دکھاتے ہیں۔ انہیں علم ہوتا ہے کہ کون ان کا اتباع کرتا ہے اور کون خلاف حق کرتا ہے۔ جو حق کی شہادت دیں اور علم رکھتے ہوں، ان سے شرک کرنے والوں کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

حاصل : اللہ کے دربار میں شفاعت قطعاً باذن اللہ ہوگی۔ جو حق کی شہادت دیں اور علم رکھتے ہوں ان سے مشرکین کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾

اگر تم ان سے پوچھو انہیں کس نے خلق کیا ہے، تو یقیناً کہیں گے، اللہ نے، تو پھر کہاں پھرے جاتے ہیں۔

معبود کی شان ہے کہ وہ خالقِ کل ہے۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا علم کسی کا دیا ہوا نہیں ہے، وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس نے کسی شے کو بے مقصد نہیں بنایا۔ وہ ہر ایک کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ جب مشرکین کے معبود بھی اللہ کے پیدا کردہ ہیں، ان کی ربوبیت بھی اللہ کرتا ہے، انہیں علم بھی وہی عطا کرتا ہے، انہیں وقت بھی وہی عطا کرتا ہے، اور اللہ کی رضا کے علاوہ پاک لوگوں کو کچھ درکار ہی نہیں ہوتا، پھر انہیں اللہ کے مقابل معبود قرار دینا کتنی بےہودہ بات ہے۔

حاصل : مشرکین پر ان کے عقائد کے تضاد کو واضح کرنا، انہیں صحیح رخ اختیار کرنے میں مدد دینے

کے لئے ہوتا ہے۔ سمجھایا اسے ہی جاسکتا ہے، جو سمجھنے کے لئے تیار ہو۔

وَقِيلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور ان کا قول یہ ہو گا، اے رب یہ لوگ ایمان لانے والے نہ بنے۔

حق کے ساتھ شہادت دینے والوں کا اور علم والوں کا بیان یہ ہو گا، کہ پیغام حق پہنچانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی، حال پر لوگوں کو فرمان الٰہی سنایا گیا، عملاً وہ کر کے بھی دکھایا گیا جو سچا ثابت ہونے کے لئے ضروری تھا، مگر یہ منکر لوگ حق کے انکار پر اڑے رہے، اور ایمان لانے والے نہ بنے۔ یہ شہادت اللہ کے دربار میں اتنی اہمیت رکھتی ہے، کہ اسی شہادت پر فیصلہ ہو جائے گا۔

حاصل: حق کے ساتھ شہادت دینے والے، علم والے، منکرینِ حق کے بارے میں یہ گواہی دیں گے کہ ان کو نصیحت بھی پہنچائی گئی اور حسن عمل کا نمونہ بھی ان کے سامنے رکھا گیا، مگر یہ لوگ ایمان لانے والے نہ بنے۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

تو ان سے منہ پھیر لیجئے اور کہہ دیجئے، تمہیں میرا سلام۔ پھر وہ جلد ہی جان لیں گے۔

اتمام حجت میں آخری مقام یہ بتایا گیا ہے، کہ جب لوگ حق کے انکار پر اڑ جائیں اور ماننے کے لئے کسی طور تیار نہ ہوں تو ان سے منہ پھیر لینا حق ہے۔ ان سے الگ ہوتے وقت انہیں سلام کہنا بھی حق ہے۔ اس سلام کی حقیقت جہالت میں پڑے لوگوں سے کنارہ کشی ہے۔ عمل کے لئے دیئے گئے وقت میں اصلاح کی طرف نہ آنے والوں کا انجام، عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے کے ساتھ ہی انہیں معلوم ہو جائے گا۔ مگر اس وقت اصلاح کی طرف آنا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل: جو لوگ حق کے انکار پر اڑ جائیں، ان سے منہ پھیر لینا حق ہے۔ ان سے سلام کہہ کر الگ ہو جانا چاہئے، پھر منکرین کو اپنے انجام تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان (25) میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

فرما دیجئے میرے رب کے ہاں تمہاری کچھ قدر نہیں اگر تم اسے نہ پکارو، تو تم نے یقیناً تکذیب کی، تو جلد ہی تمہیں عذاب ہو گا کہ لپٹ رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مع ۱۲ حٰمٓ ﴿١﴾ حروف مقطعات۔

بولنا بھی علم سے ہو اور خاموشی بھی علم سے ہو، تو اس سے لوگوں کو بہت سکھ ملتا ہے، کہ وہ معلّم سے تعلق کی بدولت تربیت پالیتے ہیں۔

حاصل : خاموشی کے مقام کو پہچاننا اور عملاً اس پر پورے رہنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ قسم اس کتابِ مبین کی۔

کتاب اللہ، اس قدر روشن ہے، کہ اس کی صداقت کی اسناد اس کے اندر موجود ہیں۔ اس کی تنزیل ربّ العالمین کی طرف سے ہوئی ہے، اور رسولِ مبین پر ہوئی ہے۔ کتابِ مبین کے اندر جو حکمت اور علم ہے وہ رسولِ مبین کی اطاعت و اتباع سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

حاصل : پاک کو ہی کتابِ مبین کی قسم کھانے کا حق ہے۔ قسم حق کو روشن کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے۔

۱۲ دیکھو: القدر اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ بے شک ہم نے اسے مبارک رات میں نازل فرمایا، ہم یقیناً آگاہ کر دینے والے تھے۔

یہ مبارک رات شب قدر ہے، جس میں قرآنِ پاک کا نزول ہوا ہے۔ یہ رات رمضان شریف میں ہے۔ اس رات میں نزولِ قرآن کا عنوان رکھا گیا، تو یہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو گیا۔ حضور کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ اس کو اپنے علم سے، اپنی حکمت سے ایک وقت تک نازل فرماتا رہا، حتیٰ کہ حضور نے اس کام کے پورا ہونے کی خبر دی، اور لوگوں سے گواہ رہنے کو کہا کہ آگاہی کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرنا اللہ کی شان ہے، کہ لوگ شعور کے ساتھ ایک رخ اختیار کریں۔ وہ حق کو ماننے کے انجام سے بھی آگاہ ہوں اور حق کو نہ ماننے کے انجام سے بھی آگاہ ہوں۔

حاصل : شب قدر کی برکت سے استفادہ کرنا چاہئے۔ آگاہ کرنا اللہ کا طریقہ ہے۔ آگاہی کو ہمیشہ حق کے حوالے سے ہونا چاہئے تاکہ اس کی اہمیت لوگوں پر واضح رہے۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٤﴾

اس میں ہر امر اللہ کی حکمت کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔

شب قدر کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اس میں ہر امر اللہ کی حکمت کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔ اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ کی قدر کرنے والے اس کی حکمت سے فیض یاب ہوتے ہیں، بےقدری کرنے والے خسارے کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کو اس کے کیے کی ہی جزا دی جائے گی۔

حاصل : اظہارِ بندگی کرتے ہوئے اللہ کے حضور یہ عرض کرتے رہنا چاہئے : یااللہ جو تو ہمارے لئے پسند کرتا ہے، اس سے بہتر ہمارے لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں دائمی پاک دامنی کا مقام عطا فرما۔

أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٥﴾

ہمارے ہاں کے امر سے۔ بے شک ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔

جو عنوان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا جاتا ہے، وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کی حکمت سے تعلق رکھتا ہے، اور امرِ الٰہی سے تعلق رکھتا ہے۔ جو امرِ الٰہی کو مانے گا وہ فلاح پائے گا، جو نہ مانے گا وہ خسارے میں پڑے گا۔ جس ذاتِ بابرکات کے ذریعے سے احکامِ الٰہی بندوں تک پہنچے ہیں، اس کو اللہ تعالیٰ نے ہی بھیجا ہے۔ اس سے احکامِ الٰہی کی شان بھی واضح ہوتی ہے، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی واضح ہوتی ہے۔

حاصل : احکامِ الٰہی کو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہی مانا جائے تو قبولیت کی سند حاصل ہو گی۔

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦﴾

یہ تمہارے ربّ کی طرف سے رحمت ہے۔ بے شک وہی سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

بندے کو یہ دیکھنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کس طرح اپنی رحمت سے نوازا ہے۔ بندے کو ہدایت کی ضرورت تھی،

اس کو بہترین ہدایت دی گئی ہے، اور وہ ہدایت بہترین ذریعے سے دی گئی ہے۔ بندہ جب بھی اپنے حال کو اپنے ربّ کے سامنے بیان کرے گا، اللہ اسے یقیناً سنے گا، اور اپنے علم سے جو چاہے گا وہی کرے گا۔ جو صورت اللہ کے علم سے بنے گی وہی بہترین ہو گی۔ بندہ اپنے رخ کو درست رکھنے کے لئے اپنے ربّ کے علم کو ادب سے مانے تو اسے بہت آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

حاصل : احکامِ الٰہی کو ماننا باعثِ رحمت ہوتا ہے۔ اپنے حال کو اپنے ربّ کے سامنے بیان کر کے، اس سے مدد طلب کی جائے تو وہ اپنے علم سے مدد دیتا ہے۔ اللہ کے علم سے جو صورت بنے، اس کو بہترین ماننا چاہئے اور اس کے بہترین ہونے کا اظہار بھی کرنا چاہئے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑦

وہ ربّ ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے، اگر تمہیں یقین ہو۔

اس رحمت کا بھیجنے والا، آسمانوں کا ربّ ہے، زمین کا ربّ ہے، اور آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے اس کی ربوبیت بھی وہی کر رہا ہے۔ ربوبیت سے ہی افعال قائم رہ سکتے ہیں، اور اس کائنات کے اندر جو نظم نظر آتا ہے، وہ ربوبیت کرنے والی ذات پاک کے ایک ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ شعوری زندگی میں اپنی ضروریات کو دیکھا جائے، تو ان میں سے کچھ ہمارے علم میں ہوتی ہیں اور کچھ ہمارے علم میں نہیں ہوتیں۔ کچھ ضروریات کے پورا کرنے کے لئے ہماری سعی نظر آتی ہے، کچھ ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ہماری سعی ان کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اپنی پرورش اور سنبھال میں ہمارا اپنا کام کس قدر ہوتا ہے، اس کو بھی دیکھنا چاہئے۔ پرورش کی اہمیت کا کسی مقام پر بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، اور پرورش ابتداء سے انتہا تک اللہ کے علم سے ہوتی ہے، اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ربّ العالمین کو مان لیا جائے تو رخ کا حق کے مطابق ہو جانا ضروری ہے اور یہی درستگی بندے کے یقین کا ثبوت ہوتی ہے۔

حاصل : آسمانوں میں ربوبیت اللہ کر رہا ہے، زمین میں ربوبیت اللہ کر رہا ہے، آسمانوں اور زمین کے مابین تمام مقامات پر ربوبیت اللہ کر رہا ہے۔ ربّ العالمین ہی ہماری ربوبیت کر رہا ہے، ہمارے رخ کو حق کے مطابق ہونا چاہئے، یہی درستگی ہمارے یقین کو ثابت کرے گی۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی حیات و موت دیتا ہے۔ تمہارا ربّ ہے اور تمہارے اولین آباء کا بھی ربّ ہے۔

ربّ العالمین کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی کی بندگی حق ہے۔ اس کے احکام کی اطاعت ہی بندے کو ہر مقام پر پورا رکھتی ہے۔ وہی حیات دیتا ہے وہی موت دیتا ہے۔ وہی ہماری ربوبیت کرتا ہے۔ وہی ہمارے باپ دادوں کی ربوبیت کرتا رہا ہے۔ وہی ربّ العالمین ہے، وہی ربّ العالمین تھا اور وہی ربّ العالمین رہے گا۔

حاصل : ربّ العالمین کو معبود ماننے کا ثبوت اس طرح دیا جا سکتا ہے، کہ ہم حق کے مقابل کبھی اپنی پسند کو وقعت نہ دیں۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ⑨ — بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہ غافل ہوتے ہیں، اور حق کو سن کر ان سنا کر دیتے ہیں۔ جب ان کے پاس ان کے ربّ کی طرف سے کوئی نصیحت آتی ہے، تو اسے کھیلتے ہوئے ہی سنتے ہیں۔ سنجیدگی سے حق پر توجہ دینا ان کا طریقِ زندگی نہیں ہوتا۔

حاصل : جزا کا انکار کرنے والے، ربّ العالمین کو نہیں مانتے۔ وہ شک میں پڑے رہتے ہیں، اور کھیل تماشے میں ہی عطاءِ الٰہی کو ضائع کرتے ہوئے انجام کی طرف بڑھتے رہتے ہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ⑩ — تو انتظار کرو اس دن کا، جس دن آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا۔

جزا کا انکار کرنے والوں کو، من مانی کرنے والوں کو، شک میں پڑے ہوئے لوگوں کو، آگاہ کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے، کہ تم لوگ اس دن کا انتظار کرو، جس دن آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا۔ یہ دھواں جو آسمان پر ظاہر ہو گا، وہ قطعاً واضح ہو گا، اور بصورتِ عذاب ہو گا۔ یہ قربِ قیامت کی نشانی ہے۔ اس دھوئیں سے منکرینِ حق کو پریشانی ہو گی، اور وہ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنے عجز کو دیکھ لیں گے۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے، عذابِ الٰہی کو سامنے پائیں گے تو پریشان ہو جائیں گے، پھر انہیں سنجیدگی کی طرف آنے میں دیر نہیں لگے گی۔

يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑪ — وہ دھواں لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ المناک عذاب ہے۔

جو لوگ حقائق کو سن کر کھیل میں پڑے رہتے ہیں، ان پر المناک عذاب آئے گا جو دھوئیں کی صورت میں ہو گا، اور اس قدر ہو گا کہ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا، آسمان تک ہو گا، اور اس سے بچ کر بھاگ جانا ممکن نہ ہو گا۔

حاصل : عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو کر، اللہ کی قدرت کے سامنے اپنے عجز کو ماننا کوئی بات نہیں۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ اے ہمارے رب ہم سے عذاب کھول دے ہم ایمان لاتے ہیں۔

جزا کا انکار کرنے والے، حقائق کا مذاق اڑانے والے، کھیل تماشے میں پڑے رہنے والے، جب دھوئیں کے المناک عذاب میں پکڑے جائیں گے، اور وہ دھواں انہیں ڈھانپ لے گا تو وہ پکاریں گے اے ہمارے رب ہم سے عذاب کھول دے، ہم ایمان لاتے ہیں۔ مگر عذاب کے وقت ایمان لانا کب کسی کو نفع دے سکتا ہے۔ انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علوم کی ناکامی کا ایسا اعتراف لوگوں کو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا ہو گا۔

حاصل : جب عذابِ الٰہی چھا جائے تو حق کا مذاق اڑانے والے لوگ یہی کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے عذاب کھول دے، ہم ایمان لاتے ہیں۔

أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ انہیں کہاں سے نصیحت ملے گی، حالانکہ ان کے پاس رسولِ مبین تشریف لا چکے۔

فرمانِ الٰہی قرآنِ مبین ہے، جس ذاتِ بابرکات پر نازل ہوا وہ رسولِ مبین ہیں، اس روشن نصیحت سے استفادہ وہی کرتے ہیں جو دل رکھتے ہیں، توجہ سے سنتے ہیں اور حاضر رہتے ہیں۔ جو اس پاک نصیحت کو سن لیتا ہے، اور اسے دل سے مان لیتا ہے، وہ سنجیدگی کے ساتھ حق کی احسن ادائیگی میں لگا رہتا ہے۔ جن لوگوں نے رسولِ مبین کے روشن بیان سے فائدہ نہ اٹھایا ہو، انہیں کہاں سے نصیحت مل سکتی ہے۔

حاصل : نصیحت کرنے والے سے محبت ہو، تو اس کے روشن بیان سے بہت فائدہ پہنچتا ہے۔ جس نے رسولِ مبین کی قدر نہ کی ہو اسے کہیں سے بھی نصیحت نہیں مل سکتی۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٤﴾ پھر آپ سے منہ پھیرا اور کہنے لگے یہ تو سکھایا ہوا مجنون ہے۔

رسولِ مبین سے نصیحت کو سن کر ان سنا کر دینے والے اپنی زندگی میں سنجیدگی کا کوئی ثبوت نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے تھے، کہ یہ صاحب جو ہر وقت انجام سے ڈراتے رہتے ہیں ان کو اور کچھ نظر ہی نہیں آتا، یہ تو دیوانے

ہیں۔ مگر ان کی دیوانگی عجیب ہے کہ ان کی باتیں بے جوڑ نہیں ہیں، بے مقصد نہیں ہیں، بے محل نہیں ہیں، بلاثبوت نہیں ہیں۔ تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ کوئی ان کو سکھا پڑھا دیتا ہے، اور پس پردہ ان کو سکھانے پڑھانے والا ان کو خوب استعمال کر رہا ہے۔ ماضی میں یہی لوگ قسمیں کھاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور ہدایت پانے والے ہوں گے۔ مگر ہوا یہ کہ جب ان کے پاس ڈر سنانے والے صاحب آئے تو ان لوگوں کے اندر ان سے نفرت ہی بڑھی، اور ان لوگوں نے یہ کہا، سنئے صاحب! آپ ہیں نا وہ صاحب جن پر نصیحت نازل ہوئی ہے اور ہم سمجھتے ہیں آپ یقیناً مجنون ہیں۔

حاصل : نصیحت کی بے قدری کرنے والا ناصح سے منہ پھیر لیتا ہے، مگر وہ اپنے لئے ناصح کے رویئے میں بے پناہ جذبۂ خیر خواہی کو نظر انداز نہیں کر سکتا، اس لئے اسے مجنون اور سکھایا پڑھایا مجنون کہتا رہتا ہے۔

إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿١٥﴾

ہم تھوڑے وقت کے لئے عذاب کو کھول دیتے ہیں مگر تم اپنے کاموں کی طرف لوٹ جاتے ہو۔

عذابِ اکبر سے پہلے عذاب ادنیٰ کا مقام اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھا گیا ہے۔ عذاب ادنیٰ میں مبتلا ہو کر منکرینِ حق ہمیشہ یہ کہتے ہوئے پائے گئے ہیں، کہ ہم سے عذاب کو ہٹا دیا جائے ہم ایمان لانے والے بنیں گے۔ مگر عذاب کے ہٹا دیئے جانے کے بعد وہ اپنی سابقہ ڈگر پر لوٹ جاتے ہیں، اور اس عہد کو جو عذاب کے وقت انہوں نے کیا ہوتا ہے، بھلا دیتے ہیں۔

حاصل : اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے عذاب میں پکڑے جائیں تو ایمان لانے کا عہد کرتے ہیں اور لمبی چوڑی دعائیں کرتے ہیں۔ عذاب کھول دیا جائے تو پھر وہی کرنے لگتے ہیں جو پہلے کرتے رہے تھے۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ﴿١٦﴾

جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔

عذابِ اکبر قیامت کے دن ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی شدید پکڑ ہوگی۔ مجرمین سے انتقام لیتے وقت انہیں انکے کیے کی ہی جزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ اس بڑی پکڑ کے بارے میں آگاہ ہو جانے کے بعد اس سے غافل رہنا، بڑے غرور کا ثبوت ہے۔ غرور اور استکبار سے جرائم کی ابتدا ہوتی ہے، اور اللہ بڑی عزت والا، انتقام لینے والا ہے۔

حاصل : مخلصین سے دعوتِ حق کو سن کر، ان سنی کر دی جائے اور انہیں مجنون کہتے ہوئے ان

سے اعراض کیا جائے، اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے گمراہی کو اپنا معمول بنالیا جائے، تو اللہ مجرمین سے یقیناً انتقام لے گا۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾

اور بے شک ان سے قبل ہم نے قوم فرعون کو دیکھا اور ان کے پاس ایک رسول کریم تشریف لائے۔

جو راستہ کسی نے اختیار کیا ہوا ہو، اس راستے پر پہلے چلنے والوں کا انجام معلوم ہو جائے تو اس سے اصلاحِ حال میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ماضی کے واقعات سے حال کی مماثلت کو واضح فرمایا گیا ہے۔ منکرین حق کو بتا دیا گیا ہے کہ جس راہ پر وہ گامزن ہیں، قومِ فرعون بھی اسی راہ پر گامزن تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دیکھا گیا کہ قومِ فرعون حق کو مانتی ہے یا ان آسائشوں کو مقصود بنا چکی ہے جو اسے حاصل تھیں۔ قومِ فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اللہ کے حکم سے ہوئی، اور اللہ نے یہ دیکھنا چاہا کہ اس کے رسولِ کریم سے یہ لوگ کس طرح پیش آتے ہیں۔ اللہ کا رسول ہمیشہ کریم ہی ہوتا رہا ہے، کہ اس کی اپنی تو کوئی بات ہوتی ہی نہیں تھی، اس کی بات تو اللہ کی بات ہوتی تھی۔ جس کی بات حق ہو، جس کا عمل سند کا درجہ رکھتا ہو، بندوں میں وہ بڑا عزّت والا ہے۔

حاصل : حال پر اپنے مقام کو دیکھنا چاہئے، اپنے رخ کو دیکھنا چاہئے۔ ماضی سے سبق لینے والے ہی فلاح پاتے ہیں۔ جس کی بات حق ہو، بندوں میں وہ بڑا عزّت والا ہے۔

أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾

کہ اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کر دو، میں تمہارے لئے رسولِ امین ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس آکر حق کو بیان کیا، اپنی صداقت کی اسناد دکھائیں اور اس سے یہ کہا کہ بنی اسرائیل کے وہ لوگ جن کو تم نے غلام بنا رکھا ہے، ان کو آزاد کر دے اور ان کو میرے سپرد کر دے، یہ اللہ کا حکم ہے جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ ان لوگوں کو میں اللہ کے حکم کے مطابق سنبھالوں گا اور جہاں لے جانے کا حکم ہو گا لے جاؤں گا۔ میری اس بات کو درخواست نہ سمجھا جائے کہ آپ کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار ہے، بلکہ اس کو اس تناظر میں دیکھا جائے کہ میں تمہارے لئے اللہ کا رسولِ امین ہوں، تمہیں وہی کہتا ہوں جس کے کہنے کا مجھے حکم ہوتا ہے، اور تمہارے بارے میں اللہ کا فریضہ میری شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

حاصل : مجبور لوگوں کو آزادی دلانا کہ وہ اللہ کی بندگی کا حق ادا کر سکیں بہت بڑی خدمت ہے۔ اپنے مقام اور مرتبے کا اظہار بھی حق کے مطابق ہونا چاہئے۔

وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْٓ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿١٩﴾

اور یہ کہ اللہ کے مقابل سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس روشن سند لایا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کا ذکر کرنے کے بعد قومِ فرعون سے یہ کہا کہ میری مخالفت کے معنی قطعاً اللہ کے مقابل سرکشی ہے، کہ میں اس کا بھیجا ہوا ہوں، اسی کی بات کرتا ہوں، اور میں اللہ کا رسول ہونے کے حوالے سے تمہارے پاس روشن سند بھی لایا ہوں۔ میری صداقت کا ثبوت دیکھ لینے کے بعد اگر تم میری مخالفت پر کمربستہ رہوگے، تو یہ اللہ سے تمہاری عملاً دشمنی ہوگی، اور اس کا نتیجہ وہی ہوگا، جو اللہ کے مقابل سرکش لوگوں کا ہوتا رہا ہے۔

حاصل : حق پہنچانے والوں کی مخالفت کرنا، اللہ کے مقابل سرکشی کرنا ہے۔ حق پہنچانے والوں کو اپنی صداقت کا ثبوت دینا چاہئے۔

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾

اور میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے رب کی، اس سے کہ تم مجھے رجم کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس نصیحت کو کہ تم لوگ اللہ کے مقابل سرکشی نہ کرو، فرعون اور اس کی قوم نے نہ مانا اور فرعون نے اپنی قوم سے یہ کہا کہ تم لوگ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کروں اور اسے کہوں کہ وہ اپنے رب کو پکارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس حال پر یہ فرمایا کہ تم نے اللہ کے مقابل سرکشی کی راہ کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے، تو میں اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں، وہی تمہارا بھی رب ہے۔ جس کی میں پناہ لیتا ہوں وہی قادرِ مطلق ہے، اس قادرِ مطلق کی پناہ لینے والے کو یہ خوف کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تم لوگ اسے سنگسار کر دو گے۔

حاصل : منکرینِ حق جب حق کی مخالفت کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں اور اللہ کے مقابل سرکشی کرنے لگیں، تو ان سے یہ کہنا چاہئے : میں اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں، جو تمہارا بھی رب ہے۔ قادرِ مطلق سے مقابلے میں نہ کوئی جیتا ہے نہ جیت سکتا ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾

اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے کنارہ کشی کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آلِ فرعون سے جو آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر چکے تھے یہ کہا، کہ تم لوگ اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو یہ یقیناً تمہارے لئے بھلائی کی صورت نہیں ہے مگر اس کے ساتھ تم مجھے ختم کرنے کی سازشیں بھی کر رہے ہو، یہ

سازشیں تمہیں مٹا کر رکھ دیں گی۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غالب رہنے کا علم تو تھا، آپ رسولِ کریم تھے، اور آل فرعون اپنی سازشوں کی وجہ سے جس ہلاکت میں مبتلا ہونے والے تھے اس ہلاکت سے ان لوگوں کے بچاؤ کی راہ بھی آپ نے ان کو بتا دی۔

حاصل : تبلیغِ حق کرنے والوں کی شان یہی ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو بھلائی کی راہ دکھاتے رہیں۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

تو آپ نے اپنے ربّ کو پکارا کہ یہ لوگ یقیناً مجرم قوم ہیں۔

جب آلِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی سازشوں کو بڑھا دیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مرتبۂ رسالت کے حوالے سے اس قوم کے بارے میں یہ شہادت دی کہ یہ لوگ قطعاً مجرم ہیں، اور جو کچھ بھی انہیں حاصل ہے یہ اس کو خلافِ حق ہی استعمال کرتے ہیں اور گمراہی کو پھیلانے میں ہمیشہ سرگرمی دکھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو شاہد بنا کر بھیجا ہے، اس کی شہادت اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام رکھتی ہے۔

حاصل : شاہد کی گواہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا مقام رکھتی ہے، اس لئے شاہد کی بات کو عام لوگوں کی بات نہیں جاننا چاہیے۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

تو راتوں رات میرے بندوں کو لے جایئے، وہ لوگ آپ کے پیچھے آئیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس گواہی کے بعد جو آپ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں دی اور اللہ کے دربار میں یہ گزارش کی کہ یہ لوگ عطائے الٰہی کو مخلوق کے بہکانے پر لگا رہے ہیں اور قطعاً مجرم ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم ملا، کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے جایئے اور آگاہ رہئے کہ وہ لوگ آپ کا پیچھا کریں گے۔ جس مقام سے آپ کو چلنا تھا وہاں آپ کی قوم مقہور تھی۔ لوگوں کو آگاہ کرنا کہ انہیں راتوں رات فلاں مقام پر پہنچنا ہے، طاقتور لوگوں کو یہ بتانا کہ کمزور لوگوں کو سہارا دے کر منزل پر پہنچانا ان کی ذمہ داری ہے، تعمیلِ حکم میں اپنی سوچ کو ساکن رکھنا تنظیم کو مضبوط بناتا ہے، مقررہ وقت میں اس سفر کو پورا کرنا ضروری ہے، اور اس کے علاوہ بھی ضروری ہدایات آپ نے بنی اسرائیل کو دیں۔ انہیں یہ بھی بتایا کہ فرعون مع اپنے لشکروں کے ہمارا پیچھا کرے گا، اور اس کی ہلاکت سے پہلے تم اس کو پوری قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھو گے۔

حاصل : دشمن قوم کے چنگل سے اپنے ساتھیوں کو بچا کر لے جانا، اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ ظالم جب یہ دیکھیں کہ مظلوم ان کے دائرۂ اختیار سے باہر جا رہے ہیں تو وہ اپنی قوت کے مظاہرے کی حد کر دیتے ہیں۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور دریا کو تھما ہوا رہنے دیجئے، بے شک وہ لشکر غرق ہو گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا کہ آپ دریا پر پہنچ کر اپنا مبارک عصا پانی پر ماریں گے، دریا میں آپ کے گزرنے کا راستہ بن جائے گا، آپ کے ساتھی سلامتی سے دریا کو پار کر جائیں گے۔ اس کے بعد بھی دریا کو اسی حالت میں رہنا چاہئے۔ جب تک فرعون اور اس کے سب لشکر دریا میں داخل نہ ہو جائیں دریا کی اسی حالت کو قائم رکھا جائے، جب یہ ہو جائے پھر دریا کو اپنی حالت پر آنے دیا جائے، فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق ہوتے دیکھنا آپ کو نصیب ہو گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی توفیق ہمیشہ پوری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا اختیار بڑی شان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا شرف دیکھئے کہ دریا اس وقت تک تھما رہا جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا چاہا۔ اللہ تعالیٰ جس کو سزا دینا چاہے وہ کہاں بھاگ کر جا سکتا ہے۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وہ لوگ کتنے باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔

زینت حیات و دنیا تو کسی کے ساتھ جاتی ہی نہیں۔ آلِ فرعون کو اپنی ملکیت پر بڑا ناز تھا۔ وہ بہت بڑے بڑے باغات کے مالک تھے۔ ان کی زراعت بڑی شان رکھتی تھی، کہ ان کے ہاں بہت چشمے جاری تھے۔ اللہ کی عطا یہ دیکھنے کے لئے تھی کہ وہ حیاتِ دنیا میں کونسا رخ اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کی عطا کو اپنا امتیاز بنایا اور استکبار کرنے لگے، اور جن باغات اور چشموں پر وہ لوگ فخر کرتے تھے، ان کو پیچھے چھوڑ گئے اور خود عبرتناک انجام کو پہنچے۔

حاصل : باغات اور چشمے اللہ کی عطا جان کر استعمال کئے جائیں، تو نتیجہ خیر ہو گا، ورنہ انجام عبرتناک ہو گا۔

وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ اور کھیتیاں اور عالی شان محلات۔

آل فرعون کی زراعت بھی بڑے وسیع رقبے پر تھی۔ ان کی فصلیں خوب ہوتی تھیں۔ ان کے محلات بڑے عالی شان

تھے۔ ان لوگوں نے عطا کرنے والی ذاتِ پاک کو جس کا کوئی شریک نہیں، نہ دیکھا اور اپنی کھیتیوں اور محلات پر ناز کرنے لگے۔ آل فرعون تو غرق کر دیئے گئے اور ان کی کھیتیاں اور محلات پیچھے رہ گئے۔ اس سے روشن ہوا، کہ مالکِ حقیقی بہر حال اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حاصل : اپنی حیثیت کو اس طرح دیکھنا چاہئے کہ مالکِ حقیقی کی شان ہمیشہ پیشِ نظر رہے، ورنہ توازن درست نہیں رہ سکتا۔

وَّنَعۡمَةٍ كَانُوۡا فِيۡهَا فٰكِهِيۡنَ ﴿۲۷﴾ اور دوسری نعمتیں جن میں وہ مگن رہتے تھے۔

آل فرعون کو باغات، چشمے، کھیتیاں، محلات اور دوسری بہت ساری نعمتیں حاصل تھیں اور وہ ان نعمتوں میں مگن رہتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ نعمتوں کے استعمال میں انہیں سلامتی کا رخ اختیار کرنا چاہئے، ورنہ یہی نعمتیں ان کے لئے باعث ہلاکت ہو جائیں گی۔

حاصل : نعمتوں کو اللہ کی عطا جاننا چاہئے، اور اللہ کی رضا کے مطابق ان کے استعمال کو باعثِ عافیت جاننا چاہئے۔

كَذٰلِكَ ۖ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۲۸﴾ ہم نے یونہی کیا اور دوسری قوم کو ان کا وارث کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصائب و آلام سے گزرتے وقت، صبر کی تلقین کے ساتھ یہ بشارت بھی دی تھی کہ عنقریب تمہارا رب، تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا، اور تمہیں زمین میں خلافت دے گا پھر دیکھے گا تم کیسے عمل کرتے ہو۔ (7:129) بنی اسرائیل پر یہ مقام اللہ کی مہربانی سے یقیناً آیا اور وہ ان باغات کے، چشموں کے، خزانوں کے اور محلات کے وارث ہوئے، جن سے آلِ فرعون کو اللہ نے نکال باہر کیا تھا۔ (26:59) مالکِ کل، قادرِ مطلق ہے، وہ کسی مجرم کو ہلاک کرنا چاہے تو اسے دیر نہیں لگتی، اور اللہ جس قوم کو وارث بنانا چاہے اس قوم کے ضعف، اس کی کم سامانی اور اس کی دوسری کوتاہیوں کو دور کرنے میں بھی اللہ کو دیر نہیں لگتی۔ قادرِ مطلق جو چاہے کر سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ کو کسی مجرم قوم سے انتقام لینے میں بھی دیر نہیں لگتی اور کسی کمزور قوم کو اس کی جگہ وارث بنانے میں بھی دیر نہیں لگتی۔ ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہے، اس کو اللہ کے فضل کی بدولت ہی جاننا چاہئے۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ ﴿٢٩﴾

تو ان پر آسمان اور زمین نہ روئے اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (39:5) جب آسمان اور زمین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طوعاً یا کرہاً حاضری کا حکم ہوا تو دونوں نے یہ عرض کیا، ہم طوعاً حاضر ہیں۔ (41:11) اس سے آسمان اور زمین کے شعور کا ثبوت ملتا ہے۔ زمین اگر فرش ہے تو آسمان چھت ہے، یوں یہ دونوں مکان ہیں۔ مکین اگر حق کے مطابق رہے، تو اس سے مکان کو بھی راحت ہوتی ہے۔ اور جس کی موجودگی باعث راحت ہو اس کے رخصت ہونے سے دکھ بھی ہوتا ہے۔ اس کے خلاف جب مکین خلافِ حق کرنے کو اپنا معمول بنالیں تو مکان کو ان سے کراہت ہونے لگتی ہے اور جس کی موجودگی باعثِ کراہت ہو، اس کے جانے سے خوشی ہوتی ہے۔ آلِ فرعون کی ہلاکت اور خاتمے پر آسمان اور زمین کو کوئی دکھ نہیں ہوا۔ ہلاکت کے وقت لوگ ایمان لانے کا دعویٰ تو کیا ہی کرتے ہیں، مگر اس دعوے کی اہمیت کچھ نہیں ہوتی جس کے ساتھ شہادت نہ پیش کی جا سکے، اس لئے عمل کے لئے دی گئی مہلت کے خاتمے پر کسی کی توبہ قابلِ سماعت نہیں ہوتی۔

حاصل : اگر ہم حق کے مطابق رہیں تو آسمان اور زمین کو ہماری موجودگی سے راحت ہو گی، ہمارے جانے سے ان کو دکھ بھی ہو گا۔ موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوا کرتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ المومن (40) میں ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾

بے شک ہم اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں، اور ایمان والوں کی مدد کرتے ہیں، حیاتِ دنیا میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات دی۔

فرعون نے بنی اسرائیل پر قہر کرنے کو اپنا معمول بنالیا تھا۔ وہ انہیں اس طرح ایذا دیتا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ (7:127) بنی اسرائیل نے اپنی بے بسی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیان کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہمیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی ایذا دی جاتی رہی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی ایذا دی جارہی ہے۔ آپ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور ان کے سامنے آل فرعون کی تباہی کی پیش گوئی بھی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہی بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے نجات دی، کہ اللہ کی قدرت کے سامنے کسی کی حیثیت ہوتی ہی کیا ہے۔ کوئی عددی قوت، کوئی سامان حرب، کوئی جنگی تیاری اللہ کی قدرت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی، اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے منکرینِ حق کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِیًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾

فرعون سے، بے شک وہ سرکشی کرنے والا، اسراف کرنے والا تھا۔

فرعون سے نجات بنی اسرائیل کے لئے ایک رُسوا کُن عذاب سے نجات تھی۔ فرعون زمین میں فساد کرتا تھا۔ اہلِ زمین کو گروہوں میں تقسیم کرنا اور ایک گروہ کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے رہنا اس کی سرکشی تھی اور اللہ کی عطا کو اپنی خواہشات پر لگاتے چلے جانا اسراف تھا۔ سرکشی کرنے والا، اسراف کرنے والا ان لوگوں کے لئے جن پر اس کی حکومت ہوتی ہے، رُسوا کُن عذاب کا درجہ رکھتا ہے۔

حاصل : سرکش و مسرف حاکم، لوگوں کے لئے رُسوا کُن عذاب کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ ہی ایسے عذاب سے نجات دیتا ہے۔

وَلَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰى عِلۡمٍ عَلَى الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے انہیں اپنے علم کی بنا پر عالمین پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل کمزور کر دیئے گئے تھے، اللہ نے ان پر احسان کیا، ان لوگوں کو امام بنایا، اور ان کو وارث بنایا (28:5) بنی اسرائیل کے صبر کی بدولت اللہ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ انہیں عالمین پر فضیلت نصیب ہوئی (7:137) اللہ کا فیصلہ ہمیشہ علم سے ہوتا ہے۔ جب تک وجہِ فضیلت قائم رہے گی، فضیلت قائم رہے گی، یہی بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا۔

حاصل : اللہ کا فیصلہ ہمیشہ علم سے ہوتا ہے، اس میں ہمیشہ حکمت ہوتی ہے۔ وجہِ فضیلت نہ رہے گی تو فضیلت ختم ہو جائے گی۔

وَاٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰیٰتِ مَا فِیۡهِ بَلٰٓـؤٌا مُّبِیۡنٌ ﴿۳۳﴾

اور ہم نے انہیں نشانیاں عطا فرمائیں، جن میں صریح انعام تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبّہ میں آلِ فرعون پر جب بھی کوئی عذاب آیا، تو بنی اسرائیل کو اس عذاب سے بچایا گیا۔ اس طرح انہوں نے اللہ کی قدرت کی نشانیوں کا بارہا مشاہدہ کیا۔ آلِ فرعون کی ہلاکت بھی اللہ کی قدرت کی نشانی تھی، یہ بھی ان لوگوں کے لئے ایک رُسوا کُن عذاب سے نجات تھی۔ پھر ان کو من و سلویٰ عطا ہوتا رہا، صحرا میں ان کو بادل کا سایہ نصیب ہوتا رہا، اور بھی بہت سی آسانیاں اللہ نے ان کو عطا کیں۔

حاصل : اللہ کی مہربانیوں کو اپنی زندگی میں دیکھنا چاہئے، اور ان کی قدر کرنی چاہئے۔ ان کا ذکر بھی کرنا چاہئے۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنٰهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾

کیا یہ بہتر ہیں یا قومِ تبّع اور وہ جو ان سے پہلے گزرے۔ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بے شک وہ مجرم تھے۔

حقائق کو نہ ماننے والے خسارے میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ قومِ تبّع کے لوگ جسمانی قوت کے لحاظ سے، مادی شان و شوکت کے لحاظ سے بلند درجے پر تھے۔ قومِ عاد اور قومِ ثمود بھی بڑے قوی لوگ تھے اور ان کی مہارت کے آثار یہ بتاتے ہیں کہ وہ بڑی شان و شوکت رکھتے تھے۔ مگر یہ لوگ حق کو نہ ماننے کی وجہ سے مجرم تھے۔ ان کا انجام ہلاکت ہی ہوا۔ اب جو ان کے راستے پر چلے گا اور ان کے مقابلے میں کم قوت والا ہو گا اور تھوڑی صلاحیتوں کا مالک ہو گا، اس کا انجام بھی وہی ہو گا، جو راہِ ہلاکت کو اختیار کرنے والے پہلے لوگوں کا ہو چکا ہے۔

حاصل : بڑی قوت والے لوگ، بڑی استعداد والے لوگ، خلافِ حق کرنے کے جرم میں ہلاک کیے جا چکے ہیں، اس لئے اپنے انجام کو دیکھنے میں کوتاہی خلافِ عقل ہو گی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کھیل کے طور پر خلق نہیں کیا۔

آسمانوں کی تخلیق بہت بڑا کام ہے، زمین کی تخلیق بہت بڑا کام ہے۔ آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ بھی ہے، اللہ کے علم سے پیدا کیا گیا ہے۔ کوئی شے بغیر مقصد کے وجود میں آ نہیں سکتی۔ اللہ نے ہی سب کچھ پیدا کیا ہے، اور اللہ نے ہی ہر شے کی اس کی ضروریات کے حوالے سے ربوبیت بھی کی ہے۔ اتنی وسیع کائنات اور اس میں ایسا اعلیٰ درجے کا نظم، اس سے حضرتِ انسان کی آنکھیں کھلنی چاہئیں کہ یہ سب کھیل تماشہ نہیں ہے۔

حاصل : اپنے مقصدِ حیات کو دیکھنا چاہئے۔ کھیل تماشے میں وقت کو ضائع کرنا، متاعِ حیات کو ضائع کرنا عقل مندی نہیں ہے۔ کام کو ہمیشہ بامقصد ہونا چاہئے اور مقصد کو حق کے مطابق ہونا چاہئے۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾

ہم نے انہیں حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، لیکن ان میں اکثر علم نہیں رکھتے۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق حق کے ساتھ ہوئی ہے۔ خالقِ کل نے کوئی شے بے مقصد تو بنائی ہی نہیں۔ اس کائنات میں

جہاں بھی حق کے مقابل کوئی مقصد ٹھہرایا جائے گا، خرابی یقیناً ہو گی. اللہ تعالیٰ نے اس کی سند نازل فرمائی ہے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ ہر نفس اپنے کسب کی جزا پائے اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔ (45:22) اس حقیقت کی وضاحت میں کبھی کوتاہی نہیں ہوئی، کہ حق وہی ہے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور مقصدیت اسی حوالے سے روشن ہو سکتی ہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت اس کائنات کو اپنے گمان سے جاننے کی کوشش کرتی ہے، اس لئے حق کا علم انہیں نہیں ہوتا۔

حاصل : ہمارا مقصد ہر مقام پر حق کو ادا کرنا ہونا چاہئے۔ علم والوں کو ہمیشہ اسی راہ پر رہنا چاہئے۔

اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِيۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۴۰﴾

بے شک فیصلے کا دن ان سب کے لئے وقتِ مقرر ہے۔

جزا کا انکار کرنے والے لوگوں کو جب قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو وہ ایک جھڑک ہی ہو گی، جبھی وہ دیکھنے لگیں گے۔ (37:19) اور کہیں گے ہائے خرابی ہماری یہ تو یوم الدین ہے۔ (37:20) اس وقت یہ فرمایا جائے گا : یہ ہے وہ فیصلے کا دن جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ فیصلے کا دن وہ دن ہے، جو کافروں پر بہت بھاری ہو گا۔ اس دن ہر ایک پر واضح ہو جائے گا کہ اس نے کیا کیا اور حق کے حوالے سے اسے کیا کرنا چاہئے تھا۔ اس دن حق کو ماننے والے فلاح پائیں گے، نہ ماننے والے خسارے میں پڑیں گے۔ اللہ نے فیصلے کا دن مقرر کر کے یہ روشن کیا ہے کہ اس دن ہر ایک سے پوچھ ہو گی، کہ اس نے عطاء الٰہی کو حق کے مطابق استعمال کیا یا حق کے خلاف استعمال کیا۔

حاصل : فیصلے کے دن کو ماننے والے ہی حال پر ٹھیک رہ سکتے ہیں۔

يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ مَوۡلًى عَنۡ مَّوۡلًى شَيۡـًٔـا وَّ لَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۙ﴿۴۱﴾

جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی ان کی نصرت ہو گی۔

منکرینِ حق کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ فیصلے کے دن ان کی دوستی بے حقیقت ہو گی، وہ ایک دوسرے کے کچھ کام نہ آئیں گے، اور نہ ہی ان کی کسی طرف سے مدد ہو گی۔ مومنین کی نصرت تو حیاتِ دنیا میں بھی ہوتی ہے اور اس دن بھی ہو گی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ گہرے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔ (43:67)

حاصل : منکرینِ حق کی ایک دوسرے سے دوستی بھی فیصلے کے دن کچھ کام نہ آئے گی اور ان کے گمان کے مطابق کوئی ان کی شفاعت بھی نہیں کرے گا۔ ان کی نصرت کا مقام ہی نہیں رکھا گیا۔

إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللَّهُ ۭ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ — مگر جس پر اللہ رحم کرے۔ بے شک وہی عزت والا، رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے کچھ مخفی نہیں ہوتا۔ وہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ جس پر رحم فرمائے گا یقیناً وہ اس کے رحم کا مستحق ہو گا، اور اللہ کو کوئی پوچھنے والا تو ہے ہی نہیں۔ اللہ کی قدرت کے احاطے سے باہر کچھ نہیں ہے۔ وہ رحم فرمانا چاہے تو بھی اپنے علم سے رحم فرماتا ہے اور اس سے بڑا کوئی علم والا نہیں ہے۔

حاصل : اللہ سے اس کا رحم مانگنا چاہئے۔ اللہ عزت والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذّٰریٰت (51) میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾
اور نصیحت فرمایئے کہ نصیحت مومنین کو نفع دیتی ہے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ — بے شک زقوم کا شجر۔

تھوہر کا درخت، فیصلے کے دن سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک درخت ہے جس کے متعلق فرمایا گیا ہے : کہ جہنّم میں ہوتا ہے اور اس کے شگوفے شیاطین کے سروں کی طرح ہوتے ہیں۔ منکرین حق نے حیاتِ دنیا میں اللہ کی عطا کو جس طرح استعمال کیا، وہ جس طرح اسراف کرتے رہے، یہ اس کا نتیجہ ہے کہ آخرت کی زندگی میں انہیں زقّوم نصیب ہو گا۔ زقوم کا دیکھنا بھی تکلیف دہ ہو گا اس کا کھانا بھی تکلیف دہ ہو گا۔

حاصل : زقّوم سے کسی درخت کو تشبیہ نہیں دینی چاہئے، کہ یہ جہنّم سے تعلق رکھتا ہے۔

طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ — گناہ گاروں کا طعام ہے۔

گناہ گاروں کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ زقّوم سے پیٹ بھریں گے۔ (37:66) یہ طعام بذاتِ خود سخت عذاب ہو گا، کہ طعام کی ضرورت بھی شدّت سے ہو گی، اور یہ طعام دیکھنے میں بھی تکلیف دہ ہو گا، ذائقے اور بو کے اعتبار سے بھی تکلیف دہ ہو گا۔ اس سے کراہت بھی ہو گی، اور اس کراہت کے باوجود اسی کو استعمال بھی کرنا پڑے گا۔

حاصل : گناہ گاروں کی طرح کھانا راہِ عذاب پر ہونے کا ثبوت ہو گا۔ گناہ گاروں کے کھانے میں خواہشات کا اتباع بھی ہوتا ہے، اسراف بھی ہوتا ہے، آخرت میں ان لوگوں کو وہ طعام ملے گا، جس کا نام زقّوم ہے۔

كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ — پگھلی ہوئی دھات کی طرح پیٹ میں جوش

مارے گا۔

زقوم کے کھانے کے بعد منکرینِ حق کی کیفیت یہ ہوگی، کہ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے۔ وہ کھانا ان کے بطون میں جوش مارے گا، اور وہ جوش ایسا ہوگا جیسا بہت بڑے درجہ حرارت پر پگھلنے والی دھاتوں میں جوش آتا ہے۔ اس جوش سے بطون میں جو جلن پیدا ہوگی، اس کو الفاظ میں کب بیان کیا جاسکتا ہے۔

حاصل : ایسا کھانا جو پیٹ میں سخت حدت پیدا کرے قطعاً نقصان دہ ہوتا ہے۔

كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٦﴾ جیسے کھولتا ہوا پانی۔

زقوم کے کھانے سے جو عذاب پیدا ہوگا، اس کو مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ منکرینِ حق کے پیٹ میں اس سے ایسا جوش پیدا ہوگا، جیسے کھولتے ہوئے پانی کا جوش ہوتا ہے۔ خوراک اتنی کثیف ہوگی، کہ وہ پیٹ میں پگھلی ہوئی دھات کی طرح معلوم ہوگی، اور اس کثافت کے باوجود اس میں حدت اس قدر شدید ہوگی کہ وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارے گی۔

حاصل : کسی شے کے درجہ کھولاؤ کو کھولتے پانی کے حوالے سے دیکھنا چاہئے۔

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٤٧﴾ اسے پکڑو اور بھڑکتی آگ کی طرف گھسیٹ کر لے جاؤ۔

زقوم کھانے سے مجرم کے اندر سخت عذاب کی کیفیت پیدا ہوگی، تب فرشتوں کو یہ حکم دیا جائے گا، کہ اس کو پکڑو اور اس کے جلنے کے مقام پر لے جاؤ اور گھسیٹ کر لے جاؤ۔ اس طرح باہر کا عذاب بھی شروع ہوجائے گا۔ مجرم کی پکڑ بھی عذاب کا حصہ ہے، اسے اس مقام تک گھسیٹ کر لے جانا بھی عذاب کا حصہ ہے جس کا وہ اپنے غیر صالح اعمال کی وجہ سے مستحق ٹھہرا ہے۔ اور بھڑکتی آگ تو عذاب ہے ہی۔

حاصل : اندر کے عذاب کے بعد باہر کا عذاب ہوگا۔

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿٤٨﴾ پھر اس کے سر پر جلتے پانی کا عذاب ڈالو۔

قیامت کے دن مجرم کو اس کے غیر صالح اعمال کے حوالے سے کیا سزا دی جائے گی، اس کا فیصلہ کرنا اللہ کی شان کے لائق ہے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ ہر ایک کو اس کی کمائی کے مطابق جزا دیتا ہے۔ اندر کے عذاب کے بعد، باہر کے عذاب کا مقام ہوگا، اور مجرم کے سر پر جلتا پانی ڈال کر اسے مزید بڑھایا جائے گا۔ حق کے مقابل خودسری کرنے والے جان لیں کہ وہ اپنے لئے کیا کمائی کر رہے ہیں۔

حاصل : اللہ ہی مجرم کو اس کے غیر صالح اعمال کی پوری پوری سزا دے سکتا ہے اور یہ اللہ کی شان کے منافی ہے کہ اللہ کسی پر ظلم کرے۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿٤٩﴾ ذائقہ دیکھو، تم کو بہت طاقت ور اور باعزّت ہونے کا زعم تھا۔

منکرینِ حق یہ کہا کرتے ہیں : کہ ہمیں عذاب نہیں ہو گا، ہم دنیا میں بھی طاقت اور عزت رکھتے ہیں، آخرت میں بھی ہم کو عذاب نہیں ہو گا۔ قیامت کے دن مجرم کو اندر کے عذاب کے بعد باہر کا عذاب دیا جائے گا پھر اس کے سر پر جلتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، پھر فرمایا جائے گا : تم کو بہت طاقت ور ہونے کا زعم تھا، بہت باعزّت ہونے کا زعم تھا۔ جو کچھ تم کرتے رہے، اسی کی تم کو جزا دی جا رہی ہے، اب اس کا ذائقہ دیکھو۔

حاصل : اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو بڑا دیکھنا اور اپنے باعزّت ہونے کا زعم رکھنا وہ جرم ہے، جو عذاب میں مبتلا کرنے کے بعد مجرم کو یاد کرایا جائے گا، اور فرمایا جائے گا، اس کا ذائقہ دیکھو۔

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ بے شک یہ ہے وہ جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

عذاب کی شدّت کو الفاظ میں کب بیان کیا جا سکتا ہے، عذاب کے واقع ہو جانے کے بعد مجرموں سے فرمایا جائے گا : یہ ہے وہ عذاب جس سے تم کو ڈرایا جاتا تھا، تو تم اس میں شک کیا کرتے تھے۔ تمہیں بہت سی مثالیں دے کر قیامت کے بارے میں حقائق سے آگاہ کیا گیا، مگر تم مانتے ہی نہ تھے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ نہ ہونے سے ہونا بنا سکتا ہے، ہونے سے نہ ہونا بنا سکتا ہے۔ پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے، دوبارہ پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ اس کی قدرت کے دائرے سے باہر کچھ بھی نہیں ہے۔ شک کرنے والے دیکھتے تو سب کچھ ہیں، مانتے نہیں۔ جب عذاب ان پر محیط ہو جائے گا، پھر ان سے فرمایا جائے گا، یہ ہے وہ جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۙ﴿٥١﴾ بے شک متقی لوگ مقامِ امن میں ہوں گے۔

اللہ سے ڈرنے والے لوگ یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ وہ اپنے قول و فعل کو حق کے

مطابق رکھنے کی سعی کرتے ہیں۔ ان کی زبان پاک ہوتی ہے۔ ان کے ہاتھ امین ہوتے ہیں۔ ان کا حال بھی امن سے تعلق رکھتا ہے، ان کا مستقبل بھی امن سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عطائے الٰہی کو امانت جانتے ہوئے حق کے مطابق تصرف میں لائے، وہ امین ہے اور امن میں ہے۔

حاصل : عطائے الٰہی کو امانت جانتے ہوئے حق کے مطابق تصرف میں لانے والے لوگ امین ہوتے ہیں۔ وہ حال پر بھی امن کے مقام پر ہوتے ہیں، آخرت میں بھی امن کے مقام پر ہوں گے۔

فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾ باغوں اور چشموں میں۔

متقی حضرات کے مقام کی وضاحت فرمائی گئی ہے، کہ ان کے مقام امن کا تعلق باغوں اور چشموں سے ہے۔ باغات اور چشمے باعثِ راحت ہوتے ہیں۔ متقین کی شان یہ ہے کہ اللہ ان کا دوست ہوتا ہے، اللہ اپنے دوستوں کو جس طرح نواز سکتا ہے، اس کی مثال مل ہی نہیں سکتی۔ تقوے کا علم متقی حضرات کے اتباع سے ملتا ہے، کتاب و شنید سے نہیں ملتا۔

حاصل : باغات اور چشمے باعثِ راحت ہوتے ہیں، راحت اور امن لازم و ملزوم ہیں۔

یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۵۳﴾ ان کے لباس باریک اور دبیز ریشم کے ہوں گے، اور وہ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

متقین کو جن انعامات سے نوازا جائے گا، یہ ان کا ذکر ہے۔ مقام امن، باغات اور چشموں کے بعد لباس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ لباس قطعاً آرام دہ ہوگا، اور حسب ضرورت باریک یا موٹا ہوگا۔ اور متقی حضرات آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، اور ایک دوسرے کو دیکھنا جس قدر ان کے لئے باعث راحت ہوگا وہ محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

حاصل : لباس آرام دہ ہونا چاہئے، حسب ضرورت ہونا چاہئے، اور پاک لوگوں کو بیٹھتے وقت یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ وہ آمنے سامنے بیٹھیں۔

کَذٰلِکَ ۟ وَ زَوَّجۡنٰہُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۵۴﴾ اسی طرح ہوگا اور ہم ان سے غزال چشم حوریں بیاہ دیں گے۔

متقی حضرات کی جلوت کی زندگی میں جن راحتوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اللہ عطا فرمائے گا، اس لئے ان نعمتوں کی شان بہت بڑی ہوگی۔ جلوت کے ذکر کے بعد خلوت کی زندگی کے بارے میں بھی فرمایا گیا ہے۔ حور، متقی کے لئے ہوگی اور باعث راحت ہوگی، جسمانی طور پر بھی روحانی طور پر بھی۔ جلوت کے سکھ کے ساتھ خلوت کا سکھ بھی ضروری ہوتا ہے۔

حاصل : جلوت کے سکھ کے ساتھ خلوت کا سکھ بھی ضروری ہوتا ہے۔ جو زوجہ اپنے صاحب کے سکھ کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھے وہ بڑی آنکھوں والی ہوتی ہے، اس کا قرب خلوت میں یقیناً باعث راحت ہوتا ہے۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

وہ اس میں ہر قسم کے پھل اطمینان سے طلب کریں گے۔

متقی حضرات خدائی مہمان ہوں گے۔ اللہ میزبان ہو تو اس کی عطا کا اعلیٰ ہونا، دائمی ہونا اور مفید ہونا بھی واضح ہے۔ اللہ کی معیت میں رہنے والوں کو حال پر بھی اطمینان ہوتا ہے، آخرت میں بھی اطمینان ہوگا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے بارے میں یہ یقین کہ وہ اعلیٰ درجے کی ہیں، قطعاً مفید ہیں اور کبھی ختم نہ ہونے والی ہیں، اہل جنت کے لئے باعث اطمینان ہوگا۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

وہ اس میں پہلی موت کے علاوہ موت کا ذائقہ نہ چکھیں گے۔ اور اللہ نے انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

متقین اپنے رب کی عطا پر بہت خوش ہوں گے۔ موت کے دروازے سے وہ گزر چکے ہوں گے، اور موت کا دروازہ ان کے لئے وصال کا دروازہ بن چکا ہوگا۔ اس وصال کے بعد موت کا مقام ان پر کبھی نہ آئے گا۔ دائمی راحتیں انہیں حاصل ہوں گی۔ ان کا صبر بھی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا، ان کا شکر بھی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا، اور اللہ انہیں اپنے قرب سے نوازے گا۔ یوں وہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

حاصل : متقی حضرات کے لئے موت کا مقام صرف ایک بار ہے۔ منکرین حق تو سزا کی شدت پر جہنم میں موت کو ترجیح دیں گے مگر موت انہیں نہ آئے گی۔ خلوت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ پاک رہنا اور جلوت میں اللہ کے محبوب کے ساتھ باوضو رہنا بندے کے ذمے ہے، پاک رہنے والوں کو دوزخ کی آگ سے بچانا، اللہ کا کام ہے۔

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

تمہارے رب کے فضل سے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

اللہ سے محبت رکھنے والے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں، اللہ انہیں اپنا دوست بنا لیتا ہے اور ان کی کوتاہیوں کو بخش دیتا ہے۔ یہ فضل و کرم اس تعلق کی بدولت ہوتا ہے، جو طلب ہدایت رکھنے والے، معلم کتاب و حکمت سے رکھتے ہیں۔ اللہ کے فضل کا حصول ہی بڑی کامیابی ہے۔ حیات بھی اللہ نے دی ہے، متاع حیات بھی وہی دیتا ہے، مہلت بھی

وہی دیتا ہے، حق کا پہنچانا بھی اسی کا کام ہے، جزا دینے والا بھی وہی ہے۔ مالک کل کی رضا حاصل ہو جائے تو یہی عظیم کامیابی ہے۔

حاصل: شاہد کی خوشی، اللہ کے فضل کا باعث بنتی ہے۔ مالک کل کی رضا کا حصول ہی عظیم کامیابی ہے۔

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ تو ہم نے اسے آپ کی زبان میں آراستہ کر دیا ہے تاکہ وہ نصیحت لیں۔

قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس میں ہدایت ہے، اس میں شفا ہے۔ اس میں حقائق کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اس میں لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں، کہ وہ ان سے سبق حاصل کریں۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھنے کا راستہ دکھایا گیا ہے، اور وہ سب کچھ بیان فرمایا گیا ہے، جو طلب ہدایت رکھنے والوں کو درکار ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا، اس سے متعلق اپنا حال بھی لوگوں کے سامنے رکھا، دعوت اتباع کے ساتھ خوف و حزن سے نجات کی ضمانت بھی دی۔ نصیحت کو ماننا تو وہی ہے، جو ناصح کا قدردان ہو۔

حاصل: خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک، عربی زبان میں سند کا درجہ رکھتی ہے، کہ اسی زبان میں اللہ نے قرآن پاک کو علم و حکمت سے آراستہ کیا ہے۔ نصیحت کو ماننے کے لئے ناصح کا قدردان ہونا ضروری ہے۔

فَارۡتَقِبۡ اِنَّہُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ تو انتظار کیجئے، وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

ایک دن ایسا آنے والا ہے، جس دن کافروں کو ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا، اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی۔ (32:29) جو لوگ جہالت کو اپنی پہچان بنالیں، ان سے اعراض کرنے کا حکم ہے۔ اعراض کے بعد انتظار کا مقام آتا ہے، اور انتظار توفیق کے خاتمے کا ہوتا ہے۔ حق پہنچانے والے کا انتظار امر الٰہی کی تعمیل ہے، منکرین حق اس نتیجے کے واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں جس سے ان کو آگاہ کیا گیا ہوتا ہے۔

حاصل: ہمارا رخ حق کے مطابق ہونا چاہئے۔ جاہلین سے اعراض کرنے کے بعد انتظار کا مقام آتا ہے۔ جاہلین اس انجام کے واقع ہونے کا انتظار کرتے ہیں جس سے انھیں آگاہ کیا گیا ہوتا ہے۔

شہادت: اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ (32) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡہَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے منہ موڑ لیا۔ بے شک ہم مجرمین سے انتقام لینے والے ہیں۔

سُورَةُ الجَاثِيَة — اٰیاتہا ۳۷ — رکوعاتہا ۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ — حروفِ مقطعات

یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ ان کے پڑھنے کا معروف طریقہ ہے۔ ان پر خاموش رہنا حق ہے۔

حاصل : بولنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس مقام پر ہم بولنے والے ہیں، وہاں بولنا حق ہو۔

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ — اس کتاب کی تنزیل اللہ کی طرف سے ہوئی ہے جو عزیز و حکیم ہے۔

قرآنِ پاک کو ربّ العالمین کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے، کہ رخ کو درست رکھنے کے لئے اللہ تعالٰی کا عطا کردہ معیار یہی کتاب اللہ ہے۔ اللہ کی کتاب گزارشات پر مشتمل نہیں ہے۔ اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی طاقت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کا فرمان ہمیشہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

حاصل : قرآن پاک کا نزول اللہ کی طرف سے ہوا ہے، جس سے بڑی قوت والا بھی کوئی نہیں اور جس سے بڑی حکمت والا بھی کوئی نہیں۔ اس لئے رخ کو درست رکھنے کے لئے یہی بہترین معیار ہے۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ — بے شک آسمانوں اور زمین میں مومنین کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالٰی نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کھیل کے طور پر خلق نہیں کیا۔ ~~(38:44)~~ 44-38 مومنین یہ یقین رکھتے ہیں، کہ اللہ نے کسی شے کو بھی بے مقصد نہیں بنایا۔ آسمانوں کی تخلیق، ستاروں کی روشنی، شمس و قمر سے حاصل ہونے والے فوائد اور ان کا تسلسل، ہواؤں کا چلنا، موسموں کا تغیر و تبدل، زمین میں اگانے کی صلاحیت، دریاؤں کی موجودگی، راستوں کی موجودگی، پہاڑوں کی موجودگی، جانوروں کی موجودگی حشرات الارض کی موجودگی، پرندوں کی موجودگی، اور دوسری بے شمار

نشانیاں ہیں جن سے ایمان والے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہیں اللہ کی قدرت بھی نظر آتی ہے، انہیں اس کی حکمت کا پتہ بھی لگتا ہے۔

حاصل : آسمانوں اور زمین میں اللہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے استفادہ وہی کرتے ہیں جو مومن ہیں۔ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر اپنے مقام کو پہچاننا، اپنے حق کو دیکھنا، بندگی کا حق ادا کرنے میں بہت مدد دیتا ہے۔

وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

اور تمہاری تخلیق میں اور جانوروں میں جو اس نے پھیلا رکھے ہیں، یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

حضرت انسان کی تخلیق پہلے مٹی سے ہوئی، پھر ایک بے قدر پانی کے خلاصے سے اس کی نسل ٹھہرائی گئی، پھر اسے درست فرمایا گیا، اس میں روح پھونکی گئی، اس کے لئے کان اور آنکھیں بنائی گئیں۔ ان مقامات پر خالقِ کل کی شان نظر آتی ہے۔ جو جانور بھی اللہ نے زمین میں پھیلا رکھے ہیں وہ ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کا ہمارے لئے مسخر ہونا، ان میں حلال و حرام کی حدود کا تعین، ان کی انواع و اقسام، ان سے حاصل ہونے والے فوائد کا تسلسل، ان کے لئے موزوں رزق کا اہتمام اور دوسری بہت سی نشانیاں اللہ کی قدرت اور اس کے علم کا پتہ دیتی ہیں۔ یقین کرنے والے ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ سے وہ تعلق بناتے ہیں جو عبد کا اپنے معبود سے ہونا چاہئے۔

حاصل : ہماری تخلیق میں اور ہمارے کام آنے والے جانوروں کی تخلیق میں اللہ کی قدرت اور اس کے علم کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ اللہ سے ہمارا تعلق یقین پر قائم ہو تو بندگی کا حق ادا ہو گا۔

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾

اور لیل و نہار کے اختلاف میں اور اس میں کہ اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا تو اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا، اور ہواؤں کی گردش میں، عقل کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

لیل و نہار انسانی ضرورت ہیں۔ ان کا اختلاف اللہ کی قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ زندگی کا عمل، لیل و نہار کے اختلاف کے بغیر چل ہی نہیں سکتا۔ زمین سے انسان کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جب اس میں اگانے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے تو وہ معنوں کے اعتبار سے ساکن ہو جاتی ہے، مُردہ ہو جاتی ہے۔ اسے اللہ آسمان سے پانی برسا کر زندہ کر دیتا ہے، اور اس سے حاصل

ہونے والے فوائد پھر سے حاصل ہونے لگتے ہیں۔ ہواؤں کی گردش بھی انسانی ضرورت ہے۔ موسموں کی تبدیلی کے بغیر زندگی کا حسن قائم نہیں رہ سکتا۔ عقل کرنے والے یہ دیکھتے ہیں کہ جس کے علم سے ہماری ضروریاتِ حیات پوری ہو رہی ہیں، اس سے بڑا ہمارا خیر خواہ، اس سے بڑا کوئی پرواہ رکھنے والا نہیں ہے۔ عقل والے اپنی بھلائی اسی میں دیکھتے ہیں کہ اپنے علم کو اللہ کے علم کے تابع رکھا جائے۔

حاصل : لیل و نہار کا اختلاف، ہماری زندگی کی بڑی ضرورت ہے۔ زمین کی زندگی ہمارے لئے بہت اہم ہے اور زمین کو اللہ ہی زندہ رکھتا ہے۔ ہواؤں کی گردش ہمارے لئے بہت ضروری ہے، اللہ ہی اس ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ عقل مندی یہ ہے کہ اپنے علم کو علمِ الٰہی کے تابع رکھا جائے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

یہ اللہ کی آیات ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تم پر تلاوت کرتے ہیں۔ تو یہ لوگ اللہ اور اس کی آیات کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

مذکورہ حقائق سے اللہ کے عزیز و حکیم ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، انسانوں کو پیدا کیا ہے، ان کے لئے زندگی کی ضروریات کا بہترین بندوبست کیا ہے۔ لیل و نہار کے اختلاف سے انھیں سکھ دیا ہے۔ بارہا آسمان سے پانی برسا کر مُردہ زمین کو ان کے لئے زندہ کیا ہے۔ موسموں کے تغیّر سے ان کو فائدہ پہنچایا ہے۔ یہ تو سب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اب حق کا انکار کرنے والے وہ دکھائیں جو اللہ کے مقابل والوں نے پیدا کیا ہو۔ (11:31) جب اللہ کے سوا کوئی خالقِ کل نہیں ہے، اور اللہ کی مخلوق کے سوا کوئی مخلوق نہیں ہے، تو پھر یہ منکرینِ حق، اللہ کو چھوڑ کر اور اس کی نشانیوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔

حاصل : اللہ کی آیات کی تلاوت کا حق ادا کرنے کے لئے پاک ہونا ضروری ہے۔ اللہ اور اس کی آیات پر ایمان نہ لانے سے بڑا تکبّر کیا ہو سکتا ہے۔ آیاتِ خداوندی کا انکار ظلم ہے، اور اس کا نتیجہ گمراہی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷

خرابی ہے ہر جھوٹے، گناہ گار کے لئے۔

جو حق کے مقابل بے سند بات کرتا ہے وہ جھوٹا ہے، جو حق کے مقابل جھوٹ کو پھیلانے کی کوشش کرتا ہے وہ گناہ گار ہے۔ ہر جھوٹے، گناہ گار پر شیاطین اترتے ہیں۔ (222:26) اور جو شیاطین سے رہنمائی لے، اس کے لئے خرابی ہی ہو سکتی ہے۔

حاصل : جھوٹے اور گناہ گار کے لئے خرابی نہ ہو، یہ ممکن نہیں۔ شیاطین کو رہنما بنانے والے کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔

يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑧

اللہ کی آیات کو سنتا ہے کہ اس پر پڑھی جاتی ہیں، پھر وہ استکبار سے حق کی مخالفت پر اڑا رہتا ہے، جیسے اس نے سنا ہی نہیں، تو اسے المناک عذاب کی بشارت دیجئے۔

جھوٹے، گناہ گار کا طریق زندگی یہ ہوتا ہے کہ جب اس کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ انہیں سنتا ہے، مگر حق کی مخالفت پر اڑا رہتا ہے، اور استکبار کرتے کرتے اس کا رویہ ایسے ہو جاتا ہے کہ جیسے اس نے حق کو سنا ہی نہیں، جیسے اس کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اس طرح حق کی مخالفت کرنے والے کو المناک عذاب کی خبر دینی چاہئے (7:31) کہ وہ یہ بھی سن لے کہ وہ کس انجام کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

حاصل : اللہ کی آیات کو سن کر حق کی مخالفت پر استکبار سے اڑے رہنا غلط رویہ ہے۔ جو حق کو سن کر ان سنا کر دے، اسے المناک عذاب کی خبر دینی چاہئے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑨

اور جب ہماری آیات سے اسے کچھ معلوم ہو تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے رسوائی کا عذاب ہے۔

جھوٹے، گناہ گار کے بارے میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ جب حق کو سن کر ان سنا کرتے ہوئے اسے کسی نشانی کا پتہ لگتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ وہ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ بات نہیں کرتا، کہ اس سے اس کا استکبار قائم نہیں رہتا۔ لوگوں کو الجھانا اور اللہ کی راہ سے بہکانا اسے بہت عزیز ہوتا ہے۔ ایسے لوگ رسوائی کے عذاب کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔

حاصل : اللہ کی آیات کا مذاق اڑانے والا، کبھی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ حق کے بارے میں بات نہیں کرتا۔ حق کا مذاق اڑانے والے رسوائی کے عذاب میں مبتلا ہوا کرتے ہیں۔

مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑩

اور جہنم ان کے آگے ہے، اور ان کا کسب ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ جو اللہ کے مقابل دوست ٹھہرا رکھے تھے، اور ان

کے لئے بڑا عذاب ہے۔

جھوٹے گناہ گار لوگوں کا مستقبل جہنّم ہے، یہاں انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ ان لوگوں کا یہ زعم بھی بے حقیقت ثابت ہو جائے گا کہ اللہ کے حضور ان لوگوں کے دوست ان کے کام آئیں گے۔ اس دن اصلاح کی اہمیت بہت روشن ہوگی اور اس کو اختیار کرنا اس دن ممکن نہ ہوگا، اس طرح وہ بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

حاصل : اپنے رخ کو دیکھنا چاہئے، ہمارا کسب خلافِ حق نہیں ہونا چاہئے، اور اللہ کے دوستوں سے دوستی کا ثبوت ان کی صفات کو اپنا کر دینا چاہئے، یہ بڑے عذاب سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

یہ ہدایت ہے، اور جو لوگ اپنے ربّ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے عذاب ہے، سخت المناک عذاب۔

قرآنِ پاک حقائق کو بیان کرنے والی کتابِ ہدایت ہے، اس ہدایت کو ماننے والے کا ہی بھلا ہوگا۔ اور جو لوگ اپنے ربّ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، یہ ظالم قیامت کے دن اپنے ہاتھ چباڈالیں گے اور پکاریں گے ہائے کسی طرح رسول کی معیت اختیار کی ہوتی، اور ہائے خرابی کسی طرح فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا (25:27-28) جھوٹے گناہ گار، ضدّی اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑانے والے اور اللہ کی آیات کے انکار کو اپنی پہچان بنالینے والے لوگوں کے لئے، اللہ کا عذاب ایسا ہوگا کہ اس کو دیکھتے ہی ان پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔

حاصل : قرآنِ پاک کو ماننا باعثِ فلاح ہے، اپنے ربّ کی آیات کا انکار باعثِ عذاب ہے۔ جو لوگ آیاتِ الٰہی کے انکار کو اپنی پہچان بنالیں، ان کے لئے سخت المناک عذاب ہوگا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان (31) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿١٢﴾

اور جو شکر کرتا ہے، اپنے ہی بھلے کو شکر کرتا ہے، اور جو کفر کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾

اللہ ہی ہے جس نے بحر کو تمہارے لئے مسخّر کر دیا کہ اس کے امر سے اس میں کشتیاں چلتی رہیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرتے رہو۔

حضرت انسان کے لئے مسخر کی جانے والی بہت بڑی چیز سمندر ہے۔ اللہ نے ہی پانی میں یہ صفت رکھی ہے کہ وہ مساوی الحجم شے کو جو وزن میں کم ہو تیراتا ہے۔ اور اگر کوئی شے اپنے مساوی الحجم پانی کے وزن سے بھاری ہو تو وہ ڈوب جاتی ہے۔ اللہ اگر پانی میں یہ صفت نہ رکھتا تو سمندر انسان کے لئے بڑی ہی تکلیف دہ چیز ہوتا۔ اللہ کے امر سے اس میں کشتیاں چلتی رہتی ہیں، اور انسان ان کشتیوں کے ذریعے بحری سفر کرتے ہیں، مچھلی وغیرہ کی صورت میں تازہ گوشت حاصل کرتے ہیں، مروارید اور مرجان حاصل کرتے ہیں۔ اللہ کا فضل تلاش کرنے کی یہ صورتیں، اللہ نے ہی رکھی ہیں۔ اللہ کی نعمتیں اس قدر ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت انسان کو نعمت کے استعمال کے ساتھ معطیٔ مطلق کی طرف بھی دیکھنا چاہئے، کہ اس نے اس نعمت کو بندے کے لئے کس قدر مفید بنایا ہے، اس کو کس مقام پر رکھا ہے، اس کے حصول میں کیا آسانیاں رکھی ہیں۔ شکریہ تبھی ادا ہو گا جب کوئی نعمت اللہ کی رضا کے مطابق استعمال ہو گی۔ اللہ کی رضا ہمارے لئے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہے۔

حاصل : بحر کا ہمارے لئے مسخر ہونا اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے۔ اللہ کا فضل تلاش کرنے میں جو اسباب ہمارے کام آتے ہیں وہ بھی اللہ کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ عطائے الٰہی کا شکر ادا کرنا بندے کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾

اور تمہارے لئے مسخر فرمائے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں، اپنی طرف سے۔ بے شک اس میں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

بحر کے مسخر فرمانے کے ذکر کے بعد یہ روشن فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین سے جو مفادات بھی لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں، ان کی صورت بھی اللہ کی طرف سے ہی رکھی گئی ہے۔ شمس و قمر اور ستارے امرِ الٰہی کے مطابق خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ہوائیں خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ زمین سے حاصل ہونے والے فوائد بھی شمار میں نہیں آسکتے۔ جمادات، حیوانات، نباتات سب کو انسان کی خدمت پر لگایا گیا ہے۔ کسی بھی شے کو اللہ نے بے مقصد نہیں بنایا۔ جب کوئی شے بے مقصد نہیں ہے، تو اشیاء سے استفادہ کرنے والے کو بھی غور و فکر کرنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ جب کسی بھی شے کی موجودگی ہی ثابت کرتی ہے کہ اس کا مقصد ہے لہٰذا بندے کو بھی اپنے مقصد پر نظر کرنی چاہئے۔ غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے آسمانوں میں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں اور یہ نشانیاں ان کے لئے باعثِ قربِ الٰہی ہوتی ہیں۔

حاصل : کوئی شے بے مقصد نہیں ہے۔ اتنا بڑا اہتمام ہمارے لئے ہے تو ہم مالکِ کل کے لئے ہیں۔ غور و فکر باعثِ قربِ الٰہی ہوتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ایامُ اللہ کی امید نہ رکھنے والوں سے در گزر کریں تاکہ اللہ ایک قوم کو اس کے کسبوں کی جزا دے۔

جزا کا انکار کرنے والے، حیاتِ دنیا پر راضی ہو رہتے ہیں۔ یہ لوگ آیاتِ الٰہی سے غافل ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانا آگ ہے اور یہ ٹھکانا ان کے اپنے کسبوں کی جزا ہے (10:7-8) ایمان والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ان دنوں کی امید نہیں رکھتے، جن دنوں میں کسی قوم پر حجّت پوری ہو جانے کے بعد عذابِ الٰہی آجایا کرتا ہے، ان سے در گزر کریں۔ اللہ اپنی سنّت کے مطابق کسی قوم کو اتمامِ حجت کے بعد اس کے اعمال کا بدلہ دیا ہی کرتا ہے، اور اللہ ہی سب سے بڑی عزّت والا، قدرت والا ہے اور اللہ ہی سب سے بڑا انتقام لینے والا ہے۔

حاصل : اپنے نفس کی شح سے بچنا دائمی جہاد ہے، کافروں کے خلاف جہاد وقتی ہوتا ہے۔ دونوں طرح کا جہاد حسنِ عبادت کو ظاہر کرتا ہے۔ کوئی قوم اپنے کسبوں کی جزا سے بچ جائے یہ ممکن ہی نہیں، مہلت دینا اور حجّت پوری کرنا اللہ کی شان ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو صالح عمل کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرتا ہے، اور جو بُرائی کرتا ہے اس کا وبال بھی اسی پر ہوتا ہے، پھر تمہیں اپنے ربّ کی طرف مراجعت کرنی ہے۔

حق پہنچانے والے، ان انعامات کو تقسیم کرتے ہیں، جو انہیں عطا ہوتے ہیں۔ جو عطاء الٰہی کو تقسیم نہ کرے اس پر عطاء الٰہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ جو صالحین کی معیت اختیار کرتا ہے، وہ ان پر مہربانی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ صالحین کی طرف سے نصیحت کے ساتھ کسی اجر کا سوال تو ہوتا ہی نہیں۔ صالحین کی معیت اختیار کرنے کی بجائے جو من مانی کی راہ اختیار کرتا ہے، وہ یقیناً بُرائی کرتا ہے، اس کی بُرائی کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے۔ یہ اللہ کا فرمان ہے جو ہمیشہ پورا رہا، اب بھی پورا ہے اور ہمیشہ پورا رہے گا۔ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا ہے اس لئے اس کی واپسی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گی، اور جس قدر کسی کو توفیق دی گئی ہے، اسی قدر اس سے پوچھ بھی ہو گی۔

حاصل : صالح، صالحین کی معیّت میں ہوتا ہے۔ صالح جو کرتا ہے اپنے ہی بھلے کے لئے کرتا ہے۔ جو بُرائی کرتا ہے اس کا وبال بھی اسی بُرائی کرنے والے پر ہوتا ہے، کسی دوسرے پر نہیں ہوتا۔ اللہ

تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کا یقین ہمارے اعمال میں نظر آنا چاہئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکم اور نبوّت عطا فرمائی، اور انہیں طیّبات سے رزق دیا اور انہیں عالمین پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل کو اللہ نے تورات شریف عطا فرمائی، جس میں ان کے لئے نور ہدایت تھا۔ راہ فلاح کو ان پر روشن کر دیا گیا تھا۔ کتاب اللہ کو عملاً نافذ کرنے کے لئے اللہ نے ان لوگوں کو زمین میں حکومت بھی دی، اس سے ان کو یہ فائدہ ہوا کہ احکام الٰہی کے نفاذ میں انہیں کسی مزاحمت سے واسطہ نہ پڑا۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو نبوّت بھی عطا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عطا ہونے کا بہترین ذریعہ ان میں مسلسل قائم رہا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک قائم رہا۔ اللہ نے ان لوگوں کو طیّبات سے رزق دیا، اور ان کو ایسے نوازا کہ حصول رزق میں ان کو کسی طرح کی مشقت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ اللہ نے ان لوگوں کو اس زمانے میں عالمین پر فضیلت دی، اور لوگوں نے ان کی سیادت کو تسلیم کیا، جو بنی اسرائیل کی فضیلت کا بڑا اعتراف تھا۔

حاصل : بنی اسرائیل کو کتاب اللہ عطا فرمائی گئی حکومت عطا فرمائی گئی، ان میں نبوّت کا سلسلہ ایک وقت تک جاری رکھا گیا، انہیں طیّبات سے رزق دیا گیا، انہیں عالمین پر فضیلت دی گئی۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ اللہ کی عنایات کی قدر کرنے کا حق کیا تھا، اور ان لوگوں نے کیا کیا، اور ان کی ناقدری کے ان پر کیا نتائج مرتب ہوئے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے انہیں امر سے بیّنات عطا فرمائیں، تو انہوں نے اختلاف نہ کیا مگر بعد اس کے کہ انہیں علم ہو چکا تھا، محض باہمی رقابت کی بنا پر۔ بے شک تمہارا ربّ قیامت کے دن ان میں فیصلہ فرما دے گا، جن باتوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو واضح شریعت عطا فرمائی۔ اللہ کے احکام کو اللہ کے نبی کے حوالے سے مانا جائے تو حق ادا ہوتا ہے، یہ علم بنی اسرائیل کو ہو چکا تھا۔ اس علم کے بعد انہوں نے باہمی ضد اور رقابت کی بنا پر آپس میں اختلاف کرنا شروع کر دیا،

اور اسی اختلاف میں وہ اس فضیلت کو گنوا بیٹھے جو انہیں حاصل تھی۔ جو اپنی برتری کو ثابت کرنے کی خواہش میں حق کو چھوڑ چکے ہوں، وہ بھلا حق کو پانے کی طلب میں کسی کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ ان میں فیصلہ فرما دے گا۔

حاصل : شریعت کو ماننے میں فلاح ہے۔ شریعت کو ماننے میں ایسا اختلاف جو محض باہمی رقابت اور ضد کی بنا پر ہو، بہت بڑی خرابی کا باعث بنتا ہے۔ جب حق کے ساتھ اپنی انا کو بھی اہمیت دی جائے تو پھر سلامتی کے راہ پر رہنا ممکن نہیں ہوتا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر ہم نے تمہیں امر سے شریعت پر ٹھہرایا، تو اسی کا اتباع کرو اور بے علم لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ لگو۔

بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ علم ہو جانے کے بعد وہ باہمی رقابت اور ضد کی بنا پر اختلاف میں پڑ گئے، اور اپنی فضیلت گنوا بیٹھے۔ اس کے بعد اللہ نے نئی شریعت عطا فرمائی۔ شریعت کی حقیقت شاہراہ ہے، راہِ فلاح ہے۔ حق کو ماننے والے سے یہ فرمایا گیا ہے کہ تم اس شریعت کا اتباع کرو جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ بے علم لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کی دعوت دیتے ہی رہتے ہیں، ان کے پیچھے لگنے سے بندہ علمِ حقیقی سے دور ہی ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو جانتے ہیں کہ حق کیا ہے، حق آپ پر نازل ہوا ہے، اور حق کے بعد ہے کیا مگر گمراہی۔ اس لئے یہ سوچنا بھی خلافِ ادب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں بے علم لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنے کا امکان تھا۔

حاصل : شریعت شاہراہ ہے، اسی کا اتباع کرنا باعثِ فلاحِ دارین ہے۔ بے علم لوگوں کی خواہشات کے پیچھے لگنا حق نہیں ہے کہ ان کی بات ہمیشہ بے سند ہوتی ہے۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

یہ لوگ اللہ کے حضور تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور بے شک ظالمین ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ متّقین کا دوست ہے۔

بے علم لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کی دعوت تو دیتے ہیں، مگر یہ تو جزا کو مانتے ہی نہیں۔ ان کے نزدیک من مانی کرنے سے بہتر کوئی راہِ عمل نہیں ہے۔ ان کے پیچھے لگنے والا یقیناً خسارے کی راہ پر ہو گا۔ جب اللہ کے حضور پیشی ہو گی تو یہ بے علم لوگ اپنے کیے پر گرفت میں ہوں گے، کسی کے کام آسکنے کی ان کو توفیق ہی نہ ہو گی۔ خلافِ حق کرنا ظلم ہے، اور ظالمین کے مابین

یہی قدرِ مشترک ہوتی ہے۔ ظالم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو مدد دیتے ہیں، منشاء یہی ہوتا ہے کہ حق کے مقابل من مانی کرنے کے طریقے کو تقویت دی جائے، اور اپنے استکبار کو قائم رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ متقین کا دوست ہے، اللہ ان کو مدد دیتا ہے، اور جن کو اللہ کی مدد حاصل ہو، ان کی شان دنیا میں بھی بڑھتی ہے، اور عاقبت تو ان کی اچھی ہو گی ہی۔

حاصل : خلافِ حق کرنے والوں سے دوستی منع ہے، ان کی باتیں بے سند ہوتی ہیں۔ متقین سے دوستی ہونی چاہئے، کہ یہ لوگ اللہ کے پیارے ہوتے ہیں۔ ان کی دوستی حال پر بھی مفید ہے، قیامت کے دن بھی مفید ہو گی۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿٢٠﴾

یہ لوگوں کے لئے بصائر ہیں اور ہدایت و رحمت ہیں یقین کرنے والوں کے لئے۔

بصائر وہ حقائق ہیں، جن سے نورِ بصیرت حاصل ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے والے اپنا بھلا کرتے ہیں، اور انہیں دیکھنے کے باوجود ان کا انکار کرنے والے اندھے ہوتے ہیں، اور ایسے اندھے اپنا ہی بُرا کرتے ہیں۔ جو لوگ حقائق کا یقین رکھتے ہیں ان کے لئے یہ باعثِ ہدایت بھی ہیں، باعثِ رحمت بھی ہیں۔ جزا کا یقین رخ کو درست رکھنے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور رحمتِ الٰہی سے وہی فیض یاب ہوتا ہے، جس کا رخ درست ہو۔ ہدایت حال ہے، رحمت مستقبل ہے۔

حاصل : بے علم لوگوں کی خواہشات کی پیروی خسارے کی راہ ہے۔ متقین کی معیت اللہ سے دوستی ہے۔ جو حقائق کو سن کر اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کو دیکھ کر اس کا اتباع کرے وہ آنکھوں والا ہے، جو ایسا نہ کرے وہ اندھا ہے۔ جزا کا یقین ہی رخ کو درست رکھتا ہے، رخ درست ہو تو رحمتِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ ع ۱۸

کیا بُرائیوں کا ارتکاب کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان جیسا ٹھہرا دیں گے جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے، کہ ان کی حیات و موت مساوی ہو جائے گی۔ کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اس لئے دی جاتی ہے کہ یہ دیکھا جائے، بندہ کونسا رخ اختیار کرتا ہے۔ جس نے بصائر سے استفادہ کیا وہ فلاح پانے والوں کے ساتھ ہے، جو اندھا بنا رہا وہ خسارے والوں کے ساتھ ہے۔ مومن اور فاسق مساوی نہیں

ہیں (32:18) خبیث اور طیب مساوی نہیں ہیں۔ (5:100) اندھا اور آنکھوں والا مساوی نہیں۔ (6:50) اندھیرا اور روشنی مساوی نہیں۔ (13:16) علم والے اور بے علم مساوی نہیں ہو سکتے۔ (39:9) برائیوں کا ارتکاب کرنے والے جزا کا یقین نہیں رکھتے۔ ایمان والے جو صالح عمل کرتے ہیں وہ ہدایت یافتہ ہیں اور رحمتِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہے۔ اچھے اور بُرے حیات و موت میں کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ جو لوگ ان کو برابر قرار دیتے ہیں وہ بہت ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس فیصلے کو جمہوریت کا نام دیا جائے تو بھی یہ فیصلہ بُرا ہی رہے گا، کہ اللہ نے اس فیصلے کے بُرے ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔

حاصل : حق و باطل کبھی مساوی نہیں ہو سکتے، اس لئے اہلِ حق اور اہلِ باطل بھی کبھی مساوی نہیں ہو سکتے۔ جن کا حال مساوی نہ ہو ان کا مستقبل بھی مساوی نہیں ہوتا۔ نیک و بد، اللہ کے نزدیک مساوی نہیں ہیں حالانکہ اللہ سے بڑا رحم کرنے والا کوئی نہیں، کسی دوسرے کو نیک و بد کے برابر ٹھہرانے کا حق کیسے ہو سکتا ہے۔ جو فیصلہ بصائر کے خلاف ہو وہ بہت بُرا فیصلہ ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ زمر (39) میں ارشاد فرمایا ہے۔

إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ ﴿٨﴾

اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری سے راضی نہیں، اور اگر تم شکر کرو تو اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا ہے، تاکہ ہر نفس اپنے کسب کی جزا پائے، اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو، زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ (21:16) زمین و آسمان اللہ کے امر سے قائم ہیں۔ (30:25) اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا ہے۔ جہاں بھی خلافِ حق کیا جائے گا، تو یہ امانت میں خیانت ہو جائے گی۔ امین اور خائن کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مہلت اللہ تعالیٰ ضرور دیتا ہے۔ اگر کوئی اس مہلت میں حق کو بطریقِ احسن ادا کرتا ہے تو اس میں اس کا بھلا ہے، اگر اس مہلت میں کوئی خلافِ حق کرتا ہے تو وہ اپنا ہی بُرا کرتا ہے۔ قیامت کے دن ہر نفس کو اس کے کئے کی پوری پوری جزا دی جائے گی، کہ وہ دن اللہ نے رکھا ہی جزا کے لئے ہے۔ اس دن ہر عمل چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، سامنے آ جائے گا، ناکردہ گناہ پر کسی کی گرفت کا مقام بھی نہ ہو گا، کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو گی۔

حاصل : ہمیں ہر مقام پر حق کی احسن ادائیگی کو اپنا طریق زندگی بنانا چاہئے۔ جزا کا یقین اصلاحِ حال کے لئے ضروری ہے۔ قیامت کے دن کسی پر ظلم نہ ہو گا۔

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾

بھلا دیکھو تو جس نے اپنی خواہش کو معبود ٹھہرا لیا ہے اور اللہ نے اسے ایک علم پر گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، تو اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے، وہ حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دیتا ہے۔ یہ پسند بت کی صورت اختیار کرے یا خفی رہے، گمراہی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں کھولنے والی نشانیاں دکھا کر یہ واضح کر دیا ہوتا ہے کہ حق کیا ہے اور اسے عملاً کس طرح ادا کیا جانا چاہئے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد جو کان حق کو سن کر ان سنا کر دے، اس پر مہر کر دی جاتی ہے، جو دل من مانی کرنے کو عقل مندی جانے اس دل پر مہر کر دی جاتی ہے، جو آنکھ حقائق کو دیکھ کر بھی وہی کرے جس سے منع فرمایا گیا ہے، اس پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ کام اللہ کے ہیں، جو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے، سب سے بڑا معاف کرنے والا ہے، سب سے بڑا بخشنے والا ہے۔ جس کے کان پر مہر ہو، جس کے قلب پر مہر ہو، جس کی آنکھ پر پردہ ہو اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔ جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی طرف دھیان کیا جائے، تو پھر زندگی کو بے مقصد جان کر ضائع نہیں کیا جانا چاہئے۔

حاصل : اپنی خواہش کو معبود بنانے والا گمراہ ہو جاتا ہے۔ اللہ جس کے کان پر مہر کر دے، جس کے قلب پر مہر کر دے، جس کی آنکھ پر پردہ ڈال دے وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتا۔ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو دیکھنا چاہئے، اس کی مہربانیوں پر نظر رکھنی چاہئے۔ دھیان یہ ہے کہ بندہ یہ دیکھے کہ وہ بندگی کا حق کیسے ادا کر رہا ہے اور یہ بھی دیکھے کہ مالکِ کل اس کے لئے کیا کیا کر رہا ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾

اور کہتے ہیں وہ تو ہماری حیاتِ دنیا ہی ہے کہ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس کا علم نہیں وہ تو محض ظن میں پڑے ہوئے ہیں۔

جب لوگوں کو یہ سنایا جاتا ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، کسی شے کو بے مقصد نہیں بنایا گیا،

متاعِ حیات اللہ نے دی ہے، اس کی طرف سے صراطِ مستقیم کو روشن کر دیا گیا ہے اور بندہ اللہ کے حضور اس توفیق کے حوالے سے جواب دہ ہو گا، جو اسے حاصل رہی ہو گی، ہمارا آنا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، ہمارا جانا بھی اسی کی طرف ہو گا، تو منکرین اس کے جواب میں کہتے ہیں : کہ حیات دنیا ہی ہمارے مشاہدے میں آتی ہے، موت و حیات کو ہم دیکھتے ہیں، اور اس کے پیچھے کسی کی قدرت کو ہم نہیں دیکھتے۔ مشاہدہ ہمارا یہی بتاتا ہے کہ ایک وقت میں ایک شے پیدا ہوتی ہے، پھر بڑھتے بڑھتے عروج پر پہنچتی ہے پھر زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہے، اس طرح یہ زمانے کا چکر ہے اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ باتیں منکرینِ حق کسی علم کی بنا پر نہیں کرتے، کہ علم کا مقام تو عمل کے بعد آتا ہے، یہ باتیں وہ محض اپنے گمان کی بنا پر کرتے ہیں۔

حاصل : اللہ ربّ العالمین ہے وہ ہر ایک کو علم سے پالتا ہے۔ موت و حیات کا خالق وہی ہے۔ قدرت یقیناً قادر کا پتہ دیتی ہے۔ ہماری بات علم سے ہونی چاہئے، محض ظن کی بنا پر بات کرتے چلے جانا منکرینِ حق کا طریق زندگی ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی حجّت صرف یہی ہوتی ہے کہ کہتے ہیں ہمارے آباء کو لاکر دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔

منکرینِ حق کے سامنے جب حقائق کا بیان ہوتا ہے، اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے، انہیں جزا کا یقین رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے، تو وہ کہتے ہیں : اگر مُردوں کے زندہ ہونے کی بات حقیقت سے تعلق رکھتی ہے، تو ہمارے آباء واجداد کو لاکر دکھا دیجئے ہم آپ کی صداقت کو مان لیں گے۔ یہ حجت جہالت سے تعلق رکھتی ہے۔ بعث بعدَ الموت کا مقام تو اجلِ مسمّٰی کے بعد ہو گا، اور اللہ کے امر سے ہو گا۔ جب حق بیان کرنے والے یہ دعویٰ ہی نہیں کرتے کہ وہ منکرینِ حق کے آباء واجداد کو ابھی لاکر دکھا سکتے ہیں تو پھر ان سے یہ مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔

حاصل : اللہ کی آیات کو ادب کے ساتھ، متوجہ ہو کر سننا چاہئے۔ ہماری بات اسی موضوع سے متعلق ہونی چاہئے جو ہمارے سامنے بیان کیا جارہا ہو۔ جس نے ہمیں پہلی بار بنایا ہے، وہ دوبارہ ہمیں بنانے کی قدرت یقیناً رکھتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

فرما دیجئے، اللہ ہی تمہیں حیات دیتا ہے، پھر تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں،

ع ۳ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ ۱۹

لیکن اکثر لوگ لاعلم ہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے، ان پر واضح فرمایا جارہا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ حیات دینے والا بھی اللہ ہے، حیات کے بعد موت دینے والا بھی اللہ ہے، قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے کے لئے جمع کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔ یہ حقائق ہیں، جن کا شک سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ان کے مقابل اپنے گمان کے حوالے سے زندگی گزارنے والے، مقصدیت کا انکار کرنے والے لوگ بہت ہیں اور لاعلم ہیں۔ حقائق کا انکار کرنے سے علم کا حصول ممکن نہیں رہتا۔

حاصل : حیات دینے والا اللہ ہے۔ اس کے بعد موت دینے والا بھی اللہ ہے۔ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے کے لئے جمع کرنے والا بھی اللہ ہے۔ ان حقائق پر شک نہیں کرنا چاہئے۔ اکثر لوگ اپنے گمان کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے اس لئے لاعلم ہی رہتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجاثیہ (45) میں فرمایا ہے۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے۔ بے شک ہم لکھتے رہے جو عمل تم کرتے تھے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور جس دن ساعت قائم ہو گی، اس دن اہلِ باطل خسارے میں پڑیں گے۔

آسمانوں اور زمین میں بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ ماضی سے اس بات کی شہادت ملتی ہے، حال سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، مستقبل میں بھی اللہ ہی مالکِ کل ہے۔ اللہ کی بادشاہی میں نہ کوئی دخل دے سکا ہے اور نہ کوئی دخل دے سکے گا۔ قیامت کا دن اسی کے حکم سے آئے گا۔ جو لوگ اللہ سے ملنے کو جھٹلاتے ہیں ان کے لئے قطعاً خسارہ ہی ہو گا۔ (6:31) اللہ کے مقابل شیطان کو دوست بنانے والے خسارے میں پڑیں گے۔ (4:119) اہل باطل، حزب الشیطان ہیں۔ ان کا انجام خسارہ ہی ہے۔ (58:19) جس گمان پر انہوں نے سب کچھ لگا دیا ہو گا، قیامت کے دن وہ گمان باطل ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے اہلِ باطل صریحاً خسارے میں پڑیں گے۔

حاصل : اللہ کی بادشاہی کو ماننے کا ثبوت ہمارے اعمال میں نظر آنا چاہئے، ہمارے معاملات میں نظر آنا چاہئے۔ جزا کے دن اہلِ باطل یقیناً خسارے میں پڑیں گے، کہ ان کا سب کچھ جزا کے انکار

پر لگ چکا ہو گا، اور جزا ناقابلِ تردید صورت میں ان کے سامنے ہو گی۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور تم ہر امّت کو دو زانو بیٹھے ہوئے دیکھو گے۔ ہر امّت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی۔ آج تمہیں جزا دی جائے گی جو عمل تم کرتے تھے۔

قیامت کے دن ہر امّت دربارِ الٰہی میں بڑے ادب سے حاضر ہو گی۔ جزا کا دن مجرمین پر بہت بھاری ہو گا۔ دو زانو بیٹھنا اس بات کا ثبوت ہو گا کہ الہ العالمین کا فیصلہ عنقریب سامنے آنے والا ہے، اور اس فیصلے کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اجتماعی زندگی میں لوگ اپنی ملّت کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ریکارڈ کا ملاحظہ کروانے کے لئے لوگوں کو بلایا جائے گا، اور انہیں بتایا جائے گا، کہ آج تمہیں اسی کی جزا دی جائے گی، جو کچھ تم حیاتِ دنیا میں کرتے رہے۔

حاصل : جب جزا کا یقین جسم کی زبان بن جاتا ہے تو دو زانو بیٹھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اجتماعی زندگی کا اعمال نامہ جلوت سے تعلق رکھتا ہے، یہ لوگوں کو بلا کر دکھایا جائے گا اور اس میں وہ سب کچھ درج ہو گا، جو لوگوں نے اپنی ملّت کے لئے کیا ہو گا، اور اسی کی انہیں جزا دی جائے گی۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ہماری یہ کتاب تم پر حق بولتی ہے، ہم لکھتے جاتے تھے جو عمل تم کرتے تھے۔

اعمال نامہ جو اجتماعی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے کسی اندراج میں شک و شبہ کا مقام نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعمال کے اندراج کا اتنا یقینی بندوبست ہے کہ فرشتوں کے لکھنے کو اللہ نے اپنا لکھنا فرمایا ہے۔

حاصل : اجتماعی زندگی کا اعمال نامہ جلوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوبست قطعاً درست ہے۔ اگر ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے اعمال کو بالکل درست طریقے سے لکھا جا رہا ہے، تو پھر خلافِ حق کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾

تو جو لوگ ایمان لائے اور صالح عمل کئے، انہیں ان کا ربّ اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یہی واضح کامیابی ہے۔

ایمان دعویٰ ہے۔ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ یہ دعویٰ سچا ثابت ہوتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے حضور سچے ثابت ہو جائیں گے، ان کا صدق انہیں نفع دے گا۔ اللہ ان لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ رحمتِ الٰہی کا حصول یقیناً بڑی کامیابی ہے۔ صالحین کی معیت سے صالح اعمال کی تصدیق ہوتی ہے، اپنی پسند کے دائرے میں رہتے ہوئے نفس دکھاوے کے لئے بظاہر نیکی بھی کرتا رہے تو وہ کام صالح اعمال کے زمرے میں نہیں آئیں گے۔ اللہ کے حضور بندے کا رخ درست ثابت ہو جائے، تو اللہ اسے اپنی رحمت میں داخل فرمالیتا ہے۔ عبد کو معبود کا قرب نصیب ہو جائے تو یہ بڑی کامیابی ہے۔

حاصل : ایمان کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت کے ساتھ ہی سچا ثابت ہوتا ہے، جو سچا ثابت ہو جائے اسے رحمتِ ربّی نصیب ہو جاتی ہے۔ عبد کو معبود کا قرب نصیب ہو جائے تو یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا، کیا میری آیات تم پر تلاوت نہیں کی جاتی تھیں، تو تم نے استکبار کیا اور تم لوگ مجرم تھے۔

ایمان والے لوگوں کا جنہیں اللہ کے حضور کامیابی نصیب ہوگی ذکر ہو چکا ہے۔ اب کافروں کے بارے میں بتایا جا رہا ہے، کہ یہ لوگ عذاب الٰہی میں پکڑے جائیں گے، تو ان سے یہ فرمایا جائے گا کہ : تمہیں تمہارے کئے کا ہی بدلہ دیا جا رہا ہے۔ تم لوگوں پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی تھیں، تو تم ان کا انکار کرتے تھے، اور تم مومنین سے کہتے تھے کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔ (19:73) اور حق کی باتوں کو سن کر استکبار کرتے ہوئے پھر جاتے تھے کہ جیسے سنا ہی نہ ہو۔ (31:7) بعث بعدالموت کا انکار کرتے ہوئے تم ہی کہا کرتے تھے کہ اگر اس کا ہونا یقینی ہے تو ہمارے آباء و اجداد کو لا کر دکھایا جائے۔ (45:25) یہ سب صورتیں استکبار سے تعلق رکھتی ہیں، اور استکبار جرم ہے، اور تم لوگ اپنے جرم کی بنا پر عذاب میں پکڑے گئے ہو۔

حاصل : اللہ کی آیات کو سن کر ادب سے ماننا حق ہے۔ سن کر ان سنا کر دینا استکبار ہے اور جرم ہے۔ مجرم لوگوں کو ان کے کیے کی ہی جزا دی جائے گی، ان پر ظلم نہیں ہو گا۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿٣٢﴾

اور جب یہ فرمایا جاتا کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، اور ساعت میں کچھ شک نہیں، تو تم کہتے تھے ہمیں پتہ نہیں ساعت کیا ہے، ہمیں تو ظن ہی ہے اور ہم یقین نہیں رکھتے۔

جب اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور یہ بتایا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ یقیناً حق ہے، اور بندوں کو قیامت کے دن ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی، اور قیامت کے واقع ہونے میں کچھ شک نہیں، تو استکبار کرنے والے مجرم لوگو تم یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قیامت کیا چیز ہے، ہمیں تو اس کے بارے میں ایک ظن ہی ہے، اور ہمیں اس کا یقین بالکل نہیں۔ جب تمہیں بعث بعد الموت کو حق ماننے کے لئے کہا جاتا تھا، تو تم کہتے تھے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو لا کر دکھایا جائے تبھی ہم مانیں گے۔

حاصل : قیامت کے دن واضح کر دیا جائے گا کہ منکرینِ حق کیا کہا کرتے تھے۔ قیامت کے بارے میں عدم یقین، عقلی دلائل کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوتا، حق کے مقابل اپنی پسند کو وقعت دینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور ان پر ان کے عملوں کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی، اور وہی ان کو گھیرے گی جس کا استہزاء کرتے رہے تھے۔

منکرینِ حق پر قیامت کے دن یہ واضح ہو جائے گا، کہ عقل کرتے ہوئے انہیں یقین کا راستہ اختیار کرنا چاہئے تھا، جو کچھ وہ حیاتِ دنیا میں کرتے رہے وہ محض ان کے ظن کی بنا پر تھا۔ استکبار کرنے والے جس جزا کا مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ بصورتِ جہنّم ان کو گھیرے گی۔ انسان خلافِ حق کرتے ہوئے اپنے لئے جہنّم کا ایندھن اکٹھا کرتا رہتا ہے۔ یہ ایندھن قیامت کے دن اسے ظاہراً نظر آئے گا۔ اس وقت جو خلوت ہے وہ قیامت کے دن جلوت ہو جائے گی۔

حاصل : خلافِ حق اعمال کی حقیقت جہنّم کا ایندھن ہے۔ یہ ایندھن منکرینِ حق کو قیامت کے دن ظاہراً نظر آئے گا۔ جزا کا مذاق اڑانے والے لوگوں کو ان کا اپنا اکٹھا کیا ہوا ایندھن، بصورتِ آگ گھیرے گا۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور فرمایا جائے گا، آج ہم تمہیں نظر انداز کریں گے، جس طرح تم اس دن کی ملاقات کو نظر انداز کیے ہوئے تھے، اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے، اور کوئی تمہارا مدد گار نہیں۔

منکرین حق پر واضح کر دیا جائے گا، کہ تم پر ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں، تم کو تمہارے انجام سے آگاہ کیا جاتا تھا تو تم

اس کو نظر انداز کر دیتے تھے، اسی طرح آج تم کو بھی نظر انداز کر دیا جائے گا (20:126) اور رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا تمہیں نظر انداز کرے گا۔ تمہارا ٹھکانا آگ ہے، جس کا ایندھن تمہارے اعمال کی صورت میں تمہارا اپنا لایا ہوا ہے، اور یہاں تمہارا کوئی مددگار تو ہو ہی نہیں سکتا، نہ تمہاری چیخ پکار پر توجہ دی جائے گی۔

حاصل : جو حق کو سن کر اسے نظر انداز کرتا ہے، جب قیامت کے دن اسے ارحم الراحمین کی طرف سے نظر انداز کیا جائے گا، تو یہ اس کے لئے بڑی سزا ہوگی۔ اسے بتا دیا جائے گا، تمہارا ٹھکانا آگ ہے، اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا، اور حیاتِ دنیا نے تمہیں دھوکا دیا، تو آج نہ انہیں اس سے نکالا جائے گا، اور نہ ان کی معذرت ہی سنی جائے گی۔

سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا اللہ ہی ہے۔ وہ منکرینِ حق کو قیامت کے دن اس لئے نظر انداز کر دے گا، کہ یہ لوگ حیات دنیا میں اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اللہ کے رسول کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ (18:106) ان کی جزا جہنم ہے، جس سے نہ تو انہیں نکالا جائے گا، نہ ہی ان کی معذرت قبول کی جائے گی، کہ توبہ تو وہی قبول ہو سکتی ہے، جس کے بعد اصلاحِ حال کے لئے مہلت موجود ہو۔

حاصل : جو لوگ اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں، وہ حق پہنچانے والوں کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ حیات دنیا انہیں دھوکا دیتی ہے کہ انہیں اس سے آگے کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن نہ انہیں آگ سے نکالا جائے گا، اور نہ ان کی معذرت سنی جائے گی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾

تو حمد اللہ ہی کے لئے ہے، جو آسمانوں کا ربّ ہے اور زمین کا ربّ ہے، اور ربّ العالمین ہے۔

بندے اللہ تعالٰی کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ خالقِ کل بھی وہی ہے، مالکِ کل بھی وہی ہے۔ ربوبیت آسمانوں میں، زمین میں اور عالمین میں صرف ایک ذات بابرکات کر رہی ہے، وہی معبود ہے اور لاشریک ہے۔ جب ربوبیت کرنے والی ذات اقدس ہے ہی ایک تو پھر کسی دوسرے کو معبود ماننے کا جواز کہاں سے آتا ہے۔

حاصل : آسمانوں میں، زمین میں اور عالمین میں ربوبیت کرنے والی ذات پاک ایک ہے، لاشریک ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ ہر ایک کو پالتا ہے اور علم سے پالتا ہے۔ اس ربوبیت میں کسی کی تجویز کو دخل نہیں ہوتا۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے کبریائی ہے، اور وہی ہے عزت والا حکمت والا۔

اللہ معطیٔ مطلق ہے، ربوبیت ہر مقام پر اسی کی شان ہے، اور وہ احتیاج سے پاک ہے۔ جو استکبار میں مبتلا ہو وہ اللہ کی کبریائی کا منکر ہوتا ہے، اسے عزت و حکمت کی راہ کبھی نہیں ملتی۔

حاصل : استکبار سے بچنا ہی اللہ کی عظمت کو ماننے کا ثبوت ہے۔ عزیز و حکیم کے ساتھ میں جو راحت ہے، وہ بھی اللہ کے واحد اور لاشریک ہونے کا ثبوت ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ابراہیم (14) میں ارشاد فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾

اپنے رب سے کفر کرنے والوں کی مثال ایسے ہے، کہ ان کے اعمال راکھ کے ڈھیر کی مانند ہیں، کہ آندھی کے دن اس پر ہوا کا سخت جھونکا آئے، ساری کمائی سے کچھ ہاتھ نہ لگے۔ یہی دور کی گمراہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۝۱ حروف مقطعات

ان حروف کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، ان کے معنوں کا تعین کرنا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقدّم ہے۔

حاصل : حقائق سے آگہی اسے حاصل ہوگی، جو بولنے اور خاموش رہنے کے مقامات کو پہچان کر اپنا حق ادا کرے گا۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۝۲ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزیز و حکیم ہے۔

قرآنِ مجید کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، کہ حق کو منشاء الٰہی کے مطابق روشن کر دیا جائے۔ علیم مطلق کا فرمان ہی وہ معیار ہے، جس کو ہمارے رخ کے درست ہونے پر شاہد ہونا چاہئے۔ کتاب اللہ کی تصدیق کے بعد کسی اور سند کو ڈھونڈنا گمراہی کی طرف جانے والی بات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مقابل کسی قوت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا فرمان ایسا نہیں ہے جو ہو بھی سکتا ہے، نہیں بھی ہو سکتا۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ بندے کو فلاح مطلوب ہو تو اللہ کے فرمان سے بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ حکمت کا پتہ اسے ہی چلے گا، جو اللہ کے فرمان کو مانے گا۔

حاصل : کتاب اللہ کی سند اس قدر لائقِ احترام ہے کہ اس کے بعد کسی دوسری طرف دیکھنا بھی خلافِ ادب ہے۔ کتاب اللہ کو ماننے والا، عبدالعزیز ہوتا ہے، عبدالحکیم ہوتا ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے، حق اور اجل مسمّٰی کے ساتھ ہی خلق فرمایا ہے۔ اور کافروں کو جس سے ڈرایا جاتا ہے، اس سے اعراض کرتے ہیں۔

آسمانوں کو اللہ نے خلق فرمایا ہے، زمین کو اللہ نے خلق فرمایا ہے، آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ بھی ہے، اسے بھی اللہ نے ہی خلق فرمایا ہے۔ اللہ نے جو کچھ بھی بنایا ہے، وہ حق کے ساتھ بنایا ہے، ایک مقصد کے ساتھ بنایا ہے۔ جس شے کو بھی اس کے مقصدِ تخلیق کے خلاف استعمال کیا جائے گا، اس سے خرابی ضرور پیدا ہوگی۔ کائنات کا ایک اجلِ مسمّٰی تک ہونا بھی اللہ کے فرمان سے ثابت ہے۔ اشیاء کے مابین ربط یہ ثابت کرتا ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل باہم مربوط ہیں۔ عدل کامل اسی طرح ممکن ہے کہ کائنات ایک معین وقت کے لئے ہو۔ کافروں کو جب قیامت سے ڈرایا جاتا ہے، تو وہ حق کو سن کر منہ پھیر لیتے ہیں۔

حاصل : عطائے الٰہی کو حق کے مطابق استعمال کرنے میں ہی بھلائی ہے۔ یہ کائنات ایک معین وقت تک ہے۔ قیامت کی بات سن کر منہ پھیر لینا، علامتِ کفر ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④

فرما دیجئے، بھلا دیکھو تو جنہیں تم اللہ کے مقابل پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین میں کیا خلق کیا ہے، یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے۔ میرے پاس اس سے قبل کی کتاب یا علم کے آثار لاؤ اگر تم سچے ہو۔

قیامت کی بات کو سن کر اعراض کرنے والے، کافر لوگوں سے یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جن کو تم اللہ کے مقابل پکارتے ہو، ان کی حقیقت پر نظر کرو۔ ذرا دکھاؤ زمین میں ان کا کیا پیدا کیا ہوا ہے۔ کسی بھی شے کا نام نہیں لیا جا سکتا، جس کو زمین میں اللہ کے سوا کسی نے پیدا کیا ہو۔ آسمانوں میں بھی کافروں کے معبودوں نے کچھ پیدا نہیں کیا ہے۔ اللہ کے مقابل جن کو معبود ٹھہرایا جاتا ہے، ان کے لئے دو طرح کی اسناد پیش کی جانی چاہئیں: کسی آسمانی کتاب سے اللہ کے مقابل کسی معبود کا ثبوت دیا جائے، یا تجربات کی بنا پر حاصل ہونے والے علم کے آثار سے یہ ثابت کیا جائے کہ اللہ کے مقابل کوئی خالق ہے۔ کوئی آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے، جو اللہ کے مقابل کسی اور خالق کا ذکر کرے۔ تجربات کی بنا پر حاصل ہونے والے علم سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا، کہ اللہ کے مقابل کوئی خالق ہے۔ اگر بات بے سند ہو تو اس کے کرنے سے رک جانا چاہئے۔

حاصل : معبود کی شان ہے کہ وہ خالقِ کل ہے۔ اللہ کے مقابل جن کو کافر لوگ پکارتے ہیں، ان کا زمین و آسمان کی تخلیق میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کسی کتاب اللہ سے اللہ کے مقابل کسی معبود کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا، علم کے آثار سے اللہ کے مقابل کسی معبود کا ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ بے سند بات کرنا کبھی صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے،

اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾

جو اللہ کے مقابل انہیں پکارے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور وہ ان کی دعا سے ہی غافل ہوں۔

منکرین حق جن کو اللہ کے مقابل معبود ٹھہراتے ہیں، وہ کچھ خلق نہیں کرتے اور خود خلق کیے گئے ہیں ۔ (16:20) مخلوق تو خالق کے برابر ہو ہی نہیں سکتی۔ اللہ کی بندگی حق ہے اور اس کے مقابل جنہیں پکارا جائے وہ باطل ہے۔ جن لوگوں کو دائمی پاک دامنی کا شرف مل جاتا ہے، وہ اللہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کو اللہ کے مقابل لوگوں کی صف میں شمار کرنا درست نہیں ہو گا۔ اللہ نے کافروں کے حال کی وضاحت کے لئے ایک مثال بیان فرمائی ہے: کہ اللہ کو پکارنا حق ہے، کہ وہ ہر مقام پر ہر آواز کو سنتا ہے، اور جن کو اللہ کے مقابل پکارا جاتا ہے، وہ تو کچھ بھی نہیں سنتے۔ ان کی مثال ایسے ہے کہ کوئی پانی کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھا ہو کہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے، اور وہ ہرگز نہ پہنچے گا ۔ (13:14) جو کسی کی پکار سے ہو ہی غافل وہ اس کی کیا سن سکتا ہے۔ اس سے یہ روشن ہوتا ہے کہ کافروں کی دعا بھٹکتی ہی رہتی ہے۔

حاصل : بت پرست سب سے بڑھ کر گمراہ ہوتا ہے، کہ اپنی خواہشات سے اپنا معبود بناتا ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا بنایا ہوا اس کی کچھ سنتا نہیں ہے۔ بت پرست اپنے بنائے ہوئے کو مانتا ہے، اپنے بنانے والے کو نہیں مانتا۔ معبود کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے عبد کی پکار سے غافل ہو۔

وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾

اور جب لوگوں کا حشر ہو گا، وہ ان کے دشمن ہوں گے، اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والوں کا اتباع راہِ فلاح ہے۔ پاک لوگوں کے فرمان میں اپنی پسند کو داخل کر لیا جائے، تو اس سے بھی گمراہی ہی پیدا ہوگی۔ قیامت کے دن جب پاک لوگوں سے یہ پوچھا جائے گا: کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا، یا یہ خود ہی گمراہ ہوئے (25:17)، تو وہ عرض کریں گے، پاک ہے تیری ذاتِ اقدس، ہمیں لائق نہیں تھا کہ تیرے مقابل کسی کو دوست بنائیں۔ یا اللہ تو نے انہیں اور ان کے آباء کو متاع دی، حتیٰ کہ وہ تیری نصیحت کو بھول گئے اور یہ ہلاک ہونے والے بنے۔ فرمایا جائے گا، انہوں نے تمہارے بیان کو جھٹلا دیا ہے تو اب نہ تمہیں عذاب کو خود سے پھیر دینے کی استطاعت ہے، نہ اپنی مدد کرنے کی استطاعت ہے۔ قیامت کے دن منکرینِ حق سے بیزاری کا اظہار ہر شے طبعی طور پر کرے گی۔

حاصل : ہمیں اپنے عقیدے کو حق کے مطابق بنانا چاہیے۔ اگر اللہ کی رضا ہر مقام پر مطلوب ہو تو رخ درست ہو گا، اگر حق کو اپنی خواہشات کے مطابق بنانے کی کوشش ہوگی، تو انجام قطعاً خسارہ ہی ہو گا۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝٧

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں، تو کافر اپنے پاس آئے ہوئے حق کے بارے میں کہتے ہیں، یہ تو صریحاً جادو ہے۔

جب کافروں کے سامنے قرآن پاک کی آیات پڑھی جاتی ہیں، تو حقائق کو سن کر، اپنے مشاہدے کے حوالے سے انہیں ناقابلِ تردید پاکر، انہیں پرتاثیر پاکر، کافر لوگ یہ کہتے ہیں، کہ یہ بیان سننے والوں پر بڑا اثر کرتا ہے، اس لئے یہ صریحاً جادو ہے۔

حاصل : حقائق ناقابلِ تردید ہوتے ہیں، راہِ حق کو روشن کرتے ہیں، ان میں ہمیشہ دعوتِ فکر و عمل ہوتی ہے۔ جادو کا اثر کبھی راہِ فلاح کی طرف نہیں لاسکتا، کہ جادوگر راہِ فلاح پر ہوتا ہی نہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝٨

کیا کہتے ہیں کہ اس کا افتریٰ ہے، فرما دیجئے اگر یہ میرا افتریٰ ہے تو تم اللہ کی طرف سے میرے لئے کسی شے کے مالک نہیں، اسے خوب علم ہے جن باتوں میں تم لگے ہوئے ہو، اور وہ کافی ہے میرے اور تمہارے مابین گواہ، اور وہ غفور الرحیم ہے۔

قرآن پاک کا بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سن کر کافر لوگ اسے جادو کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے تھے کہ یہ اللہ کا فرمان تو نہیں ہے، سنانے والے صاحب کی من گھڑت باتیں ہیں۔ ان لوگوں پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ قادرِ مطلق ہے، احتیاج سے پاک ہے، اس کے بارے میں ایسی باتیں بنانے والے کا انجام عبرتناک ہی ہو سکتا ہے۔ کون ہے جو اس کی گرفت سے مفتری کو چھڑا سکے گا اور شعور کی موجودگی میں عبرتناک انجام کی طرف جانا ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اسے خوب علم ہے جو کچھ کافروں نے گھڑا ہے۔ حق سنانے والے اور حق کو سن کر اسے افتریٰ کہنے والوں کے مابین اللہ ہی سب سے بڑا گواہ ہے۔ اللہ کا فرمان اس کی منشاء کے مطابق ہی پہنچایا گیا ہے۔ اللہ لوگوں کو مہلت دیتا ہے کہ وہ حق کو سن کر اصلاح کو قبول کریں، وہ انہیں بخش بھی دیتا ہے، ان پر رحم بھی فرماتا ہے۔

حاصل : مفتری اللہ تعالیٰ کو علیم مطلق نہیں مانتا، وہ جزا پر یقین بھی نہیں رکھتا۔ وہ پاک نہیں ہوتا، اسے کسی کو پاک کرنے کا شرف بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے بارے میں کیا کہا گیا

ہے، اور سننے والوں نے اس کا کیا جواب دیا ہے۔ اصلاح کو قبول کرنے والوں کو بخش دینا اور ان پر رحم فرمانا اللہ کی سنّت ہے، اللہ کے بندوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٩﴾

فرما دیجئے میں کچھ نیا رسول نہیں ہوں، اور نہ یہ ادراک ہے کہ میرے ساتھ کیا ہو گا اور تمہارے ساتھ کیا ہو گا، میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی آتی ہے، اور میں تو صاف ڈر سنانے والا ہی ہوں۔

مرسلین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے بھی بھیجا گیا ہے، اس لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، ماضی کے مرسلین کی مصدق ہے، اور ماضی کے مرسلین آپ کی رسالت کی بشارت دیتے رہے ہیں۔ اللہ کے رسول کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ ذاتی علم کا دعویٰ کرے، اور اُس کی بنا پر یہ بتائے کہ اس کا مستقبل کیا ہو گا اور دوسروں کا مستقبل کیا ہو گا۔ ایسا علم کبھی قیافے سے خالی نہیں ہو سکتا۔ ایسے علم سے کبھی لوگوں کو راہِ فلاح نہیں مل سکتی۔ ایسا علم، اللہ کی معیت کے راستے میں ہمیشہ بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے، میری اپنی کوئی بات نہیں ہوتی، میری بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ میں وہ علم عطا کرتا ہوں جو علم تمہیں نہیں تھا، اور میں تمہیں تمہارے انجام سے اسی علم کی بدولت ڈرا رہا ہوں جو علم مجھے اللہ نے دیا ہے۔

حاصل : اللہ کے رسول کا تعارف اللہ نے کروایا ہے۔ ذاتی علم شانِ رسالت کے منافی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علم عطا کیا وہ انتہائی قابلِ احترام ہے۔ شاہد کی یہ شان بتائی گئی ہے کہ وہ بشارت بھی دیتا ہے، ڈر بھی سناتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ ع

فرما دیجئے بھلا دیکھو تو اگر یہ عنداللہ ہو اور تم اس کا انکار کر بیٹھو، اور بنی اسرائیل سے شاہد اس کی مثل پر شہادت دے، پھر وہ ایمان لائے اور تم استکبار کرو، بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

دعوت فکر دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جس قرآن پاک کو تم افترئ کہہ رہے ہو، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، تو اس سے بڑا انعام تمہارے لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر تم اس کا انکار کر بیٹھو گے، تو اس سے بڑا خسارہ بھی تمہارے لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس قرآنِ پاک کے بارے میں تمہیں اپنے لوگوں میں سے یعنی بنی اسرائیل سے کسی بڑے صاحبِ علم و فضل کی شہادت پر غور کرنا چاہئے۔ اگر تم میں بہت بڑے علم و فضل والا ایمان لے آئے۔ اور قرآنِ پاک کے حق ہونے کی شہادت دے، یہ شہادت دے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے کہ ماضی اس کی تصدیق کرتا ہے، اور تم اس کی بات کو سن کر استکبار سے منہ پھیر لو، تو یہ تمہاری علم دشمنی کا ثبوت ہو گا، یہ تمہارے ظلم کا ثبوت ہو گا، اور ظالم لوگوں کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

حاصل : قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، اس کا انکار بڑے خسارے کا باعث بنتا ہے۔ ماضی کا علم رکھنے والا جب حال کی تصدیق کرے، تو اس کی شہادت بڑی شان رکھتی ہے۔ ایسی شہادت کا انکار وہی کرتا ہے جو شیطان کا ساتھی ہو۔ ظالم کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج (22) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ﴿٨﴾ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٩﴾

اور کوئی شخص اللہ کے بارے میں بغیر علم و ہدایت کے اور بغیر کتابِ منیر کے جھگڑتا ہے، اپنی کروٹ موڑ کر، تاکہ اللہ کی راہ سے بھکائے۔ اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور قیامت کے دن ہم اسے جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔ (22:8-9)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ﴿١١﴾

اور کافر ایمان والے لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر اس میں بہتری ہوتی تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت نہ لے جاتے۔ اور جب انہوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی تو اب کہیں گے، یہ تو قدیم جھوٹ ہے۔

کافر لوگ حیاتِ دنیا پر راضی اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔ حیاتِ دنیا کی زینت ان کا مقصود ہوتی ہے۔ متاعِ حیات کی بہتات کو وہ اپنی فضیلت جانتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غریب مسلمانوں کے مقابل سبقت حاصل کر گئے ہیں۔ یہ کافروں کے

صاحبانِ ثروت لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں، کہ اگر قرآن میں کچھ بہتری ہوتی، تو یہ غریب لوگ اس کو ماننے میں ہم پر سبقت کیسے لے جاتے۔ زندگی کے دوسرے بہت سے مقامات پر تو یہ لوگ ہم سے بہت پیچھے ہیں۔ جب کافروں نے قرآنِ پاک سے ہدایت نہیں پائی، تو یہ اس معیارِ ہدایت کا ہی انکار کریں گے اور اسے پرانا جھوٹ قرار دیں گے، اور یہ کہیں گے کہ جزا کا ڈراوا تو قدیم زمانے سے سنتے چلے آرہے ہیں، نہ قیامت کبھی آئی ہے نہ اسے آنا ہے۔

حاصل : قرآنِ پاک کے ماننے میں یقیناً بہتری ہے، مگر یہ بہتری اسے نظر آتی ہے جو ناصحؐ امین سے محبت رکھتا ہو۔ جو لوگ حق کے مقابل اپنی پسند کو معیار بنالیتے ہیں، وہ ڈر کے پیغام کو قدیم جھوٹ قرار دیتے ہیں۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫

اور اس سے قبل کتابِ موسیٰ امام و رحمت تھی، اور یہ کتاب زبانِ عربی میں اس کی مصدّق ہے، کہ ظلم کرنے والوں کو ڈر سنائے اور محسنین کے لئے بشارت ہو۔

قرآن پاک سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی گئی کتاب توریت شریف لوگوں کی رہنمائی کرتی تھی، اور ان کے لئے باعثِ رحمت تھی۔ قرآن شریف زبانِ عربی میں اس کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے۔ حق کی تصدیق کرنے والی کتاب کو جھوٹ قرار دینا ممکن نہیں۔ توریت شریف کا منشاء بھی یہی تھا کہ خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا جائے، اور احسان کرنے والوں کو یہ خوش خبری دی جائے کہ انہیں فلاح نصیب ہوگی۔ قرآن پاک بھی ظالموں کو ان کے انجام سے ڈراتا ہے، اور احسان کرنے والوں کو فلاح کی بشارت دیتا ہے۔ توریت شریف میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی نشانیاں بیان فرمائی گئی ہیں کہ اہلِ کتاب کے لئے آپ کو پہچاننے میں کچھ مشکل نہیں۔

حاصل : قرآنِ پاک حال پر تاقیامت امام و رحمت ہے۔ حال ماضی کا مصدّق ہے ماضی حال کا مصدق ہے۔ خلافِ حق کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرانا اور احسان کرنے والوں کو فلاح کی بشارت دینا، شاہدین کا کام ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬

بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر استقامت پکڑی تو ان پر نہ خوف ہے اور نہ ہی انہیں غم ہو گا۔

احسان کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے، وہی ہمارا پالنے والا ہے، وہی

ہماری ضروریات کا سب سے بڑا جاننے والا ہے، وہی قادر مطلق ہے۔ اس کی طرف سے جو بھی عطا ہو وہ بڑے علم سے ہوتی ہے۔ یہ تسلیم کر لینے کے بعد استقامت سے اس پر پورا رہ کر دکھانا صداقت کا ثبوت ہوتا ہے۔ ہونے کا مقام ہو تو شکر ادا کیا جاتا ہے، ہونے کا مقام آنے والا ہو تو صبر کیا جاتا ہے۔ جو لوگ نتائج کو باذن اللہ جانتے ہیں، انہیں خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

حاصل : محسنین یہی کہتے ہیں، اللہ ہمارا رب ہے، پھر استقامت سے اپنی صداقت کا ثبوت دیتے ہیں۔ جو نتائج کو باذن اللہ مان لیں، انہیں خوف و حزن سے نجات مل جاتی ہے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ج جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

وہ اہلِ جنّت ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے، جزا ان اعمال کی جو وہ کرتے رہے۔

اہلِ جنّت کی پہچان بتائی گئی ہے، کہ اس آئینے میں دیکھ کر اپنا رخ سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ رخ درست ہو تو انجام جنّت ہو گا۔ یہ دائمی انعامات کا مقام ہے۔ محسنین کو جن انعامات سے جنّت میں نوازا جائے گا، وہ ان کے اعمال کی جزا ہوں گے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ آئینے میں دیکھنا چاہیے۔ رخ درست ہو تو محسنین کے ساتھ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، ورنہ اصلاحِ حال میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے اعمال کی جزا ہی ہمیں ملے گی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ط وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ط حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً لا قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیّت کی۔ اس کی ماں نے تکلیف سے اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے اسے جنا۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس مہینے ہوئے، حتیٰ کہ جب پختگی کو پہنچتا ہے اور چالیس کے سِن میں داخل ہوتا ہے تو دعا کرتا ہے، اے میرے ربّ مجھے سنبھال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جس نعمت سے تو نے مجھے اور میرے والدین کو نوازا اور میں وہ صالح عمل

ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾

کروں جس سے تو راضی ہو، اور میرے لئے میری اولاد کی اصلاح فرما دے، میں تیری طرف رجوع لایا اور میں فرماں برداروں سے ہوں۔

والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کو حق کی احسن ادائیگی میں ان کے درجے کے حوالے سے اس طرح مدد دینا کہ وہ ان کے لئے باعثِ راحت ہو، وہ جو کارِ خیر بھی کرنا چاہیں حوصلے سے کر سکیں، تو یہ اولاد کی طرف سے احسان کا ثبوت ہو گا۔ اگر والدین شرک کرتے ہیں تو ان کی ذاتی خدمت کا حق ضرور ادا کرنا چاہئے، مگر ان کی راہ نہیں لینی چاہئے۔ والدین کے ساتھ احسان کیا جائے تو معاشرے میں خوبی مستحکم ہوتی چلی جاتی ہے۔ بہتر جاننے والوں کی قدر و منزلت ہو گی تو راہ راست روشن ہوتا جائے گا۔ والدین مخلصین سے ہوں تو پھر ان کے نقوشِ قدم کو صراطِ مستقیم کہنا حق ہے، اور اپنی سمجھ کو ان کے فرمان کے تابع رکھنا تقاضاء ادب ہے۔ وصیت کے بعد ماں کے مقام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ وضع حمل کا دکھ بھی بڑا دکھ ہوتا ہے۔ دودھ پلانا بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ یہ سب کام ماں طبعی طور پر کرتی ہے۔ اللہ نے اپنے علم سے جو اہتمام کیا ہے، اس کی طرف بھی دیکھنا چاہئے، اور ماننا چاہئے کہ ربّ العالمین کے علم سے بڑا کوئی علم ہو ہی نہیں سکتا۔ حمل کے ابتدائی تین مہینے ایسے ہوتے ہیں، جن میں عورت کئی طرح کے حالات سے گزرتی ہے مگر پیٹ میں بوجھ کا احساس نہیں ہوتا۔ جب تین ماہ بعد بوجھ کا احساس شروع ہوتا ہے، تو پھر یہ ہر روز بڑھتا ہی رہتا ہے۔ کمزوری پر کمزوری بڑھتی چلی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوتِ برداشت بھی بڑھتی رہتی ہے۔ کم سے کم مدت جس میں بچے کی پیدائش ممکن ہے، اس کا تعین ضروری ہے کہ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف روشن رہے۔ طبعی طور پر کسی مادہ کے حاملہ ہو جانے کے بعد نَر اس کے قریب نہیں جاتا۔ وضع حمل کے بعد دودھ پلانے کی مدت میں بھی نَر، مادہ کے قریب نہیں جاتا۔ حضرتِ انسان کے لئے جانوروں میں بھی نشانیاں رکھی گئی ہیں۔ اگر ماں باپ حمل قرار پانے کے بعد سے لے کر دودھ چھڑانے کی عمر تک آپس میں نہ ملیں تو اس سے جو برکات حاصل ہوں گی، ان کو دیکھا تو جا سکتا ہے، وہ بیان میں نہیں آسکتیں۔ بچہ بڑا ہوتے ہوتے جب چالیس برس کا ہو جاتا ہے تو جسمانی لحاظ سے بھی اس کے اندر پختگی آجاتی ہے، روحانی لحاظ سے بھی اس کے اندر پختگی آجاتی ہے۔ اس کے اپنے تجربات اور مشاہدات اسے یہ بتاتے ہیں کہ حق کے حوالے سے اس کو کیا کرنا چاہئے تھا، اور اس نے کیا کیا ہے۔ اس کو اپنے حقوق بھی نظر آتے ہیں مگر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے گناہ سے بچنا اس کا طریق زندگی ہو جاتا ہے۔ جو اس کے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے، وہ اسے باذنِ اللہ مانتا ہے اور خدمتِ خلق کو کبھی مؤخر نہیں کرتا۔ عمر کی اس حد پر پہنچ کر طبیعت میں توازن آجاتا ہے، اور بندہ حقوق العباد کو بطریقِ احسن ادا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر دیکھتا ہے، تب وہ دعا کرتا ہے: اے میرے ربّ تیرے سہارے کے بغیر میں اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ تو نے مجھے بھی اپنے فضل سے نوازا، میرے والدین کو بھی اپنے فضل سے نوازا۔ جس مقام پر میں یہ دعا کر رہا ہوں، اس پر پہنچنا تیرے فضل سے ہی ممکن ہوا۔ تو میری رہنمائی فرما کہ میں صالح عمل کروں، صالحین کی معیت اختیار کروں جس سے تو راضی ہو۔ میری اولاد کو بھی راہِ راست پر رکھ کہ وہ بھی صالح ہوں۔ میں تیری طرف رجوع لاتا ہوں، اور میں فرمان بردار لوگوں سے ہوں۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے سنجیدگی کا مقام اس قدر واضح کر دیا گیا ہے، کہ

ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٥﴾

کروں جس سے تو راضی ہو، اور میرے لئے میری اولاد کی اصلاح فرما دے، میں تیری طرف رجوع لایا اور میں فرماں برداروں سے ہوں۔

والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کو حق کی احسن ادائیگی میں ان کے درجے کے حوالے سے اس طرح مدد دینا کہ وہ ان کے لئے باعثِ راحت ہو، وہ جو کارِ خیر بھی کرنا چاہیں حوصلے سے کر سکیں، تو یہ اولاد کی طرف سے احسان کا ثبوت ہو گا۔ اگر والدین شرک کرتے ہیں تو ان کی ذاتی خدمت کا حق ضرور ادا کرنا چاہئے، مگر ان کی راہ نہیں لینی چاہئے۔ والدین کے ساتھ احسان کیا جائے تو معاشرے میں خوبی مستحکم ہوتی چلی جاتی ہے۔ بہتر جاننے والوں کی قدر و منزلت ہو گی تو راہ راست روشن ہوتا جائے گا۔ والدین مخلصین سے ہوں تو پھر ان کے نقوشِ قدم کو صراطِ مستقیم کہنا حق ہے، اور اپنی سمجھ کو ان کے فرمان کے تابع رکھنا تقاضاء ادب ہے۔ وصیت کے بعد ماں کے مقام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ وضع حمل کا دکھ بھی بڑا دکھ ہوتا ہے۔ دودھ پلانا بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ یہ سب کام ماں طبعی طور پر کرتی ہے۔ اللہ نے اپنے علم سے جو اہتمام کیا ہے، اس کی طرف بھی دیکھنا چاہئے، اور ماننا چاہئے کہ ربّ العالمین کے علم سے بڑا کوئی علم ہو ہی نہیں سکتا۔ حمل کے ابتدائی تین مہینے ایسے ہوتے ہیں، جن میں عورت کئی طرح کے حالات سے گزرتی ہے مگر پیٹ میں بوجھ کا احساس نہیں ہوتا۔ جب تین ماہ بعد بوجھ کا احساس شروع ہوتا ہے، تو پھر یہ ہر روز بڑھتا ہی رہتا ہے۔ کمزوری پر کمزوری بڑھتی چلی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوتِ برداشت بھی بڑھتی رہتی ہے۔ کم سے کم مدت جس میں بچے کی پیدائش ممکن ہے، اس کا تعین ضروری ہے کہ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف روشن رہے۔ طبعی طور پر کسی مادہ کے حاملہ ہو جانے کے بعد نَر اس کے قریب نہیں جاتا۔ وضع حمل کے بعد دودھ پلانے کی مدت میں بھی نَر، مادہ کے قریب نہیں جاتا۔ حضرتِ انسان کے لئے جانوروں میں بھی نشانیاں رکھی گئی ہیں۔ اگر ماں باپ حمل قرار پانے کے بعد سے لے کر دودھ چھڑانے کی عمر تک آپس میں نہ ملیں تو اس سے جو برکات حاصل ہوں گی، ان کو دیکھا تو جا سکتا ہے، وہ بیان میں نہیں آ سکتیں۔ بچہ بڑا ہوتے ہوتے جب چالیس برس کا ہو جاتا ہے تو جسمانی لحاظ سے بھی اس کے اندر پختگی آ جاتی ہے، روحانی لحاظ سے بھی اس کے اندر پختگی آ جاتی ہے۔ اس کے اپنے تجربات اور مشاہدات اسے یہ بتاتے ہیں کہ حق کے حوالے سے اس کو کیا کرنا چاہئے تھا، اور اس نے کیا کیا ہے۔ اس کو اپنے حقوق بھی نظر آتے ہیں مگر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کے گناہ سے بچنا اس کا طریق زندگی ہو جاتا ہے۔ جو اس کے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے، وہ اسے باذن اللہ مانتا ہے اور خدمتِ خلق کو کبھی مؤخر نہیں کرتا۔ عمر کی اس حد پر پہنچ کر طبیعت میں توازن آ جاتا ہے، اور بندہ حقوق العباد کو بطریق احسن ادا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر دیکھتا ہے، تب وہ دعا کرتا ہے: اے میرے ربّ تیرے سہارے کے بغیر میں اپنا توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ تو نے مجھے بھی اپنے فضل سے نوازا، میرے والدین کو بھی اپنے فضل سے نوازا۔ جس مقام پر میں یہ دعا کر رہا ہوں، اس پر پہنچنا تیرے فضل سے ہی ممکن ہوا۔ تو میری رہنمائی فرما کہ میں صالح عمل کروں، صالحین کی معیت اختیار کروں جس سے تو راضی ہو۔ میری اولاد کو بھی راہِ راست پر رکھ کہ وہ بھی صالح ہوں۔ میں تیری طرف رجوع لاتا ہوں، اور میں فرمان بردار لوگوں سے ہوں۔ اصلاحِ معاشرہ کے لئے سنجیدگی کا مقام اس قدر واضح کر دیا گیا ہے، کہ

شعور کی موجودگی میں چالیس کے سن میں داخل ہونے والا کوئی بھی فرد اس سے غافل نہیں رہ سکتا۔

حاصل : والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے۔ والدین حق کے منکر بھی ہوں تو بھی ان کی ذاتی خدمت کا حق ضرور رہتا ہے اولاد پر۔ ماں کے ساتھ تعلق ایسا ہونا چاہئے کہ اسے اصول و ضوابط نہ سمجھائے جائیں، اس کی بات امرِالٰہی کے خلاف نہ ہو تو مان لینی چاہئے۔ اس کی خوشی کے لئے مال خرچ کرنا ضروری ہے۔ کم سے کم مدت جس میں بچہ پیدا ہو سکتا ہے، اس کا تعیّن کرنا ضروری ہے کہ پاک اور ناپاک کے درمیان وقف رہے۔ حمل کے دوران اور رضاعت کے وقت میں ماں باپ ایک دوسرے کے قریب نہ جائیں تو اس سے بڑی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ چالیس سال کے سن میں داخل ہو کر سنجیدگی اور قناعت بندے کا حال ہو جائے تو حق ہے، اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، والدین کے لئے دعا کرنی چاہئے، صالحین کی معیّت اختیار کرنی چاہئے، کہ اللہ اس سے راضی ہوتا ہے۔ اپنی اولاد کے لئے دعا کرنی چاہئے کہ وہ صالح ہو۔ یہ کہنا چاہئے یا اللہ میں تیری طرف رجوع لایا اور میں فرمانبرداروں سے ہوں۔

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ أَحۡسَنَ مَا عَمِلُواْ وَنَتَجَاوَزُ عَن سَيِّـَٔاتِهِمۡ فِيٓ أَصۡحَٰبِ ٱلۡجَنَّةِۖ وَعۡدَ ٱلصِّدۡقِ ٱلَّذِي كَانُواْ يُوعَدُونَ ﴿١٦﴾

یہ ہیں وہ لوگ جن کے اچھے اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں، اور ان کی کوتاہیوں سے در گزر کرتے ہیں، یہ اہلِ جنّت ہیں۔ ان سے کیا جانے والا وعدہ پورا ہو گا۔

جو لوگ چالیس کے سن میں داخل ہوتے ہوئے سنجیدگی اور متانت کو اپنا حال بنا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود بناتے ہیں، اولاد کو راہِ راست پر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لاتے ہیں اور فرمانبرداروں سے رہتے ہیں، ان کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے، کہ ان کے اچھے اعمال اللہ کے ہاں مقبول ہوتے ہیں، ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا جاتا ہے، یہ جنّتی حضرات ہیں۔ جنّت کی حقیقت راحت ہے، ان لوگوں سے اللہ نے راحت کا وعدہ فرما رکھا ہے اور یہ وعدہ پورا ہو گا۔

حاصل : جن اعمال کا مقصود رضائے الٰہی ہو، وہ اچھے ہوتے ہیں، اور اللہ کے ہاں مقبول ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے اچھے اعمال اللہ کے ہاں مقبول ہوتے ہیں، ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ ایسے جنّتی لوگوں سے راحت کا وعدہ ہے، اور یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورا ہو گا۔

وَٱلَّذِي قَالَ لِوَٰلِدَيۡهِ أُفّٖ لَّكُمَآ

اور جس نے اپنے والدین سے کہا میں تم سے بیزار ہوں، کیا تم مجھے اس سے ڈراتے

اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

ہو کہ اٹھایا جاؤں گا، حالانکہ مجھ سے پہلے کتنے ہی قرن گزر چکے ہیں۔ اور وہ اللہ سے مدد مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں، تجھ پر افسوس ہے تو ایمان لے آ، بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ وہ یہی جواب دیتا ہے کہ یہ تو محض اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

یہ مومن والدین کے کافر بیٹے کا ذکر ہے۔ جب والدین اسے یوم حساب کا یقین رکھنے کو کہتے ہیں، تو وہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ والدین مجھے عیش و عشرت سے روکنا چاہتے ہیں، اس لئے مجھے قیامت کے دن سے ڈرا رہے ہیں۔ والدین کو جواب دیتے ہوئے بیٹا یہ کہتا ہے کہ جس قیامت سے آپ مجھے ڈرا رہے ہیں، یہ ایک مفروضہ بات ہے۔ نہ یہ کبھی ہوئی ہے نہ ہوگی۔ مجھے یہ پتہ ہے کہ مجھ سے پہلے بہت لوگ گزر چکے ہیں ان میں سے کوئی بھی جزا کے لئے اٹھایا نہیں گیا۔ والدین بیٹے کی تکلیف دہ باتوں کو سن کر اللہ سے مدد مانگتے ہیں، اور بیٹے کو سمجھاتے ہوئے یہ کہتے ہیں: تجھ پر افسوس ہے کہ تو بیہودہ باتیں کرتا ہے۔ تو اس راستے کو چھوڑ دے، تو ایمان لے آ۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے، قیامت ضرور آئے گی اور تجھے تیرے کیے کی جزا دی جائے گی۔ وہ جواب میں یہی کہتا ہے: آپ کیسی باتیں کرتے ہیں، نہ قیامت آئی ہے نہ آئے گی، یہ تو محض اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

حاصل : نیک لوگوں کی اولاد بھی حق کا انکار کرنے لگے تو والدین سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔ قیامت، کلی طور پر عمل کے لئے دیئے گئے وقت کے خاتمے پر ہوگی۔ والدین کو اولاد کی بڑی پرواہ ہوتی ہے۔ اولاد کی بے ہودہ باتیں سن کر بھی وہ سمجھاتے ہی چلے جاتے ہیں، ایمان لانے کی تاکید کرتے ہیں، یہ بتاتے رہتے ہیں قیامت ضرور آکر رہے گی، کہ اللہ کا حکم یہی ہے۔ مگر مغرور لوگ حق کو سن کر یہی کہتے ہیں، یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

یہ وہی لوگ ہیں، جن پر قول حق ہو چکا، جن و انس کی اُمتوں میں سے جو ان سے قبل گزر چکی ہیں۔ بے شک وہ خسارے والے تھے۔

جن و انس کے صراط مستقیم پر ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ وہ اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرتے ہوں۔ جو لوگ حق کا انکار

کرتے ہیں، وہ ضرور عذاب میں پکڑ لئے جاتے ہیں۔ ان پر عذاب وہاں سے آجاتا ہے جس کا انہیں شعور بھی نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن علم والے حضرات یہ کہیں گے، آج ساری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ (16:27)

حاصل : حق کا انکار کرنے والے، یقیناً خسارے کی راہ پر پڑ جاتے ہیں۔ ان کا انجام وہی ہوتا ہے جو پہلے منکرین حق کا ہو چکا ہے۔ جو حق کے مقابل باطل کو مانتے ہیں، وہ ہمیشہ خسارے میں رہتے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾

اور ہر ایک کے لئے اپنے اعمال کے مطابق درجات ہوں گے، تاکہ اللہ ان کے اعمال انہیں پورے دے، اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

والدین کے ساتھ احسان کرنے والے اور احسان نہ کرنے والے مساوی نہیں ہیں۔ ہر ایک کے لئے اپنے اعمال کے مطابق درجات ہوں گے۔ اہلِ جنّت کو جو کچھ عطا ہو گا وہ کبھی ختم نہ ہونے والی نعمتیں ہوں گی۔ (11:108) منکرین حق کو ان کا کیا ہوا پورا دیا جائے گا، جس میں کمی نہ ہوگی۔ (11:109) اللہ تعالیٰ کی شان ہے، کہ وہ ہر حال کی خبر رکھتا ہے۔ کسی کا کوئی بھی عمل اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کسی کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔

حاصل : جو خیر کے رخ پر ہے، اس کی جزا بصورت فلاح ہو گی، جو خلافِ حق کرتا ہے اس کی جزا بصورتِ خسارہ ہو گی۔ کسی کا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں رہ سکتا، اس لئے کسی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم بھی نہیں ہو گا، ہمیں ہر عمل کے ساتھ جزا کا یقین رکھنا چاہئے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع ۱۰ / ۲

اور جس دن کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے، (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنی حیاتِ دنیا میں طیّبات کو لے چکے ہو اور ان سے بہرہ مند ہو چکے ہو، تو آج تمہاری جزا ذلّت کا عذاب ہے، اس لئے کہ تم زمین میں ناحق استکبار کرتے تھے اور اس لئے کہ تم فسق کرتے تھے۔

کافر حیات دنیا کے بارے میں یہ کہتے ہیں: کہ بس یہی ہے اور ہمیں جزا کے لئے اٹھایا نہ جائے گا۔ (23:37) جو حیات دنیا اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہو، اسے اس کے اعمال پورے دیئے جاتے ہیں، اس میں کمی نہیں ہوتی۔ (11:15) آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے آگ ہی ہوگی۔ جزا کے منکرین کو جب آگ کے سامنے لایا جائے گا، تو ان سے پوچھا جائے گا: کیا یہ حق نہیں ہے۔ وہ کہیں گے یقیناً ہے، تو حکم ہوگا چکھو عذاب بدلہ اس کا جو تم کیا کرتے تھے۔ تم اپنے حصے کی نعمتیں حیاتِ دنیا میں خلافِ حق استعمال کرتے ہوئے ضائع کر چکے، تو آج تمہاری ناسپاسی کی جزا ذلّت کا عذاب ہے۔ تم اپنی پسند کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ تم زمین میں ناحق استکبار کرتے تھے، اور حق کے ساتھ اپنی پسند کو ملاتے تھے۔ اس طرح تم اپنی خواہشات کی ہی پیروی کرتے تھے۔

حاصل : جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔ جو نعمتیں اللہ کی رضا کے مطابق استعمال ہوں، انہیں دوام حاصل ہو جاتا ہے۔ جو نعمتیں خلافِ حق استعمال ہوں وہ حیاتِ دنیا میں ہی ضائع ہو جاتی ہیں۔ استکبار کرنے والوں کے لئے اور فسق کرنے والوں کے لئے آخرت میں آگ کا عذاب ہو گا، رسوائی کا عذاب ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ نساء (4) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾

اور بے شک ہم نے ان لوگوں کو جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی تھی، اور تمہیں وصیّت کی، کہ اللہ پر تقویٰ کرو، اور اگر تم کفر کرو، تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ بے نیاز ہے حمد کیا ہوا۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾

اور عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے، جب آپ نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈر سنایا، اور بے شک ڈر سنانے والے آپ کے آگے بھی گزرے، پیچھے بھی، کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک مجھے تم پر یوم عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد میں مبعوث ہوئے۔ آپ نے اپنی قوم کو اس کے مقام پر جس کا نام احقاف ہے، اللہ کا پیغام پہنچایا۔ یہ احقاف ایسی جگہ تھی، جہاں اس قوم کی مادی ترقی لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی، اور اس قوم کو اپنے علوم و فنون

پر بڑا ناز تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کا پیغام تو وہی تھا جو آپ سے پہلے مرسلین کی زبانی سنا جا چکا تھا۔ یہ پیغام تو ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا، اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، یہ شرک ہے، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پر ایک ہولناک دن کا عذاب آنے والا ہے۔

حاصل : اصلاحِ حال کے لئے ماضی کا ذکر بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ پیغامِ حق ایک ہی تھا، ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا، کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے، اس کا انجام خسارہ ہی ہوتا ہے۔

قَالُوٓا اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۲۲﴾

کیا آپ اس لئے آئے ہیں، کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے فریب کے ذریعے برگشتہ کر دیں۔ تو لے آیئے وہ جس کی آپ دھمکی دے رہے ہیں، اگر آپ سچے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم شرک میں مبتلا تھی۔ آپ نے انہیں ان کے انجام سے آگاہ کیا، تو وہ بہت برہم ہوئے، اور اللہ کے مقابل جن کو وہ لوگ معبود ٹھہراتے تھے، انہیں کسی سند کے بغیر معبود ماننے پر مصر رہے۔ انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام سے یہ کہا آپ کا استدلال اپنی جگہ، مگر یہ کیا بات ہوئی کہ آپ اس تہذیب کو ہی ختم کرنا چاہتے ہیں جو ہماری پہچان ہے۔ آپ ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر نہیں سکتے۔ اگر آپ سچے ہیں، تو جس عذاب سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں، وہ عذاب لے آیئے۔ عذابِ الٰہی کے بعد عمل کے لئے دی گئی مہلت ہی نہ ہو تو پیغامِ حق پہنچانے والے کی صداقت کو ماننا بھی نفع نہیں دیتا۔

حاصل : مشرک لوگوں کو اپنی قدروں سے، اپنی تہذیب سے بڑا تعلق ہوتا ہے۔ پیغامِ حق کو سن کر وہ یکسو ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے، وہ یہ کہتے ہیں، جس انجام سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، اسے دیکھ کر ہی وہ حق کو مانیں گے۔

قَالَ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمۡ مَّاۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَلٰكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾

فرمایا، اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے اور میں تو تمہیں وہی پہنچاتا ہوں، جو دے کر بھیجا گیا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں تم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا انکار کرنے والوں نے جب ہولناک عذاب کو ہی حضرت ہود علیہ السلام کی صداقت کو ماننے کے لئے شرط قرار دے دیا، تو آپ نے فرمایا، تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا، (7:71) میں تو تمہیں اپنے رب کا بھیجا ہوا ہی پہنچاتا ہوں، (7:68) اگر اللہ نے عذاب کا وقت بتایا ہوتا تو وہ بھی تمہیں بتا دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ وہ تو لوگوں کے ساتھ مہربانی اور رحم کا سلوک ہی کرتا ہے۔ لوگ اگر ظلم کا راستہ اختیار کریں تو وہ اپنے کیے پر ہی پکڑے جائیں گے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے منکرینِ حق کو بتایا، کہ میں تم لوگوں کو جہالت میں پڑا ہوا دیکھ رہا ہوں، تم لوگ عذابِ الٰہی کے سامنے اپنی حیثیت کو نہیں دیکھ رہے، عذاب کے واقع ہونے کا وقت جاننے کے پیچھے پڑے ہو۔

حاصل : اللہ کے رسول کی شان کے لائق ہی نہیں تھا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے میں کمی بیشی کرتے۔ جاہل لوگ وہ نہیں دیکھ پاتے جو اللہ کے پاک بندے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ جاہل، اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو دیکھتے ہی نہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾

پھر جب انہوں نے دیکھا کہ بادل ان کی وادیوں کی طرف اڈا آرہا ہے، کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے، جس کی تم جلدی مچا رہے تھے، یہ آندھی ہے جس میں المناک عذاب ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے عاد کو عذابِ الٰہی سے آگاہ کر دیا تھا، جب یہ عذاب بادل کی صورت میں ان لوگوں کو نظر آیا تو وہ یہ سمجھے کہ یہ بارش برسانے والا بادل ہے جس کے لئے وہ لوگ سخت بے چین تھے اور جس سے ان کی زمین کی حالت سدھرنے والی تھی۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بتایا، یہ بادل تمہاری حالت سنوارنے والا نہیں ہے۔ یہ بادل تمہارے لئے عذاب ہے، یہ تمہاری حالت بگاڑ کر رکھ دے گا، اور یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ آندھی ہے جو اپنے اندر المناک عذاب رکھتی ہے، اب دیکھو اس کے مقابل تم کیا حیثیت رکھتے ہو۔

حاصل : جاہل لوگ عذابِ الٰہی میں پکڑے جائیں تو انہیں اپنے انجام کا پتہ لگتا ہے مگر یہاں سے فلاح کی طرف کوئی راستہ جاتا ہی نہیں۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي

ہر شے کو اپنے رب کے امر سے تباہ کر دے گی۔ پھر وہ صبح کو ایسے ہو گئے کہ ان

الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٥﴾

کے مساکن کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ ہم مجرم لوگوں کو ایسے ہی جزا دیتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جس عذاب سے اپنی قوم کو آگاہ کیا تھا، وہ آندھی کی صورت میں عاد پر مسلط ہوا اور آپ نے اس آندھی کی صفت یہ بتائی کہ یہ ہر شے کو اپنے رب کے امر سے تباہ کر دے گی، اور اس آندھی کے سامنے تم لوگ کس قدر ٹھہر سکو گے یہ تم دیکھ لو گے۔ جب عاد نے حضرت ہود علیہ السلام سے یہ کہا تھا، لے آیئے وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا: انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ (7:71) جب یہ عذاب ان لوگوں پر پڑا تو وہ نابود ہو گئے، اور جب عذاب ختم ہوا، تو ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ ہوا نے ان لوگوں کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں جو اللہ کی آیات کو جھٹلاتے تھے۔ آیاتِ الٰہی کی تکذیب جرم ہے، اور اس جرم کی سزا ایسے ہی دی جاتی ہے۔

حاصل: استکبار کرنے والے لوگوں کی جڑیں کاٹنے کے لئے ہوا سے کام لے لینا اللہ کی مطلق قدرت کا ثبوت ہے۔ آیاتِ الٰہی کی تکذیب، جرم ہے، اور اس جرم کا انجام تباہی و ہلاکت ہے۔ تباہی کے راستے کو اختیار کرنے والے اسی انجام کو پہنچیں گے، جس انجام کو پہلے آیاتِ الٰہی کو جھٹلانے والے پہنچ چکے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ ع ٣

اور ہم نے ان کو وہ جماؤ دیا تھا، جو تمہیں نہیں دیا، اور ہم نے انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے، تو ان کے کان اور آنکھیں اور دل ان کے کچھ کام نہ آئے، کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور انہیں اسی نے گھیر لیا، جس کا وہ استہزاء کرتے تھے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے عاد سے یہ فرمایا تھا کہ یاد کرو اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد تمہیں زمین میں خلافت دی تھی، اور تمہیں بڑی بدنی قوت سے نوازا تھا، تمہیں بڑی نعمتوں سے نوازا تھا۔ اللہ کی عنایات کو یاد رکھنا تمہارے لئے باعث فلاح ہو گا۔ (7:69) اللہ نے جس قوت سے عاد کو نوازا تھا، وہ بہت بڑی تھی۔ وہ لوگ پہاڑوں میں آسانی سے گھر بنا لیتے تھے۔ یہ قوت اللہ نے ان کو دی تھی۔ حال پر لوگوں کو یہ قوت حاصل نہیں ہے۔ اللہ نے ان لوگوں کو کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے اور انہوں نے خداداد قوت سے وہ کام کیے کہ وہ اپنی مادی ترقی پر اترانے لگے۔ اپنی قوت پر وہ اس قدر نازاں ہو گئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرنے لگے، اور حق کا مذاق اڑانے لگے۔ اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے ان کو تباہ کر

کے رکھ دیا۔ یہ ہوا ہی تھی، جس نے ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ وہ لوگ اپنی قوت کو تو دیکھتے تھے، مگر یہ نہیں دیکھتے تھے، کہ جس نے یہ قوت دی ہے، اس کی قدرت کے سامنے اس قوت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ماضی میں اس کی بہت مثالیں ہیں کہ اللہ کے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پھر جن لوگوں نے تمسخر کیا انہیں اسی نے گھیر لیا جس کا وہ استہزاء کرتے تھے۔ (21:41)

حاصل : اپنے اسباب و وسائل کی کثرت پر فخر کرنے والے لوگوں کا رخ درست نہیں رہتا۔ کان، آنکھیں اور دل مادی ترقی کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ اللہ ہی عطا کرتا ہے۔ جب رخ درست نہ رہے تو یہ بندے کو خسارے سے نہیں بچا سکتے۔ اللہ کی قدرت کے سامنے اپنی حیثیت کو پہچاننا ضروری ہے، ورنہ انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ ہود (11) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨﴾

اور اگر ہم عذاب کو ان سے کچھ گنتی کے وقت کے لئے ہٹا دیں، تو ضرور کہیں گے، کس نے روکا ہے۔ سن لو، جس دن ان پر عذاب آئے گا، ان سے پھیرا نہیں جائے گا، اور انہیں گھیرے گا جس کا استہزا کرتے تھے۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُم مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾

اور ہم نے تمہارے گرد و پیش کے قریوں کو بھی ہلاک کیا، اور ہم نے اپنی نشانیوں کو کئی صورتوں سے واضح کیا تا کہ وہ رجوع کریں۔

جن بستیوں کو ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہلاک کیا گیا، ان کے اہل یقیناً ظالم تھے۔ ان لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ بھی کیا گیا، اللہ کی نشانیوں کو ان لوگوں پر اس طرح واضح کیا گیا، کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے، اور باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی وضاحت میں کبھی کسر نہیں رہی۔ اللہ ہی ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، اللہ ہی جانتا ہے کس مقام پر لوگوں کو کس طرح کی وضاحت رجوع الی اللہ ہونے میں مدد دے سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی وضاحت ہمیشہ اللہ کے علم سے فرمائی گئی ہے، اس لئے یہ وضاحت ہر زمانے میں پوری تھی۔ ہدایت تو انہیں ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائیں۔

حاصل : اپنے گرد و پیش پر بھی نظر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہمیشہ واضح ہوتی ہیں۔ رجوع الی اللہ ہونے کے لئے جس روشنی کی ضرورت ہوتی ہے وہ روشنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور دی جاتی ہے۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾

تو انہوں نے کیوں نہ ان کی مدد کی جن کو وہ تقرّبِ الٰہی کے لئے معبود بناتے تھے۔ بلکہ وہ تو ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور ان کا افتراء تھا۔

جب کسی بستی کے اہل کو ان کے ظلم کی بدولت پکڑا گیا، تو جن کو وہ معبود مانتے تھے، انہیں ان کی مدد کو آنا چاہئے تھا، اور اپنے ماننے والوں کی مدد کرنی چاہئے تھی۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ عذاب کے وقت تو یہ معبود انہیں کہیں نظر ہی نہ آئے۔ تقربِ الٰہی کے نام پر یہ ان لوگوں کا اپنا گھڑا ہوا جھوٹ تھا، ان کا اپنا بنایا ہوا افتراء تھا۔

حاصل : قربِ الٰہی کے لئے انعام یافتہ حضرات کا اتباع لازم ہے۔ اپنے جھوٹ اور افتراء سے نہ کبھی کسی کا بھلا ہوا ہے نہ اس سے کبھی کسی کا بھلا ہو گا۔ اللہ کی نشانیوں کو نہ مانا جائے تو پھر اپنے جھوٹ اور افتراء سے بچ جانا کب ممکن ہوتا ہے، اور اس کا انجام ہلاکت ہی ہوا کرتا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾

اور جب ہم نے جنّوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا، کہ قرآن سنیں، پھر جب وہاں حاضر ہوئے، کہنے لگے خاموشی ہو۔ تو جب پورا ہو چکا، اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے کے لئے لوٹ گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب وحکمت کا معلّم بنا کر بھیجا گیا۔ جن لوگوں نے آپ کے علم سے فیض حاصل کیا وہ آپ کے لئے باعثِ راحت ہوئے۔ جن لوگوں نے آپ کے علم کی بے قدری کی ان سے آپ کو دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے قدری کے دکھ میں اس طرح راحت سے نوازا کہ جنّوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کر دیا کہ وہ قرآن پاک کو سنیں۔ جب انہوں نے سنا تو اپنے ساتھیوں سے خاموش رہنے کو کہا۔ پھر جب وہ بیان پورا ہو چکا، تو یہ جنّ آپ پر ایمان لائے، آپ سے حق کا علم حاصل کیا، سیدھے رہنے کی طریقت سیکھی اور اپنی قوم کو حق پہنچانے کے لئے، انہیں ڈر سنانے کے لئے چلے گئے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہمیشہ حسبِ حال ہوتی ہے، اور بڑے علم سے ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک کے ادب کے تقاضے کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔ خاموشی سے سننا اس یقین سے تعلق رکھتا ہے، کہ جو کچھ سنایا جا رہا ہے وہ سننے والوں کے لئے بہت اہم ہے۔ خود ماننے کے بعد کسی کو ڈر سنانا حق ہے۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾

کہنے لگے اے ہماری قوم، ہم نے ایک کتاب سنی ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل ہوئی ہے، تصدیق کرتی ہے جو اس سے آگے ہے، حق اور طریق مستقیم کی ہدایت دیتی ہے۔

جنّوں نے اپنی قوم میں آکر ان سے خطاب کیا اور کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ یہ قرآنِ پاک رشد کی راہ دکھاتا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور اب ہم کبھی کسی کو اپنے ربّ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ قرآنِ پاک وہ کتاب ہے، جو تورات شریف کی تصدیق کرتی ہے، اور تورات شریف میں جس کتاب اللہ کا تعارف کرایا گیا ہے یہ وہی کتاب اللہ ہے۔ یہ کتاب، حق کو بیان کرتی ہے اور راہ راست کو روشن کرتی ہے۔ کتاب اللہ کی اہمیت سے جنّوں کو پوری آگاہی تھی، اس لئے ان کے لئے یہ خبر بڑی باعثِ راحت تھی۔

حاصل : اپنے محسوسات کو اپنے لوگوں کے سامنے بیان کرنا ان کے عقائد کے حوالے سے ہونا چاہئے، اور اپنے حال کے مطابق ہونا چاہئے۔ حق اور راہ راست کی طلب رکھنا شعور کے درست ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾

اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے کو مانو اور آپ پر ایمان لاؤ، کہ اللہ تمہارے گناہوں کو بخش دے، اور تمہیں المناک عذاب سے پناہ دے۔

قرآنِ پاک کو سن کر جنّوں نے اپنی قوم کو پیغامِ حق پہنچایا، اور اپنی قوم سے کہا : یہ قرآن جو ہم نے سنا ہے، جس میں رشد و ہدایت ہے، راہِ راست ہے، حق کو اسناد کے ساتھ روشن فرمایا گیا ہے، اللہ کی بہت بڑی عطا ہے۔ اللہ کی طرف بلانے والے کو ماننا اور اس پر ایمان لانا ہماری بھلائی کی صورت ہے۔ اس سے ہمارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور ہمیں اللہ کے المناک عذاب سے پناہ مل جائے گی۔ وہ گناہ جس میں کسی دوسرے کا حق تلف ہوا ہو، اس کی بخشش میں دوسرے کے مقام کی اہمیت واضح ہے۔ یہ مقام کبھی موجود ہوتا ہے، کبھی موجود نہیں ہوتا۔ کلّی عدل قیامت کے دن ہو گا۔

حاصل : اپنی قوم کو پیغامِ حق پہنچانا بہت بڑی خدمت ہے۔ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی شان کو بلند کرنا چاہئے، اس سے محبت کی راہ دکھانی چاہئے، یہ گناہوں کی بخشش اور المناک عذاب سے

پناہ مل جانے کا یقینی راستہ ہے۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کو نہ مانے، تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں، اور اس کے لئے اللہ کے مقابل کوئی دوست نہیں ہو گا۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کو مانا نہ جائے، تو یہ خسارے کی راہ ہے۔ جو حق کو نہ مانے گا، وہ اپنی قوت کے بارے میں یہ بھی جان لے، کہ وہ اللہ کی مشیت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا، اور اللہ کی مشیت کے خلاف کرنے کی طاقت کسی کو ہو ہی نہیں سکتی۔ جو خلافِ حق کرے گا وہ اپنا انجام بھی جان لے کہ اللہ کے مقابل وہ کسی کو اپنا مدد گار نہ پائے گا۔ حق کے مقابل من مانی کرنے والے ہی کھلی گمراہی میں ہیں۔ جنّوں نے اپنی قوم کی رہنمائی کرتے ہوئے انہیں عقائد کو درست رکھنے کی طریقت سکھائی۔ انسانوں اور جنّوں کی تخلیق میں فرق ہے، اس لئے مزاج میں بھی فرق ہے، ضروریات میں بھی فرق ہے۔ بشر کا اسوۂ حسنہ جنّوں کے لئے سند کا درجہ نہیں رکھتا، اس طرح کوئی جن انسانوں کے لئے رسول نہیں ہو سکتا۔ انسانوں اور جنّوں کا حال بھی الگ الگ ہے، مستقبل بھی الگ الگ ہو گا۔ جنّوں کے اعمال کی جزا بھی اللہ ہی دے گا۔ ان کے اعمال کو بشر کے حوالے سے نہ دیکھا جائے گا، اس حوالے سے دیکھا جائے گا، جو جن ہو گا اور راہِ ہدایت پر ہو گا۔

حاصل : جو اللہ تعالٰی کی طرف دعوت دینے والے کو نہ مانے، اس کو اپنی حیثیت کا پتہ نہیں ہوتا، وہ اللہ کی مشیت کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا، جزا کے وقت اس کا کوئی مدد گار نہ ہو گا۔ حق کے مقابل من مانی کرنے والے کھلی گمراہی میں ہوتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِىَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾

کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا، اور ان کی تخلیق سے تھکا نہیں، مُردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے۔

معاد کو، دوبارہ زندہ کئے جانے کو، مان لینے سے اصلاحِ حال لازم ہو جاتی ہے۔ رخ درست ہو تو خواہشات کی پیروی ممکن نہیں ہوتی، اور خواہشات کی پیروی نہ کرنا بہت بڑی بات ہے۔ اس لئے معاد کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بہت سی مثالیں دی گئی ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ ان کی تخلیق بہت بڑا کام ہے۔ اس کام نے خالقِ کل کو تھکایا نہیں۔ آسمانوں

کے اجزاء ہوں، زمین کے اجزاء ہوں، اللہ کے علم سے ہی سب کچھ بنا ہے۔ جس قادرِ مطلق نے نہ ہونے سے ہونا بنایا ہے، وہ مُردوں کو زندہ کرنے کی قدرت یقیناً رکھتا ہے۔ اللہ کی قدرت کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اور اللہ کی قدرت ہر شے کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

حاصل : اللہ خالقِ کل ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کرنے والے قادرِ مطلق کے لئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہو گا۔ اللہ کی قدرت ہر شے پر محیط ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٤﴾

اور جس دن کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے، (ان سے پوچھا جائے گا) کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ وہ عرض کریں گے، ہمارے ربّ کی قسم یقیناً یہ ہے۔ حکم ہو گا، تو چکھو عذاب اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جزا کا انکار کرنے والے جہنّم کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ جب یہ جہنّم کے سامنے پہنچ جائیں گے، اور وہ دن جس کے آنے کو کافر ناممکن کہتے ہیں، آ چکا ہو گا، تو کافروں سے یہ پوچھا جائے گا، جو کچھ تم دیکھ رہے ہو کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔ وہ عرض کریں گے، یہ تو یقیناً حقیقت ہے، ہمارے ربّ کی قسم یہ یقیناً حقیقت ہے۔ اس وقت کافر اللہ کے مقابل کسی کی قسم کھانے کا تصور بھی نہ کر سکیں گے۔ حکم ہو گا، تو چکھو عذاب اس لئے کہ تم کفر کرتے تھے۔ مرسلین کو جھٹلانا جرم ہے، اور اس جرم کی سزا جہنّم کا عذاب ہے۔

حاصل : جزا کا یقین بندے کو راہِ راست پر رکھتا ہے۔ مرسلین کے بیان کی تصدیق قیامت کے دن کافروں سے کروائی جائے گی، پھر انہیں یہ حکم دیا جائے گا، تو چکھو عذاب کہ تم حقائق کو مانتے نہ تھے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ۭ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ

تو صبر کرو جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا، اور ان کے لئے جلدی نہ کرو، جس دن یہ لوگ دیکھیں گے جو وعدہ انہیں دیا جا رہا ہے (تو سمجھیں گے) جیسے دن کی

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

ایک ساعت ہی ٹھہرے تھے۔ تو پہنچا دینا ہی ہے۔ تو فاسق لوگوں کے سوا کون ہلاک ہو گا۔

یہ حکم عام ہے۔ رسول بھی اولوالعزم تھے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے نمونے سے بہتر کا تصور بھی گمراہی ہے۔ رسولوں کا اتباع یقیناً صراطِ مستقیم تھا۔ مخالفین کے مطابق رہنا، مصائب و آلام کو باذن اللہ جاننا اور لوگوں کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے معاملہ کرنا، صبر کرنے والوں کی طریقت ہے۔ منکرین حق جب عذابِ الٰہی کے لئے جلدی مچائیں تو ان سے یہ کہنے کا حکم ہے کہ قریب ہے کہ تمہارے پیچھے لگی ہو وہ چیز جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔ (27:72) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت پوری کی جا رہی ہوتی ہے، اس لئے منکرینِ حق کے لئے عذاب جلد مانگنا درست نہیں ہوتا۔ قیامت کے دن منکرین، حیاتِ دنیا کو ایک ساعت ہی جانیں گے۔ یوم قیامت کی سختی کے مقابل، حیاتِ دنیا اور اس کا سکھ پل بھر ہی معلوم ہو گا۔ حق کا پہنچا دینا ہی کام ہے۔ جو مانتا ہے اسے ماننے کی جزا ملے گی، جو نہیں مانتا اسے اس کے نہ ماننے کی جزا ملے گی۔ جو لوگ حق کے ساتھ اپنی پسند کو ملاتے ہیں وہ فاسق ہیں۔ اللہ انہیں گمراہ کر دیتا ہے۔ ان کے لئے ہلاکت ہی ہو سکتی ہے۔

حاصل : صبر کرنا مومن پر لازم ہے۔ صابر اولوالعزم ہوتے ہیں۔ مخالفین کے لئے عذاب کی جلدی مچانا درست نہیں ہوتا۔ حیاتِ دنیا کے سکھ قیامت کی سختی کے مقابل پل بھر کے ہی معلوم ہوں گے۔ حق کا پہنچا دینا ہی کام ہے۔ ماننے والے کو اس کے ماننے کی جزا دی جائے گی، منکر کو اس کے انکار کی جزا دی جائے گی۔ فاسق لوگ یقیناً ہلاک ہوں گے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ (9) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا، اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ①

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

جو لوگ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ مبارکہ کو پہلے مرسلین کی بشارتوں کے حوالے سے جانتے تھے، وہ لوگ آپ کو بالکل پہچانتے تھے۔ ان لوگوں میں سے جنھوں نے آپ کی تصدیق کو اپنی خواہشات کے خلاف جانا، وہ استکبار میں مبتلا ہو گئے اور آپ کا انکار کرنے لگے۔ ان کے متعلق فرمایا گیا ہے، یہ دور کی گمراہی میں جا پڑے۔ (4:167) یہ لوگ اللہ کی آیات کو قلیل داموں کے عوض بیچتے ہیں، پھر اس کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک یہ بہت ہی بُرے عمل کرتے ہیں۔ (9:9) ان کا حال خلافِ حق ہوتا ہے، اس لئے ان کے ماضی سے تعلق نہیں رکھتا۔ جس ماضی کی حال تصدیق نہ کرے، اس کی نفی کر دی جاتی ہے۔

حاصل : حق کا جان بوجھ کر انکار بہت ہی بُرا عمل ہے، اس کا منشاء لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہوتا ہے۔ جو حال پر بُرا ہے اس کے ماضی کی خوبیاں اکارت ہو جاتی ہیں۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ②

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے اور اس پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا، اور وہی ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان کی بُرائیوں کی نفی کر دی، اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔

ایمان لانے کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے، ایمان لانے کے دعوے کی تکرار کبھی صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ ایمان اس حق پر لایا جائے گا، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے۔ جس بات کی تصدیق

قرآنِ پاک سے نہ ہوگی اس کو مستند نہیں کہا جائے گا۔ صالح اعمال وہ ہوں گے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کو حق جانتے ہوئے کیے جائیں گے اور آپ کے اتباع میں ہوں گے۔ اس معیارِ ہدایت کو بہر حال ملحوظ رکھنے والے صاحبان کی ماضی کی بُرائیوں کی نفی کر دی جائے گی۔ وہ ایسے پاک ہو جائیں گے، کہ جیسے آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے حال کی اصلاح کر دی جائے گی۔ ان لوگوں کا رخ یقیناً سیدھا ہو گا، اور سیدھا رہے گا، کہ ان کی پسند تو کسی بھی مقام پر ان کے راستے میں حائل نہ ہو سکے گی۔

حاصل : ایمان لانے کا دعویٰ صالح اعمال کی شہادت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ اس حق پر ایمان لانا جو بصورتِ قرآن شریف آپ پر نازل ہوا اور آپ کی اطاعت کرنا، آپ کا اتباع کرنا، آپ سے کامل تعلق کا ثبوت ہو گا۔ جہاں یہ تعلق کامل ہو گا، وہاں سے بُرائیوں کو دور کر دیا جائے گا، اور حال کی اصلاح کر دی جائے گی۔ بندے کی طرف سے صداقت کا ثبوت ملتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ پورا کر دیا جاتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿٣﴾

یہ اس لئے ہوا کہ کافروں نے باطل کا اتباع کیا، اور ایمان والوں نے حق کا اتباع کیا جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ اسی طرح لوگوں سے ان کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔

کافروں کا رخ ہمیشہ حق کے انکار کا ہوتا ہے۔ وہ باطل کو مانتے ہیں، اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ سے روکنا، اس میں کجی چاہنا اور آخرت کا انکار کرنا کافروں کا طریقِ زندگی ہے۔ کافر اگر ماضی میں بھلائی کرتے رہے ہوں تو حال پر مذکورہ صفات کے حامل ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال اکارت کر دیئے جائیں گے۔ ایمان والے حق کو مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لانے والے کا اتباع کرتے ہیں۔ ناصح سے محبت ان کے لئے اتنا بڑا سہارا بن جاتی ہے کہ مشکل مقامات سے وہ لوگ باآسانی گزر جاتے ہیں۔ ان کے ماضی کی کوتاہیوں کو بھی دور کر دیا جاتا ہے۔ جس ماضی کی حال پر شہادت نہ ملے اس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ لوگوں کو ان مثالوں سے سبق سیکھنا چاہئے۔

حاصل : جو باطل کا اتباع کرے اس کے سابق اعمال کا اکارت ہو جانا ضروری ہے۔ جو حق کا اتباع کرے اس کی سابقہ کوتاہیوں کی نفی بھی ضروری ہے۔ جس ماضی کی حال پر شہادت نہ ملے اس کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنے حال پر نظر رکھنی چاہئے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ

پھر جب تم کافروں کے مقابل آجاؤ، تو ان

حَتّٰٓی اِذَآ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا ۚۛ ذٰلِکَ ۚۛ وَلَوۡ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ وَلٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا۠ بَعۡضَکُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَالَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۴﴾

۱۳ مع

کی گردنیں مارو۔ حتیٰ کہ جب انہیں کچل چکو تو انہیں مضبوطی سے باندھ لو۔ پھر اس کے بعد احسان کرو یا فدیہ لے لو، حتیٰ کہ لڑائی اپنے اوزار رکھ دے، تمہارا کام یہی ہے۔ اور اللہ اگر چاہتا تو ان سے بدلہ لیتا، لیکن یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تم میں بعض کو بعض سے آزمائے۔ اور جو لوگ فی سبیل اللہ قتل ہوئے، اللہ ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کو نورِ ہدایت جاننا چاہئے، اور اس کو ادب سے ماننا چاہئے۔ اس آیت میں جنگ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلے کا مقام آجائے تو باقی سب تعلقات کالعدم ہو جائیں گے۔ یہاں کافروں کو اللہ کا دشمن جاننا ضروری ہے، اور ان کی گردنیں مارنے میں اللہ کی رضا ہے۔ ان کی طاقت کو کچلنا مقصود ہونا چاہئے۔ یہ طاقت زمین میں فساد کا باعث بنتی ہے، اس لئے اس طاقت کو کچلنے کے لئے کافروں کی گردنوں پر مارا جائے اور ان کے جوڑوں پر مارا جائے۔ نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ کافروں کو قید کرے حتیٰ کہ انہیں زمین میں خوب کچل نہ لے۔ (8:67) کافروں کی قوت کو ختم کر دینے کے بعد جو لوگ ان میں سے بچ جائیں، انہیں قیدی بنانے کا حکم ہے۔ یہاں مضبوطی سے باندھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ مضبوطی سے باندھنا ان کی حرکات کو حفاظتی تدابیر کے لئے محدود کر دینے کے لئے ہوتا ہے، نقصان پہنچانے کے ارادے سے بالکل نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد مومنین کو حاصل ہوگی، کہ اللہ نے اپنے اوپر یہ حق رکھ لیا ہے۔ (30:47) اس مدد کا اظہار بڑے زور سے ہونا چاہئے، پوری قوت سے اللہ کی رضا کے لئے لڑنا چاہئے۔ اس کے بعد دشمن کے ساتھ دو طرح کا رویّہ رکھا جا سکتا ہے، اور اس کا فیصلہ امیر المومنین کو ہی کرنا ہوتا ہے، کہ کس کو احسان کر کے چھوڑنا ہے، اور کس قیدی سے فدیہ لے کر چھوڑنا ہے۔ جب کافروں کی قوت ٹوٹ جاتی ہے، تو لڑائی کے لئے اٹھائے جانے والے ہتھیار رکھ دیئے جاتے ہیں۔ ہتھیار اٹھانے سے لے کر ہتھیار رکھ دینے تک حالتِ جنگ ہے، اور اس میں قطعاً دشمنوں سے کوئی رعایت کرنا حق نہیں ہے۔ بندے سے صرف اسی کام کے بارے میں پوچھا جائے گا، جو اس کے ذمّے ہے۔ اللہ نے مومنین کو جنگ کرنے کا حکم دے کر ان کی عزت افزائی کی ہے، اللہ کو کسی قوم کے مٹانے میں نہ کبھی دیر لگی ہے نہ کبھی دیر لگ ہی سکتی ہے۔ اللہ یہ ضرور دیکھتا ہے کہ حق کو ماننے والے کس قدر مانتے ہیں، اور اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کیا کرتے ہیں، اور یہ بھی چاہتا ہے کہ منکرینِ حق کی حیثیت ان کے سامنے آجائے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کا شرف پا لیتے ہیں، ان کے اعمال کا پورا پورا صلہ دینا اللہ کی شان ہے۔

حاصل: اللہ کے دشمنوں سے میدانِ جنگ میں لڑنا، اللہ کے فرمان کے مطابق ہونا چاہئے:

دشمنوں کی گردنیں ماری جائیں، ان کے جوڑوں پر ضربیں لگائی جائیں، ان کی قوت کو خوب کچلا جائے، باقی جو بچیں ان کو قید کیا جائے، اور مضبوطی سے باندھ لیا جائے۔ چھوڑنے کی صورتیں بھی واضح فرمائی گئی ہیں: احسان کر کے چھوڑ دیا جائے، یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ ہتھیار اٹھانے سے لے کر ہتھیار رکھ دینے تک کا کام مومنین کے ذمّے ہے، اللہ کو منکرینِ حق کے تباہ و برباد کرنے میں نہ کبھی دیر لگی ہے نہ لگے گی۔ حق کو ماننے کا دعویٰ اسی طرح سچا ثابت ہوتا ہے، اس لئے آزمائش کی یہ صورت رکھی گئی ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں قربان ہو جاتے ہیں، وہ زندہ ہیں ان کے اعمال کا انہیں پورا پورا صلہ دینا اللہ کی شان ہے۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝٥

جلد ہی انہیں راہ دے گا اور ان کے حال کی اصلاح کر دے گا۔

جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں، وہ حیاتِ دوام پالیتے ہیں۔ ان کو بلند درجات کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ ان کے حال کو سنوار دینا اللہ کی شان ہے۔ ان کی کوتاہیوں کی نفی ہو جاتی ہے، اور وہ لوگ قربِ الٰہی کو پالیتے ہیں۔

حاصل : جو لوگ اللہ کی راہ میں قربان ہو جائیں ان کو بلند درجات کی طرف لے جایا جائے گا، اور انہیں قربِ الٰہی سے نوازا جائے گا۔ دائرۂ عبدیت میں یہ بڑا انعام ہے۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝٦

اور انہیں جنّت میں داخل کرے گا، جس کی انہیں پہچان کرا دی ہے۔

جو لوگ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں ہوں، اور اسی حالت میں وہ موت کے دروازے سے گزر جائیں، ان کی پاکیزگی پر دو شہادتیں موجود ہوتی ہیں : شاہد ان کی پاکیزگی پر اور حق کے اتباع پر شہادت دیتا ہے، اللہ ان کی خلوت کی پاکیزگی پر گواہ ہوتا ہے۔ شہید کو یہ علم ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کی حقیقت راحت ہے اور جنت ہے، اس لئے وہ حال پر بھی جنّتی ہے، آخرت میں بھی جنّتی ہو گا۔ اسے اپنے مقام سے آگاہ کر دیا جاتا ہے، اور اس میں اس کے لئے بڑی راحت ہوتی ہے۔

حاصل : شہیدوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا، اور یہ اس مقام کو خوب پہچانتے ہوں گے۔ مستقبل میں حاصل ہونے والے انعامات کا مشاہدہ ایسی راحت دیتا ہے، جسے صرف محسوس کیا جا سکتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾

اے ایمان والو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے، اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہیں ثابت قدمی عطا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، کوئی شے اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں ہے، اسے کسی شے کی احتیاج بھی نہیں ہے۔ حق پہنچانے والے کی مدد کرنا اس مدد میں کسی شے کو اٹھا نہ رکھنا اور اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اپنے حق کو بطریقِ احسن ادا کرنا، اللہ کی مدد کرنا ہے۔ اس کے دو انعامات کا ذکر کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد دی جاتی ہے، اور اللہ ہی سب سے بڑا جاننے والا ہے کہ کس مقام پر ہمیں کس مدد کی ضرورت ہے، اس لئے اللہ کی مدد سے زیادہ مفید کوئی مدد ہو نہیں سکتی۔ ثابت قدمی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو مصائب آئیں ان سے بندے کے اندر سستی نہ آئے، کمزوری نہ آئے، اور وہ دب نہ جائے۔ (3:146) ان لوگوں کو دنیا کا ثواب بھی ملتا ہے، آخرت کا ثواب تو بہت اچھا ہو گا اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔ (3:148) ثابت قدم رہنے والے پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات کی بارش ہونے لگتی ہے۔

حاصل: حق پہنچانے والے کی مدد کرنا اللہ کی مدد کرنا ہے، اور اللہ کی مدد کرنے والے کو دو انعامات ملتے ہیں: اللہ کی مدد اس کے شاملِ حال ہو جاتی ہے، اور ثابت قدمی اسے عطا ہو جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿٨﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا تو ان پر تباہی پڑی، اور ان کے اعمال ضائع ہوئے۔

جن لوگوں نے حق کی مدد کرنے کی بجائے، حق کے انکار کی راہ کو اپنایا، اور عمل کے لئے دیئے گئے وقت کو حق کے انکار پر صرف کیا، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو باطل کی ترقی پر لگایا، ان لوگوں نے جو چاہا وہ حاصل کرنا تو ان کے بس میں نہیں تھا کہ نتائج پر اللہ کی قدرت کا کسی زمانے میں انکار ممکن نہیں ہوا۔ اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے۔ حق کو جھٹلانے والے ہی خسارے میں رہے، ان پر تباہی مسلط ہوئی اور انہوں نے ماضی میں جو کام بھلائی کے کیے تھے وہ بھی بے حقیقت ہو گئے۔

حاصل: حق کے انکار کا نتیجہ تباہی اور پھٹکار ہی ہوتا ہے۔ وہ بھلائی کوئی حقیقت نہیں رکھتی، جس کی حال پر تصدیق نہ ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿٩﴾

یہ اس لئے کہ انہیں اللہ کے نازل فرمائے ہوئے سے کراہت ہوئی، تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

کافروں پر خدا کی لعنت اس وجہ سے پڑی کہ انہوں نے حق سے کراہت کا اظہار کیا۔ حق سے کراہت کا اظہار، اللہ سے دور ہونے کا ثبوت ہے۔ جو اللہ سے دور ہو جائے، اس کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ حق سے کراہت کا اظہار کرنے والا شیطان کا دوست ہوتا ہے۔ شیطان اس کے اعمال کو زینت دے کر اس کے سامنے رکھتا رہتا ہے، اس طرح وہ شیطان دوست اپنی پسندیدہ کارروائیوں کو خوبیاں جانتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اعمال کو اکارت کر دیا جاتا ہے۔

حاصل : اللہ کے نازل فرمائے ہوئے کی قدر کرنی چاہئے۔ حق کی قدر کرنے والے ہی فلاح پاتے ہیں۔ حق سے کراہت کرنے والے کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اور اس پر لعنت پڑتی ہے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿١٠﴾

تو کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ نظر کرتے، ان سے قبل والوں کی عاقبت کیسی ہوئی۔ اللہ نے ان پر تباہی ڈالی، اور کافروں کے لئے اس طرح ہوتا رہے گا۔

جن لوگوں نے ماضی میں حق سے کراہت کی راہ اختیار کی، ان پر تباہی کا مقام آیا، پھر ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوا۔ اب جو لوگ اس راستے کو اختیار کرتے ہیں وہ اس راستے پر پہلے تباہ ہونے والوں کے انجام کو کیوں نہیں دیکھتے۔ کیا انہیں یہ نظر نہیں آتا، کہ ان سے قبل بڑی قوت والے لوگ جن کے آثار قدیمہ ان کے مشاہدے میں آتے ہیں، حق سے کراہت کرنے کی بنا پر عبرتناک انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ کافر اگر اسی راہ کو اختیار کریں گے، تو ان کا انجام بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا۔

حاصل : زمین میں سیر کا منشاء ماضی سے سبق سیکھنا ہو تو یہ بھی عبادت ہے۔ حق سے کراہت کرنے والے تباہ ہوتے رہے ہیں، اور تباہ ہوتے رہیں گے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿١١﴾ ع ٥

یہ اس لئے کہ ایمان والوں کا مولیٰ اللہ ہے، اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں۔

شریعت شعور پر لاگو ہوتی ہے، جب شعور اس مقام پر آجائے کہ حق اور ناحق کے درمیان امتیاز کیا جاسکے، اور اپنے لئے راہِ عمل کا انتخاب کیا جائے، تو لوگ دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں: ایک حق کو مانتے ہیں، دوسرے حق کو نہیں مانتے۔ حق کو ماننے والے، اللہ کی ولایت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی نصرت کرتا ہے اور وہ خیر النّاصرین ہے۔ (3:150) جہاں تک حق کو نہ ماننے والے، ظالموں کا تعلق ہے ان کا نہ کوئی دوست ہوتا ہے نہ نصرت دینے والا (42:8) ایمان والوں کا مقصود ہوتا ہے اللہ کی رضا، اللہ انہیں ہدایت دیتا ہے، ان کی مدد کرتا ہے، انہیں ثابت قدم رکھتا ہے اور وہ حیاتِ دنیا میں سچے ثابت ہو جاتے ہیں۔ کافروں کا مقصود ہوتا ہے اپنی خواہشات کا اتباع، اللہ انہیں گمراہ کرتا ہے، ان پر تباہی ڈالتا ہے، اور وہ عبرتناک انجام کو پہنچ جاتے ہیں۔

حاصل : ایمان والے لوگ، حق کو مانتے ہیں۔ اللہ کو مولیٰ مان لینے والے کو خلافِ حق کرنا کبھی زیب نہیں دیتا۔ اللہ کی نصرت سے بڑی کوئی نصرت نہیں اور اللہ کی نصرت سے جو نتائج حاصل ہو سکتے ہیں وہ کسی اور صورت میں حاصل ہو نہیں سکتے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ مریم (19) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

اور ہم نے ان سے قبل کتنے ہی قریئے ہلاک کر دیئے، کیا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا ان کی بھنک ہی سنتے ہو۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اور جو لوگ کافر ہوئے برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں، اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔

ایمان والے اپنی صداقت کا ثبوت صالح اعمال سے پیش کرتے ہیں۔ اللہ دنیا میں ان کو خوف و حزن سے بچاتا ہے، اور وہ پاک لوگوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے قول کو حق کے مطابق درست رکھتے ہیں، اپنے اعمال کو شاہد کے حوالے سے درست رکھتے ہیں، جو علمِ حقیقی انہیں حاصل ہوتا ہے، وہ دوسروں کو سکھاتے ہیں اور کبھی استکبار نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو جنتوں میں داخل فرمایا جائے گا، جن میں دائمی بہار ہو گی کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہاں زیرِ زمین پانی ایسی سطح پر ہو گا کہ زمین کو سرسبز و شاداب رکھنے میں کوئی مشقت نہیں ہو گی۔ رہے کافر تو وہ لوگ مقصدِ حیات کو مانتے ہی نہیں۔ نہ ان کے قول میں اخلاقی حدود کا احترام ہوتا ہے، نہ ان کے اعمال میں پاکیزگی ہوتی ہے۔ وہ جانوروں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور بستے ہیں۔ ان کی پسند سے بڑی کوئی بات ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتی، اس لئے اسی دائرے میں ان کا سب کچھ کھپ جاتا ہے، آخرت کو تو یہ لوگ مانتے ہی نہیں، اس لئے ان مجرموں کا انجام دوزخ کی آگ ہے، جو ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا بدلہ ہو گی۔

حاصل : مومن ہر حال میں حق کے مطابق رہتا ہے، اللہ کی رضا کا حصول ہر مقام پر اس کا مقصود ہوتا ہے، اس کا انجام جنّت ہے۔ کافر پر اس کی چاہت سوار رہتی ہے، اس کی زندگی چوپایوں کی مانند ہوتی ہے، حقائق کے انکار کی وجہ سے اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ میں ہو گا۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن

اور کتنے ہی قریئے کہ قوت میں اس قریئے

قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

سے اشد تھے جس نے آپ کو نکالا، ہم نے انہیں ہلاک کیا تو کوئی انہیں نصرت دینے والا نہ ہوا۔

وہ لوگ جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے وہ آپ کے ساتھیوں کے وجود کو ایک مانتے تھے۔ انہوں نے اپنی قوت پر فخر کیا کہ ہم نے ان صاحب کو جو ہمارے آباء و اجداد کے معبودوں کو جھٹلاتے تھے، اور ایک اللہ کی بندگی کا حکم دیتے تھے، اپنے قریئے سے مع ان کے سب ساتھیوں کے نکال دیا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اللہ سے بڑی قوت والا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ عاد و ثمود یقیناً قوت میں بڑے درجے کے لوگ تھے کہ پہاڑوں میں گھر بنالیتے تھے۔ خلافِ حق کرنے کی بنا پر وہ ہلاک کیے گئے تو کوئی انہیں مدد دینے کے لئے نہ آیا۔ جس قادرِ مطلق نے بڑی قوت والے لوگوں کو ہلاک کیا ہے، جسے آسمانوں اور زمین میں کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی، اس کے علم کا بھی جواب نہیں، اس کی قدرت کا بھی جواب نہیں۔ (36:44)

حاصل : اپنی قوت پر فخر کرنے کی بجائے، قوت عطا کرنے والے قادرِ مطلق کی شان کو بیان کرنا چاہئے۔ ہلاکت کی راہ پر بڑی قوت والے ہلاک ہو چکے ہیں اور اللہ کے مقابل کبھی ہلاک ہونے والوں کی مدد کو کوئی نہیں آسکا۔ اپنے انجام کو ضرور دیکھنا چاہئے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

تو کیا وہ جو اپنے ربّ کی طرف سے روشنی پر ہو، اس جیسا ہو جائے گا جس کے لئے اس کے بُرے عمل کو زینت دی گئی، اور انہوں نے اپنی خواہشات کا اتباع کیا۔

جو شیطان کو اپنا کھلا دشمن جانتا ہے، وہ اس سے دور رہتا ہے، اللہ کے پاک بندے کا اتباع کرتا ہے، اللہ اسے ہدایت دیتا ہے۔ یہ بندہ صراطِ مستقیم پر ہوتا ہے، راہِ روشن پر ہوتا ہے، اور ہر حال پر پورا رہتا ہے۔ اس کے مقابل جو انسان باطل کی پیروی کرے، شیطان کے ساتھ رہے اور شیطان اس کے بُرے اعمال کو اس طرح اس کے سامنے زینت دے کر رکھے کہ وہ من مانی کرنے میں مزہ لینے لگے، ہدایت سے دور ہو گا، ظلمات کی طرف بڑھ رہا ہو گا۔ جن لوگوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہو وہ یقیناً گمراہ ہوتے ہیں۔ حق کو ماننے والے اور حق کو نہ ماننے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔

حاصل : حق کو ماننے والے اور حق کو نہ ماننے والے کبھی مساوی نہیں ہوتے۔ ان کا حال بھی ایک جیسا نہیں ہوتا، مستقبل بھی ایک جیسا نہیں ہو گا۔ جو بندہ صراطِ مستقیم پر ہو اسے اپنے کسی عمل پر کبھی فخر نہیں ہوتا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

مثل اس جنت کی جس کا متقیوں سے وعدہ ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو بگڑتا نہیں اور ایسے دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ متغیّر نہیں ہوتا، اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جس میں پینے والوں کے لئے لذّت ہے، اور ایسی شہد کی نہریں ہیں جو مُصفّٰی ہے۔ اور اس میں ان کے لئے ہر طرح کے ثمرات ہیں، اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔ کیا یہ ویسے ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں، اور جن کو کھولتا پانی پلایا جائے گا، کہ ان کی آنتوں کو قطع کر کے رکھ دے گا۔

حق کو ماننے والوں کا انجام، فلاح ہو گا، حق کو نہ ماننے والوں کا انجام، خسارہ ہو گا۔ متّقی حضرات سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ اس جنت میں ایسے پانی کی نہریں جاری ہیں جو بگڑتا نہیں، اس میں بدبو نہیں پیدا ہوتی۔ جو لوگ اللہ کی عطا کو اس کی رضا کے حصول کے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ متوکل رہتے ہیں، ان کے اعمال کا صلہ ہوں گی یہ صاف پانی کی نہریں۔ اس جنت میں ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی، جس کا مزہ نہیں بدلتا اور وہ دودھ اپنی طبعی حالت پر رہے گا۔ جو لوگ حق کو فی سبیل اللہ ادا کرتے رہتے ہیں اور مخالفین سے بھی معاملہ اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں، کسی کی مخالفت سے ان کا عمل بدلتا نہیں، ان کے اعمال کا صلہ ہوں گی یہ دودھ کی نہریں۔ اس جنّت میں شراب کی نہریں ہوں گی جس میں پینے والوں کے لئے لذّت ہے، جس کا ذائقہ بھی راحت بخش ہے، اور جس میں منافع بھی بہت ہیں۔ جو لوگ عطاءِ الٰہی کو تقسیم کرنے میں راحت پاتے ہیں اور فیض یاب ہونے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان کی بدولت فانی اشیاء، دائمی نعمتیں بن گئی ہیں، ان کے اعمال کا صلہ ہوں گی یہ شراب کی نہریں۔ اس جنّت میں شفاف شہد کی نہریں ہوں گی۔ جو لوگ انعامات کو بانٹتے رہیں گے اور شان اپنے معلم کی بلند کریں گے، ان کے اعمال کا صلہ ہوں گی یہ شفاف شہد کی نہریں۔ متّقین کا حال پر بھی ان نہروں سے تعلق ہے، آخرت میں ہو گا ہی۔ متّقین کے لئے جنت میں ہر طرح کے پھل ہوں گے۔ جب اللہ میزبان ہو، تو مہمان کی عزّت افزائی اس سے بڑھ کر ہو بھی کیا سکتی ہے۔ اور اس بیان کو یوں پورا کیا گیا ہے: اللہ کی بخشش بھی ان کے شاملِ حال ہو گی، ان کی کوتاہیوں کو بخش کر اللہ انہیں قربِ مزید سے نوازے گا۔ اس راحت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مقابل خلافِ حق کرنے والوں کا انجام یہ ہو گا، کہ وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، کہ وہ ان کی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ منکرینِ حق کے لئے باہر کا

عذاب بھی ہو گا، اندر کا عذاب بھی ہو گا، اور یہ عذاب مسلسل بھی ہو گا۔

حاصل : متقی حضرات کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و منزلت ہے، ہمیں بھی ان کی قدر کرنی چاہئے۔ منکرینِ حق کو کبھی اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ متقی حضرات دائمی نعمتوں سے نوازے جائیں گے، منکرینِ حق دائمی عذاب میں ہوں گے۔ جو حال پر ایک جیسے نہیں ہیں، وہ آخرت میں ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾

اور ان میں سے بعض آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، حتیٰ کہ جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں، تو علم والے حضرات سے پوچھتے ہیں، آپ نے کیا فرمایا تھا۔ یہ وہی ہیں، جن کے قلوب پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور وہ اپنی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں۔

جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے ہیں، وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ حق کو اپنی پسند کے مقابل کمتر جانتے ہیں، اس استکبار کی وجہ سے ان پر ناقابل اصلاح ہونے کی مہر لگ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے اندر یہ لوگ شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ حق پہنچانے والے صاحب کی خدمت میں حاضر بھی ہوتے ہیں، ان کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں، مگر نہ حق سنانے والے کی بات ان کے نزدیک سند کا درجہ رکھتی ہے، نہ یہ اس کے نقوشِ قدم کو صراطِ مستقیم مانتے ہیں۔ اس لئے جب حق سنانے والے صاحب کی مجلس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو اس کے محبین سے پوچھتے ہیں، آپ نے کیا فرمایا تھا۔ منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس صاحب کے ارشاد کو موضوع بنا کر اس پر باتیں کی جائیں، اور مبتدی حضرات سے یہ کہا جائے کہ اپنی عقل بھی استعمال کرنی چاہئے، یہ کیا بات ہوئی کہ جو ان صاحب سے سنا اس کے اتباع میں لگ گئے۔

حاصل : عقل مندی یہی ہے کہ حق پہنچانے والے کی بات کو توجہ سے سنا جائے، اس کا احسن اتباع کیا جائے، یہی رویہ باعثِ ہدایت ہوتا ہے (39:18) منافقین کی حرکات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ بڑے علم والوں پر لازم ہے کہ وہ مبتدی حضرات کو مدد دیں اور انہیں منافقوں کے بارے میں آگاہی دیں۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ

اور جن لوگوں نے راہ لی انہیں ہدایت

وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾ بڑھی اور انہیں تقویٰ عطا ہوا۔

طلبِ ہدایت رکھنے والے جب حق کو سنتے ہیں، تو اس کو مان لیتے ہیں۔ ناصح سے محبت ان کی ہدایت میں اضافے کا باعث بنتی ہے، اور اللہ تعالیٰ انہیں تقویٰ عطا فرماتا ہے۔ جو لوگ ہدایت کی طلب نہیں رکھتے، ان پر حق کی باتوں کا اثر ایسے ہی ہوتا ہے، جیسا بارش کا اثر اروڑی پر ہوتا ہے۔

حاصل : ناصحِ امین کی اطاعت باعث ہدایت ہوتی ہے۔ حق کو ماننے والے کے لئے بڑی برکات ہیں۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے والے کے لئے گمراہی ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾

تو یہ لوگ بس ساعت کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک آئے، اس کی اشراط تو آ ہی چکی ہیں، پھر اس کے آنے پر انہیں نصیحت کہاں نصیب ہو گی۔

ہدایت اور نصیحت تو عقل والوں کے لئے ہوتی ہے۔ (40:57) عقل والے ہی حال سے استفادہ کرتے ہیں۔ قیامت کا آنا، عمل کے لئے دی گئی مہلت کا خاتمہ ہو گا۔ اس وقت نصیحت کو مان لینا صرف قول کے درجے میں ہو گا، عمل سے اس قول کو سچا ثابت کرنا ممکن نہ ہو گا۔ جو لوگ حق کو مان نہیں رہے، اور ان کا سب کچھ جزا کے انکار پر لگ رہا ہے تو وہ بس قیامت کے انتظار میں ہی ہیں، کہ ان پر اچانک آجائے اور ان کا خاتمہ کر دے۔ قیامت کی اشراط تو آ ہی چکی ہیں۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری یہ ثابت کرتی ہے کہ اب کسی نبی کی بعثت نہیں ہو گی۔ دین کی تکمیل کی شرط بھی پوری ہو چکی ہے۔ بندے کا اپنا کیا اس کے سامنے آجائے گا، یہ علمِ کسب کے دائرے میں دیکھا جا رہا ہے، علمِ الٰہی کا مقام تو بہت بلند ہے۔ جزا کا انکار کسی کو جزا سے بچا نہیں سکتا۔ خلافِ حق کرنے والے لوگ بین الاقوامی سطح پر ایک دوسرے کے قریب ہو گئے ہیں، مگر ان کے علم سے ان کو سکھ نہیں مل رہا، ان کا بھلا نہیں ہو رہا۔ یہ نشانیاں لوگوں کی غفلت کو ثابت کرتی ہیں۔ اجل مسمّٰی کے بعد قیامت آ ہی جائے گی۔

حاصل : حق کا انکار کرنے والے غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ قیامت کے دن کسی ظالم کی معذرت اسے نفع نہ دے گی۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری، دین کی تکمیل، علمِ کسب کا عروج اور اس سے حقائق کی تصدیق یہ سب قیامت کے قریب ہونے کا ثبوت ہیں۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

تو تمہیں معلوم رہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اپنے اور مومنین و مومنات

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾

کے گناہوں پر استغفار کرو، اور اللہ کو تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کا علم ہے۔

یہ حکم عام ہے کہ ہر مومن ذاتی زندگی میں بھی پاک رہے، یک سو رہے، اور اللہ کی رضا کے علاوہ اس کا کچھ مقصود نہ ہو، اجتماعی زندگی میں بھی وہ کسی مقام پر ذاتی مفاد کو اولیت دے کر فساد نہ مچائے۔ حدود اللہ کے احترام میں اپنی کوتاہیوں پر اللہ سے بخشش طلب کرے، دوسرے مومنین و مومنات کی کوتاہیوں پر بھی اللہ سے بخشش طلب کرے۔ حق کو اس طرح مانا جائے کہ چلنے پھرنے اور ٹھہرنے میں، تمام حرکات و سکنات میں اللہ کی بندگی کا ثبوت ملے، تو اس سے مومنین کی شان بڑھے گی، اور لوگ ان سے نورِ ہدایت حاصل کر سکیں گے۔

حاصل : اللہ کی رضا ہر مقام پر ہمارا مقصود ہو تو بندگی کا حق ادا ہوتا ہے۔ اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرنا حسنِ عمل کو بڑھاتا ہے، دوسرے مومنین و مومنات کی کوتاہیوں پر استغفار کرنا ان کی خدمت کی استعداد کو بڑھاتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں حرکات و سکنات کو قطعاً حق کے مطابق رکھنا چاہئے ورنہ ہمارے اس دعویٰ ایمان کا ثبوت کیا ہو گا، کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کا علم ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران (3) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم ہو، اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو، اور جنت کی طرف، جس کا عرض آسمان اور زمین ہیں، متقین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾

اور ایمان والے کہتے ہیں، ایک سورۃ نازل ہوتی۔ پھر جب محکم سورۃ نازل ہوئی اور اس میں قتال کا ذکر ہوا، تو تم ان لوگوں کو دیکھتے ہو جن کے قلوب میں مرض ہے، تمہاری طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ تو ان پر تباہی ہے۔

ایمان والوں کو اللہ کی رضا کے حوالے سے اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے ان لمحات کا انتظار ہوتا ہے، جن لمحات میں انہیں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم ہے۔ جب ایسا حکم ہے، تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ (9:124) جن کے قلوب میں مرض ہوتا ہے، جہاد فی سبیل اللہ کا حکم سن کر ان کے اندر پلیدی پر پلیدی بڑھتی ہے۔ (9:125) ایمان کا دعویٰ کرنے میں منافق زور لگاتا ہے، مگر زینتِ حیاتِ دنیا کو مقصود بھی جانتا ہے، اس لئے جہاد کا حکم سن کر پریشان ہو جاتا ہے، اور اس پر مُردنی چھا جاتی ہے۔ ایسے لوگوں پر پھٹکار ہے۔

حاصل : جس کا مقصد رضائے الٰہی ہو، حکمِ جہاد اس کے ایمان کو بڑھاتا ہے۔ جس کے دل میں مرض ہو، حکمِ جہاد سے اس کی ناپاکی بڑھتی ہے، اس پر مُردنی چھا جاتی ہے، ایسے لوگوں پر پھٹکار ہوتی ہے۔

طَاعَةٌ وَّقَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ ۟ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ۚ﴿۲۱﴾

طاعت اور قولِ معروف ہی امر کی تاکید کے بعد درست رویّہ تھا۔ تو اگر اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

حق کو ماننا باعثِ ہدایت ہوتا ہے۔ اولی الامر کی اطاعت حال سے تعلق رکھتی ہے، حکمِ جہاد ہمیشہ حال پر ہوتا ہے، اس حکم کو ماننا ہی باعثِ فلاح ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر معروف طریقہ یہی ہے کہ یہ کہا جائے : میں نے حق کو سنا اور مانا۔ جہاد کا امر، اولی الامر کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اس حکم کے ہو جانے کے بعد اپنی صداقت کا ثبوت باتوں سے نہیں دیا جا سکتا۔ اس حکم کو ماننے سے ہی صداقت کا ثبوت مل سکتا ہے، اور اللہ کے ہاں سچے ثابت ہو جانا یقیناً بہتر ہوتا ہے کہ اللہ ہی ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا۔

حاصل : حق کی اطاعت اور حق کو سن کر ادب سے ماننا ہی درست رویّہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں، صداقت کا ثبوت حسنِ نیت سے ملتا ہے، حق کی بطریقِ احسن ادائیگی سے ملتا ہے۔ جزا دینے والے مالکِ کل کے نزدیک سچا ثابت ہو جانا بڑی بات ہے۔

فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ﴿۲۲﴾

پھر اگر تم پھر جاؤ، تو قریب ہے زمین میں فساد کرو، اور اپنے رِحموں کو قطع کرو۔

سلامتی کی راہ یہی ہے کہ حق کو مانا جائے، اور حق کو سن کر یہی کہا جائے : ہم نے سنا اور ہم نے مانا۔ اس طریق زندگی کو چھوڑ دینے سے زمین میں فساد ہو گا، اور قطع رحمی ہو گی۔ فاسق لوگ ہی منافق ہوتے ہیں۔ یہ میثاق کے بعد اللہ سے عہد کو توڑتے ہیں، اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے امر دیا ہے، اس کو قطع کرتے ہیں، اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ حق کے مقابل زمین میں

جس نظریئے کو بھی پھیلایا جائے گا، اس سے زمین میں فساد ہی ہو گا، کہ حق اللہ کا فرمان ہے اور اللہ سب سے بڑے علم والا ہے۔ فساد کرنے والے، اصلاحِ معاشرہ کے نام پر بھی فساد کرتے ہیں، امنِ عالم کے نام پر بھی فساد کرتے ہیں۔

حاصل : حق کی اطاعت سے پھر جانا، فساد کی راہ کو اختیار کرنا ہے، اور قطع رحمی کی راہ کو اختیار کرنا ہے۔ فاسق لوگ اصلاحِ معاشرہ کے نام سے، امنِ عالم کے نام سے اور ایسے کئی ناموں سے خلافِ حق کرتے ہیں، مگر اس سے فساد ہی بڑھتا دیکھا گیا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی، پھر انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

حق کے مقابل اپنے نظریات کو پھیلانے والے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ ایک وقت کے بعد حق ان کو سنائی ہی نہیں دیتا، ان کی سماعت پر مہر کر دی جاتی ہے، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔

حاصل : لعنتی لوگوں سے بچنا بہت ضروری ہے۔ نہ ان کی باتیں کوئی حقیقت رکھتی ہیں، نہ ان کا مشاہدہ کوئی حقیقت رکھتا ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبّر نہیں کرتے یا ان کے قلوب پر قفل لگے ہوئے ہیں۔

قرآنِ پاک بابرکت نصیحت ہے۔ اس کی آیات میں تدبّر کرنا اس کی برکات سے فیض یاب ہونے کے لئے ضروری ہے۔ اس کتاب کے ذریعے ہی لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لایا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب، حق کو ماننے والے لوگوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ کسی بھی مقام پر تضاد اور اختلاف کے خاتمے کے لئے اور یک سوئی کے لئے یہی بہترین ذریعہ ہے۔ جو لوگ اس میں تدبّر کر کے اس سے نورِ ہدایت نہیں لیتے ان کے قلوب پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ حقائق کو جاننے کا بہترین ذریعہ قرآنِ پاک ہی ہے۔

حاصل : نورِ ہدایت کی طلب ہو تو قرآنِ پاک میں تدبّر کرنے سے یقیناً فائدہ ہوتا ہے۔ جو لوگ قرآنِ پاک سے رہنمائی نہیں لیتے، ان کے قلوب پر قفل لگے ہوتے ہیں، ان کی پسند انہیں حق کی طرف آنے سے روک دیتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ

بے شک وہ لوگ جو اپنی پیٹھ پر پھر گئے، بعد

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۗ وَأَمْلٰى لَهُمْ ﴿٢٥﴾

اس کے کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی، شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی امید دلائی۔

حق کو مان لینے کا دعویٰ ہو، اور عملاً حق کے خلاف کیا جائے، تو یہ ارتداد ہے۔ حق کو ماننے کے دعوے کی صداقت کا ثبوت تو عمل سے ہی دیا جا سکتا ہے، صداقت کا ثبوت دینے کی بجائے جو اپنا رخ نور سے ظلمات کی طرف کرے، شیطان اس کے ساتھ لگ جاتا ہے، اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ انسان دشمنی میں جو مہارت شیطان کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کا مقام ہی نہیں ہو سکتا۔ شیطان حق کے منکر کے اعمال کو زینت دے کر اس کے سامنے رکھ دیتا ہے، اور اسے اس فریب میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ خوب کار ہے۔ شیطان اسے غفلت کی طرف بڑھا دیتا ہے اور اسے لمبی آرزوؤں میں ایسے الجھا دیتا ہے کہ اسے مراجعت یاد ہی نہیں رہتی۔

حاصل : تدبّر قرآن سے منہ موڑنے والے، نور سے ظلمات کی طرف چل پڑتے ہیں۔ شیطان ان کو فریب دیتا ہے، اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف واپس جانے سے غافل کر کے لمبی امیدوں میں الجھا دیتا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہیں اللہ کے نازل فرمائے ہوئے سے کراہت ہے کہا، کہ ہم بعض امر میں تمہاری اطاعت کریں گے، اور اللہ ان کے رازوں کو جانتا ہے۔

منافقین، اسلام دشمن لوگوں سے بھی اپنے تعلق کو ضروری جانتے ہیں۔ مومنین سے ملیں تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب اپنے شیاطین کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی معیت کا دم بھرتے ہیں۔ جن لوگوں کو قرآن شریف سے کراہت ہو ان کی کسی بات میں اطاعت، باعث ارتداد ہی ہو سکتی ہے۔ اگر ان سے تعلق قائم رکھنے میں اپنی سلامتی نظر آئے تو پھر ایمان کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔ خلوت میں اسلام دشمن لوگوں سے جن مقاصد کے تحت باتیں ہوں گی، اللہ ان کو یقیناً جانتا ہے، اور نتائج تو باذن اللہ ہی ہوتے ہیں۔

حاصل : قرآن شریف سے کراہت کرنے والوں کے ساتھ کسی بھی درجے کا تعلق باعثِ ارتداد ہی ہو سکتا ہے۔ کسی کے مرتد ہو جانے سے خسارہ اس کو ہی ہوتا ہے، اور اللہ کی مشیت کے سامنے کسی قوت کی کوئی حیثیت تو ہوتی ہی نہیں۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

پھر کیا حال ہو گا، جب ملائکہ ان کی جان نکالیں گے، ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہوئے۔

منافقین کو اس بات سے کراہت ہوتی ہے، کہ وہ اپنے اموال و انفس کے ساتھ فی سبیل اللہ جہاد کریں (9:81) یہ لوگ اپنے رخ کا نام جو بھی رکھ لیں، ظلمات کی طرف ہی جا رہے ہوتے ہیں۔ جب اس دنیا سے واپس جانے کا مقام ان پر آتا ہے، تو ان کے مونہوں پر مار کر ان کو واپس کیا جاتا ہے، اور ان کی پیٹھوں پر مار کر انہیں تیز چلایا جاتا ہے۔ اس وقت منافقین کو یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ نہیں کرنا چاہئے تھا، مگر اس وقت اصلاح کو اختیار کرنے کا موقع نہیں دیا جائے گا، کہ عمل کے لئے دی گئی مہلت ختم ہو چکی ہو گی۔

حاصل : منافقین کے لئے موت کا وقت، بڑے عذاب کا وقت ہوتا ہے۔ انہیں مار پڑتی ہے، انہیں اپنی بُرائیاں نظر آتی ہیں، اور اس وقت اصلاح کو اختیار کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَآ أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُۥ فَأَحْبَطَ أَعْمَٰلَهُمْ ﴿٢٨﴾

یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اس کا اتباع کیا جس میں اللہ کی ناخوشی ہے، اور اس کی رضا سے کراہت کی، تو اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ مالکِ کل ہے، اور کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ اس کے فرمان کو ماننے میں ماننے والوں کا بھلا ہوتا ہے۔ جو لوگ خلافِ حق کرتے چلے جاتے ہیں، اور باطل کی پیروی کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں وہ فرمانِ الٰہی کی مخالفت میں ہمہ تن لگے رہتے ہیں۔ اللہ کی رضا سے کراہت ان کا طریقِ زندگی بن جاتا ہے۔ یہ لوگ اس قدر ناپاک ہو جاتے ہیں، کہ ان کا سب کچھ خلافِ حق استعمال ہوتا ہے، اور اگر ان کے ماضی میں کچھ بھلے اعمال ہوئے ہوں تو حال پر باطل کے اتباع میں منہمک ہو جانے کی وجہ سے ان کے وہ اعمال اکارت کر دیئے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی موت عبرتناک ہوتی ہے، فرشتے ان کے مونہوں پر مارتے ہیں ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں۔ اس وقت اللہ کی رضا کی اہمیت تو ان پر بہت واضح ہو جاتی ہے، مگر اس وقت رخ کو درست کر لینا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : اللہ کی رضا سے کراہت کا اظہار کرنے والے نامراد ہوتے ہیں، ان کے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دور رہنا ان معنوں میں ضروری ہے کہ ہمارے اور ان کے قول کے مابین وقف ہو، ہمارے اور ان کے عمل کے مابین وقف ہو۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ زمر (39) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنۡكُمۡ وَلَا يَرۡضٰى لِعِبَادِهِ الۡكُفۡرَ‌ ۚ وَاِنۡ تَشۡكُرُوۡا يَرۡضَهُ لَكُمۡ ؕ ﴿۸﴾

اور اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے، اور وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی نہیں، اور اگر تم شکر کرو تو تم سے راضی ہوتا ہے۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ يُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾

کیا وہ لوگ جن کے قلوب میں مرض ہے یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا۔

جو لوگ اللہ کی رضا سے کراہت کا اظہار کرتے ہیں، ان کے قلوب میں منافقت بصورتِ مرض موجود ہوتی ہے۔ اس مرض میں انسان، اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور مومنین کو دھوکا دینے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہوتا ہے۔ منافق کے اندر جو کینہ ہوتا ہے، وہ اس کے قول و فعل میں مخصوص لبادوں کے اندر لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ جب اللہ منافقین کے کینے کو ظاہر کرنا چاہے تو اس میں دیر ہی کیا لگے گی، اور یہ ہو ہی نہیں سکتا، کہ منافقین کے کینے پر ہمیشہ پردہ ہی پڑا رہے۔

حاصل : جو زبان سے حق کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہوں اور ان کے قلوب میں حق سے کراہت موجود ہو، ان کے قلوب میں مرض ہوتا ہے۔ وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ان کی بدباطنی پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے گا۔

وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ‌ؕ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اَعۡمَالَكُمۡ ﴿۳۰﴾

اور اگر ہم چاہیں تو انہیں آپ کو دکھلا دیں، تو آپ انہیں ان کے چہروں سے پہچان لیں، اور آپ انہیں قول کے اسلوب سے پہچان سکتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، علیم مطلق ہے۔ اس کے لئے منافقت کی کسی علامت کو جلی بنا دینا کچھ مشکل نہیں۔ چہرہ مہرہ دیکھنے سے ہی منافقت کا پتہ لگ سکتا ہے، مگر اللہ ایسا نہیں چاہتا کہ اس کی شان نرالی ہے۔ وہ عیوب کو ڈھانپ دیتا ہے۔ منافقین کے قول میں بڑا تکلف ہوتا ہے۔ ان کے قول کا اسلوب یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مومنین کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور ان کے دشمنوں کو بھی خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کا کلام ذومعنی الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے، اور وہ بات کو اس ڈھنگ

سے کرتے ہیں کہ تاویل ان کی منشاء کے مطابق کی جاسکے۔ نتائج پر اللہ کی قدرت کا احاطہ ہے۔ منافق جو کچھ بھی کرتے رہیں، نتائج تو وہی ہوں گے جو اللہ چاہے گا۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا، مگر اس کی شان ہے کہ وہ پردہ پوشی کرتا ہے۔ منافقین کو ان کے کلام سے بھی پہچانا جا سکتا ہے، وہ ایسے الفاظ میں بات کرتے ہیں کہ جن کی تاویل ان کی منشاء کے مطابق ہو سکے۔ اللہ نیتوں کا بھی علم رکھتا ہے، اعمال کا بھی علم رکھتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

اور ضرور ہم تمہیں دیکھیں گے، حتیٰ کہ تم میں کے مجاہدین اور صابرین معلوم ہوں، اور ہم تمہارے حالات کو دیکھیں گے۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ صرف لوگوں کے دعویٰ ایمان کو سن کر ان کی صداقت کو مان لیا گیا ہو۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ صداقت کا ثبوت دیا گیا ہے یا نہیں۔ اموال وانفس سے جہاد کرنے والے، اللہ کے ہاں سچے ثابت ہو جاتے ہیں۔ صابرین کی کو باذن اللہ جانتے ہوئے شاکی نہیں ہوتے۔ صداقت کا ثبوت کسی بھی حالت میں دیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑا کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے ہر حال کا علم ہے۔ اموال وانفس کو اللہ کی رضا کے لئے جہاد پر لگانا صداقت کا ثبوت ہے۔ نہ ہونے کا مقام ہو تو صبر، صداقت کا ثبوت ہے۔ جس قول کا عمل شاہد نہ ہو وہ قول سچا ثابت نہیں ہوتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی بعد اس کے کہ ہدایت ان پر روشن ہو چکی تھی، وہ اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچائیں گے، اور اللہ ان کے اعمال کو جلد ہی اکارت کر دے گا۔

حق کا انکار کرنا کفر ہے، اور اللہ کی عطا کردہ توفیق کو خلافِ حق استعمال کرنا، اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہمیشہ حق ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ کبھی اجر کا سوال موجود نہیں ہوتا۔ خوف و حزن سے بچ جانے کی

ضمانت بھی اس کے اندر ہوتی ہے اور فلاح کا یقین بھی اس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ راہِ ہدایت کے روشن ہو جانے کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت صرف استکبار کی وجہ سے ہوتی ہے، اور منکرینِ حق اپنی سیادت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ اللہ کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں، اللہ تو قادرِ مطلق ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا بھی ان کے بس میں نہیں ہے کہ اللہ نے آپ کو بچانے کی سند نازل فرمائی ہے۔ اللہ کو منکرینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اکارت کرنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے۔

حاصل : حق کا انکار، اللہ کی عطا کردہ توفیق کا خلافِ حق استعمال، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت، اپنی سیادت کو انا کا مسئلہ بنانا، یہ سب صورتیں قطعاً خسارے سے تعلق رکھتی ہیں دنیا میں اور آخرت میں بھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

اللہ کی اطاعت کا دعویٰ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سچا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت، اللہ کی مخالفت ہے، اور اللہ کی مخالفت سے اعمال کا اکارت ہو جانا لازم ہے۔ جو بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے راستے سے ہٹ جائے گا، اس کے اعمال باطل ہو جائیں گے، بے حقیقت ہو جائیں گے۔

حاصل : اللہ کی اطاعت کا دعویٰ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ہی سچا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے راستے سے ہٹ جانے والا، اپنے اعمال کو باطل کر لیتا ہے، ضائع کر لیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، پھر حالتِ کفر میں ہی مرے، اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

حق کا انکار کرنا کفر ہے، اور اللہ کی دی ہوئی متاعِ حیات کو خلافِ حق استعمال کرنا اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ جہاں ذاتی اور صفاتی کفر مل جائیں وہاں ظلمات کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ اگر اسی حالتِ کفر میں موت آجائے تو اس معیارِ حق کی مخالفت کا ثبوت مل جائے گا، جس کی اطاعت میں فلاح رکھی گئی ہے، اس لئے ایسے لوگوں کو ہرگز بخشش نصیب نہ ہو گی۔

حاصل : کفر کرنا، اللہ کی راہ سے روکنا اور حالتِ کفر میں اس دنیا سے جانا، جہاں یہ سب گناہ جمع ہو جائیں، وہاں بخشش کا مقام ہی نہیں رہتا۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

تو تم کمزوری نہ دکھاؤ اور نہ سمجھوتے کی دعوت دو، تم ہی غالب رہو گے، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں تمہیں نقصان نہ دے گا۔

منافقین کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ سے بچ جائیں، اس لئے وہ صلح و آشتی کی باتوں میں بڑا زور لگاتے ہیں۔ ان کا منشاء حق کے غلبے کو روکنا ہوتا ہے۔ مومنین پر لازم ہے کہ وہ اموال و انفس کے ساتھ جہاد کرنے میں کبھی کمزوری نہ دکھائیں اور منافقین کے دائرۂ اثر سے دور رہیں۔ یہاں سمجھوتے کی دعوت دینے کے معنی بھی کمزوری دکھانے کے ہی ہوں گے، اس لئے یہ بھی درست رویہ نہ ہو گا۔ منکرینِ حق کے پاس سامانِ حرب کی کثرت ہو سکتی ہے۔ لڑنے والوں کی بڑی تعداد بھی ان کے پاس ہو سکتی ہے۔ دوسرے وسائل بھی ان کے پاس ہو سکتے ہیں۔ اور اللہ مومنین کے ساتھ ہوتا ہے۔ قادرِ مطلق کے سامنے نہ کسی قوت کا کوئی مقام ہے، نہ کوئی سامانِ حرب اور وسائل وہاں کام آتے ہیں۔ مومنین کو غالب کرنے والی قدرت، اللہ کی شان کے لائق ہے۔ مومنین کا خلوصِ نیت کے ساتھ جہاد کرنا ہی حق ہے۔ ان کے اعمال کی کسی کمزوری سے دشمن کو کوئی فائدہ نہیں اٹھانے دیا جاتا۔ اللہ کے ساتھ کی برکت سے ان کی کوتاہیوں پر پردہ پڑا رہتا ہے، اور مومنین کا رعب کافروں کے دلوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔ جو لوگ سبب سے گزر جائیں اور مسبّب الاسباب کی معیّت کو غالب ہونے کا راز جانیں، تقدیر ان کے تابع ہو جاتی ہے، ان کی سواری بن جاتی ہے۔ اسباب کو ماننے والوں پر تقدیر سوار رہتی ہے۔

حاصل : جہاد میں کمزوری دکھانا اور سمجھوتے کی طلب رکھنا مومنین کی شان کے لائق نہیں ہے۔ غلبہ اللہ کے ساتھ سے نصیب ہوتا ہے۔ تقدیر اسباب سے وابستہ ہے، جو مسبّب الاسباب کے ساتھ ہو جائے تقدیر اس کے تابع ہو جاتی ہے۔ اللہ کے ساتھ کی برکت سے مومنین کی کوتاہیوں پر پردہ پڑا رہتا ہے، دشمن ان کو اس حوالے سے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

إِنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِن تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿٣٦﴾

حیاتِ دنیا تو لہو و لعب ہی ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو اللہ تمہیں تمہارے اجر دے گا، اور تم سے تمہارے سبھی اموال کا سوال نہیں کرے گا۔

منکرینِ حق حیاتِ دنیا کے دھوکے میں دین کو کھیل تماشا بنا لیتے ہیں۔ (7:51) دین تو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اس

میں من مانی کرنے کا کوئی مقام ہو ہی نہیں سکتا۔ سب کچھ بندے کے لئے بنایا گیا ہے، اور بندے کو اللہ کے لئے بنایا گیا ہے۔ ایمان لانا حق کو ماننا ہے، تقویٰ کرنا اپنی صداقت کا ثبوت دینا ہے۔ موجود کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنا اور توکّل کے ساتھ یہ یقین رکھنا کہ جو کچھ مزید درکار ہو گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا رہے گا، حق ہے۔ جو لوگ سچے ثابت ہو جائیں گے اللہ انہیں ان کے اجر دے گا، اور ان کو اپنے فضل سے نوازے گا۔ یہ نہیں ہو گا، کہ اللہ تم سے سبھی کچھ مانگ لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے امتحان میں کتنے لوگ اپنی صداقت کا ثبوت دے سکیں گے۔

حاصل : حیاتِ دنیا کو طویل کہنا درست نہیں ہے۔ ایمان لانے والے اور تقویٰ کرنے والے اللہ کے فضل سے نوازے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے علم والا ہے وہ لوگوں کی سکت کو جانتا ہے، اس کی طرف سے کبھی یہ نہیں ہوتا کہ بندے سے سبھی اموال کو مانگ لیا جائے۔

إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾

اگر وہ تم سے مانگے، پھر زیادہ چاہے، تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے کینے ظاہر کر دے گا۔

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کا حکم دیا جائے پھر مزید بہت کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا جائے، تو یہ حکم کمزور ایمان والوں کے لئے بہت تکلیف دہ ہو جائے گا، اور وہ لازماً بخل کریں گے۔ انہیں یہ یقین تو ہو گا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجودہ حال سے بہتر عطا ہو سکتا ہے، اس لئے بخل سے بچ جانا ان کے لئے ممکن نہ ہو گا، اور بخل سے وہ سب کمزوریاں ظاہر ہو جائیں گی، جن پر پردہ پڑا ہوا تھا۔

حاصل : اللہ کی عطا کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کرنے کا شرف ہو تو یہ یقین بھی رکھنا چاہئے کہ اللہ اس سے بہتر عطا کر دے گا۔ بخل مومن کو زیب نہیں دیتا۔ بخل سے وہ سب کمزوریاں جن پر پردہ پڑا ہوتا ہے، ظاہر ہو جاتی ہیں۔

هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾ ع ۸

ہاں تم کو انفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی جاتی ہے، تو بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو بخل کرے وہ اپنے ہی نفس پر بخل کرتا ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم فقراء ہو۔ اور اگر تم منہ پھیر لو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت مومنین کو دی جاتی ہے، تو وہ بڑے ادب سے اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ انہیں نہ کسی کے مقابل بڑا بننے کی طلب ہوتی ہے نہ کوئی دکھاوا ان کا مقصود ہوتا ہے۔ ایمان کے دعویداروں میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں، کہ جو انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کو سن کر بخل کرتے ہیں۔ بخل کرنے والا، اللہ تعالیٰ کو ربّ ماننے کے دعوے میں سچا نہیں ہوتا۔ وہ متاعِ حیات کو مقصود بنالیتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دوسروں کی حفاظت ہوتی ہے۔ جو دوسروں کی حفاظت کرتا ہے، اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بخل کرنے والا اپنی ہی حفاظت کو قطع کر دیتا ہے، اس طرح اس کا بخل اسی پر پڑتا ہے۔ بخیل کسی سے جڑتا ہی نہیں، اس لئے بےثبات رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنا بے نیاز ہے کہ اس نے اپنے لئے کوئی بھی شے خلق نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کو کسی شے کی بھی احتیاج نہیں ہے، اور بندوں کو ہر مقام پر احتیاج سے ہی واسطہ ہے۔ اللہ دیتا ہے اور سب کو دیتا ہے۔ پہلے دیتا رہا ہے، اب دیتا ہے اور آئندہ بھی دیتا رہے گا۔ دینے والا وحدہ لاشریک ہر زمانے میں اللہ ہی تھا اور اللہ ہی رہے گا۔ جو حکمِ خداوندی سے منہ پھیرے وہ فلاح کے راستے سے ہٹ جائے گا، ایک وقت کے بعد اس سے توفیق واپس لے لی جائے گی، پھر اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق ہی نہ رہے گی۔ جس فرد سے خیرات کی صفت جاتی رہے، وہ فرد بے حقیقت ہو جاتا ہے۔ جس قوم سے خیرات کی صفت جاتی رہے وہ قوم بے حقیقت ہو جاتی ہے۔ بے حقیقت مُردہ ہے، باحقیقت زندہ ہے عمل کی کوئی صورت ہو۔ جو لوگ حق سے منہ پھیرلیں، ان کی جگہ اللہ باحقیقت لوگوں کو لے آتا ہے، اور بے حقیقت اور باحقیقت مساوی نہیں ہوتے۔ منافق سے کافر بہتر ہے، اور کافر سے مومن بہتر ہے، اس لئے انجام کار مومنین ہی ہوں گے ساری کائنات میں۔

حاصل : اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی سعادت نصیب ہو تو استفادہ کرنے والے کی توقیر بڑھانی چاہئے۔ بخیل اپنی حفاظت کو قطع کر دیتا ہے۔ اللہ اپنی ذات کے حوالے سے بے نیاز ہے، ہم ہر مقام پر اللہ کی عنایات کے محتاج ہیں۔ جو قوم حق سے منہ پھیرے، ایک وقت کے بعد اس سے توفیق چھن جاتی ہے پھر اس کی جگہ آنے والی قوم اس کی طرح کی نہیں ہوتی۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ (9) میں ارشاد فرمایا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُواْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنفِرُواْ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْـًٔا ۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

اے ایمان والوں تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے یہ فرمایا جائے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو، تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھے جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کے مقابل حیاتِ دنیا پر راضی ہو بیٹھے۔ اور متاعِ حیاتِ دنیا، آخرت کے مقابل قلیل ہے۔ اگر کوچ نہ کرو گے تو تمہیں المناک عذاب دے گا، اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا، اور تم اس کو ضرر نہ دے سکو گے، اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

آیاتہا ۲۹ — سُوْرَۃُ الْفَتْحِ — رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾

بے شک ہم نے تمہارے لئے فتحِ مبین فرما دی۔

بے شک اللہ مومنین سے راضی ہوا، جب وہ اس شجر کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔ تو اللہ کو علم ہے جو ان کے قلوب میں ہے۔ تو اس نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور انہیں فتحِ قریب کا انعام دیا۔ (18:48) بیعت کرنے والے حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس محبت کا ثبوت پیش کیا، جس محبت میں سب کچھ قربان کر کے بھی محبوب سے یہ عرض کی جاتی ہے کہ ادب کا حق ادا کرنے میں مجھ سے کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ قادرِ مطلق نے اس بیعت پر راضی ہو کر آسانیاں عطا فرما دیں، اور فتح کا دروازہ کھول دیا۔ حدیبیہ کے مقام پر جو صلح ہوئی، اس میں کافر شرائط پیش کرنے والے تھے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماننے والے تھے۔ کافر صلح کی شرائط تبھی پیش کرتے ہیں جب انہیں اپنے مغلوب ہونے کا واضح امکان نظر آئے۔ مومنین میں سے بعض لوگوں نے کم علمی کی وجہ سے اس صلح کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے نہیں دیکھا، اور یہ محسوس کیا کہ یہ صلح بہت دباؤ میں آکر کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سند نازل فرمائی ہے کہ اللہ ہی ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے ہر دین پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا۔ (28:48) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بعثت میں دینِ حق کے غلبے کا مقام رکھا ہے، اس لئے کسی دباؤ میں آنے کا امکان ہی کب تھا۔ جن لوگوں نے اس صلح کی شرائط کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے دیکھا ان کا دیکھنا درست تھا، جن لوگوں نے اس صلح کو روایات کی روشنی میں دیکھا، ان کا دیکھنا درست نہیں تھا۔ بیعت فرد کی صورت سے ہوئی تھی، اس لئے بشارت اور انعام کا ذکر بھی فرد کی صورت سے ہوا۔

حاصل : جو اللہ کے محبوب کی معیّت اختیار کرے، اور آپ سے محبت تامہ رکھتا ہو، اس کے لئے آسانیوں کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اپنے شاہد کی نظر سے دیکھنا چاہئے، ورنہ کوتاہی ضرور ہوتی ہے۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲﴾

تاکہ اللہ تمہارے پہلے اور پچھلے گناہ بخشے، اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کرے، اور تمہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائے۔

ذنب (گناہ) کا ارتکاب بندے سے ہوتا ہے۔ (26:14) ذنب کو اللہ بخش دیتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔ (40:3) فیصلہ کرنے والا حالات و واقعات کی روشنی میں ذنب کا تعین کرتا ہے۔ (12:29) صبر کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ یقین رکھے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اور اپنے ذنب پر استغفار کرے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرے۔ (40:55) اپنے ذنب پر استغفار کرنے والے کو مومنین کے لئے اور مومنات کے لئے بھی استغفار کرنا چاہئے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (47:19) ذنب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہوتی ہے۔ (29:40) قیامت کے دن دوزخ والے اپنے ذنب کا اعتراف کریں گے۔ (67:11) حق کو جھٹلانا اور استکبار کے ساتھ خلافِ حق کرنا ذنب ہے اور باعثِ عذابِ الٰہی ہے۔ (91:14) ذنوب (گناہ) کو اللہ ہی بخشتا ہے۔ (3:135) اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے، بندہ اللہ کا پیارا ہو جاتا ہے اور اس کے ذنوب بخش دیئے جاتے ہیں۔ اللہ سے محبت رکھنے والوں کے گناہوں پر انہیں عذاب نہیں ہوتا۔ (5:18) جس کا قول سیدھا ہو جائے، اس کے اعمال کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور اس کے گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے۔ (33:71) حق پر ایمان لانے والے لوگ یہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمارے ذنوب کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچالے۔ (3:16) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے والدِ محترم سے یہ درخواست کی کہ ہمارے ذنوب کے لئے بخشش مانگئے بے شک ہم خطا کار تھے۔ (12:97) اللہ لوگوں کو ان کے ذنوب کی بدولت ہلاک کر کے دوسرے لوگوں کو لے آتا ہے۔ (6:6) جب اللہ لوگوں کو ان کے ذنوب پر پکڑتا ہے تو اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں ہوتا۔ (40:21) یہ سب اسناد ہیں جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں ذنب کا لفظ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، لوگوں کو تزکیہ عطا کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ آپ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ کی حکم عدولی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ آپ کے اتباع سے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ آپ کا نطق حکمِ خداوندی سے ہے، اس لئے قول میں آپ کے گناہ کا امکان نہیں۔ جس ذاتِ بابرکات کے ہاتھ کو اللہ نے اپنے ہاتھ فرمایا ہو، اس کے ہاتھ سے گناہ کا ارتکاب ممکن نہیں۔ جس ذاتِ اقدس کے قدم سے قدم بڑھانا، اللہ سے قدم بڑھانا ہو، اس کے قدم گناہ کی طرف اُٹھ نہیں سکتے۔ جس ذاتِ اقدس کا قلب مقامِ نزول ہوا قرآن شریف کے لئے، دائرہ عبدیت میں اس قلب سے بڑا پاک قلب کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی گناہ کو منسوب کرنا خلافِ حق ہے۔ منکرینِ حق نے اگر آپ کے بارے میں کوئی بے ہودہ اور بے سند بات کی ہے تو وہ بات کبھی آپ کا عمل نہیں کہلائے گی، اسے آپ کا ذنب قرار دینا قطعاً خلافِ حق ہو گا۔ یہ خطاب فرد کی صورت سے ہے اور ہر فرد کے لئے ہے جس کو آپ کی بیعت کے حوالے سے اللہ کی رضا حاصل ہوئی۔ اس کے پہلے گناہ بھی بخشے گئے اور اس کے بعد بھی جو ہوں گے بخشے جائیں گے، کہ جس سے اللہ راضی ہو جائے اس کی حسنِ نیت کی سند موجود ہوتی ہے، اور اعمال کا انحصار نیت پر ہوتا ہے۔ جس کا سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے ہو جائے، اور جو ہر مقام پر اللہ کے محبوب کے ساتھ باوضو رہے وہ اس قدر پاک ہو جاتا ہے کہ اس کے دیکھنے سے ہی طلبِ ہدایت رکھنے والے بندے کو مقصود کا علم ہو جاتا ہے اور وہ موجود سے مقصود کی طرف چل پڑتا ہے۔

اتمامِ نعمت تکمیلِ دین ہے، اور یہ تمام مومنین کے لئے ہے۔ فتحِ مبین کے ساتھ تیسرے انعام کا ذکر صراطِ مستقیم کی ہدایت کی صورت سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ہدایت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اللہ نے آپ کے صراطِ مستقیم پر ہونے کی سند نازل فرمائی ہے۔ یہ صراطِ مستقیم کی ہدایت عام مومن کے لئے انعام ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

حاصل : جو اللہ کی رضا کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے، وہ اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اس کے اگلے، پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب نوازا جاتا ہے۔ اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ ایسا محبّ اللہ کے محبوب کے ساتھ اپنی کوئی صورت نہیں رکھتا۔

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ③

اور اللہ تمہاری نصرت فرمائے، عالی شان نصرت۔

نصرتِ الٰہی، اللہ کی رضا کے حاصل ہو جانے کا ایک انعام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت میں پاک رہے، اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جلوت میں باوضو رہے اور کسی مقام پر بھی اپنی پسند کو وقعت نہ دے، اس کو اللہ ایسی مدد سے نوازتا ہے کہ اس کے مقابل کسی قوت کا کوئی مقام ہی نہیں رہتا۔

حاصل : نصرتِ الٰہی بہت بڑا انعام ہے۔ اللہ جس کی شان بڑھانا چاہے، اس کی شان کو کم کرنا کسی کے بس میں نہیں رہتا۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ④ ۙ

وہی ہے جس نے مومنین کے قلوب میں سکینت نازل فرمائی، کہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو۔ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

مومنین کو اللہ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اللہ نے ان سے نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ مومنین کبھی اس بات پر فخر نہیں کرتے، کہ ان کی تعداد دشمن کے مقابل زیادہ ہے، ان کے پاس سامانِ جنگ دشمن کے سامانِ جنگ سے بہتر ہے، یا انہیں وہ وسائل میسر ہیں، جو ان کے دشمن کو میسر نہیں ہیں۔ مومنین کو یہ اطمینان ہوتا ہے کہ حق کی احسن ادائیگی کے لئے جو کچھ درکار ہے وہ حال پر موجود ہے، اور جو آنے والے وقت میں درکار ہو گا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کر دیا جائے گا۔ اللہ ہماری ضروریات کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے۔ مومنین پر جب یہ روشن ہوا، کہ صلح کی درخواست کافروں کی طرف سے اسی وقت آتی ہے جب مقابلہ کرنے میں انہیں ناقابلِ برداشت خسارہ نظر آئے، تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا، اللہ کی نصرت کے شاملِ حال ہونے کا احساس ہوا۔ اللہ ہی تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور ان تمام لشکروں کا مالک ہے، جو امرِ الٰہی کی تعمیل کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اللہ کو اپنی مشیّت کے نفاذ میں کبھی کوئی رکاوٹ آ ہی نہیں سکتی، وہ جو چاہے کر

سکتا ہے۔ منکرین حق کو وہ عذاب سے مٹا دیتا ہے۔ اللہ کے ماننے والے اپنی صداقت کا ثبوت اسی طرح دے سکتے ہیں کہ وہ حق کو مانیں، شاہد سے محبت رکھیں اور اپنے اموال و انفس کے ساتھ جہاد کریں، نتائج کی طرف نہ دیکھیں۔ اللہ کے احکام علم و حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ علم و حکمت کا پتہ اسی کو لگے گا، جو اللہ کے ساتھ ہو گا، اور حالات کو اپنے صاحب کی نظر سے دیکھے گا۔

حاصل : لوگ جب ایمان والوں کو دشمن کی جمعیت سے ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایمان والوں کو اللہ کی نصرت کا یقین ہوتا ہے، اور اللہ کی نصرت کے مقابل کسی قوت کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ علم و حکمت کا پتہ اندازے قیافے سے نہیں لگتا، حق کو ادب کے ساتھ ماننے سے لگتا ہے۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ﴿٥﴾

تاکہ مومنین اور مومنات کو جنّتوں میں داخل کرے، جن کے تحت نہریں جاری ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور ان سے ان کی بُرائیوں کی نفی کر دے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک عظیم کامیابی ہے۔

مومنین اور مومنات کو حال پر تسکینِ قلب نصیب ہوتی ہے، آخرت میں انہیں جنت سے نوازا جائے گا۔ یہ باغ ایسے ہوں گے، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور ان باغوں سے راحت پانے والوں کو کوئی مشقت ان باغوں کے سرسبز و شاداب رکھنے کے لئے نہیں کرنی پڑے گی۔ ان میں ایمان والوں کو ہمیشگی کے ساتھ رہنا نصیب ہو گا۔ ایمان والوں کے وہ اعمال جو حق کو ماننے اور اصلاح کو قبول کرنے سے پہلے وقت سے تعلق رکھتے ہوں گے، ان کی نفی کر دی جائے گی، اور ان حضرات کو دائمی راحت حاصل ہو گی، جو اللہ کے نزدیک عظیم کامیابی ہے۔ جس پاکیزگی اور معصومیت کے ساتھ بندے کو اس دنیا میں بھیجا جاتا ہے، اسی پاکیزگی اور معصومیت کے ساتھ اسے جنّت نصیب ہو جائے تو یہ عظیم کامیابی ہے۔

حاصل : مومنین و مومنات کو راحت سے نوازنے کا وعدہ فرما رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے۔ جنّت سرسبز و شاداب مقام ہو گا، وہاں رہنے والوں کو ہمیشگی کے ساتھ وہاں رہنا نصیب ہو گا۔ جو پاک ہو جائے اس کی بُرائیوں کو جھاڑ دیا جاتا ہے۔ جس پاکیزگی اور معصومیت کے ساتھ بندے کو دنیا میں بھیجا جاتا ہے، اسی پاکیزگی اور معصومیت کے ساتھ واپسی کا شرف ہو تو یہ اللہ کے نزدیک عظیم کامیابی ہے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَ

اور تاکہ اللہ منافقین اور منافقات اور

الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٦﴾

مشرکین و مشرکات کو عذاب دے جو اللہ پر بُرا گمان رکھتے ہیں۔ انہیں پر بُری گردش ہے۔ اللہ نے ان پر غضب کیا ہے، اور ان پر لعنت کی ہے، اور ان کے لئے جہنّم تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

بارانِ رحمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی ہوتی ہے، جس مقام پر پھلواری ہو وہاں خوشبو بڑھ جاتی ہے، جس مقام پر گندگی کا ڈھیر ہو وہاں تعفن بڑھ جاتا ہے۔ منافق مرد اور منافق عورتیں زبان سے تو یہ کہتے ہیں ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، مگر اللہ ان کے بارے میں شہادت دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ رسالت کے اقرار سے جو حق ان پر عائد ہوتا ہے، عملاً یہ لوگ اس حق کی نفی کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو علیم و حکیم بھی نہیں مانتے، اللہ کی قدرت کو بھی نہیں مانتے، ظاہری اسباب کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ مسبب الاسباب کی قدرت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور اللہ پر بُرا گمان رکھتے ہیں۔ مشرک مرد اور مشرک عورتیں مخلوق کو معبود بناتے ہیں، اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ منافقت شرکِ خفی ہے، اور اس سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ منافق مرد اور منافق عورتیں، مشرک مرد اور مشرک عورتیں، مومنین کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ کفر سے مقابلے میں یہ لوگ ختم ہو جائیں گے، یہ مقابلہ مومنین کے لئے ایسا گرداب ہو گا، جس سے بچ نکلنا ممکن نہ ہو گا، مگر منافقوں پر اور مشرکوں پر ہی اللہ کا غضب پڑتا ہے، اور انہی پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ یہ حقائق کا انکار کرتے ہیں اور ان پر بُری گردش آجاتی ہے۔ جب اللہ مومنین کو غلبہ عطا کر دیتا ہے تو ان لعنتی اور مغضوب لوگوں کو کوئی ٹھکانا نہیں ملتا۔ اللہ نے ان مغضوب اور لعنتی لوگوں کے لئے جہنّم تیار کر رکھا ہے، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ جہنّم میں منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو ان کے اعمال کی ہی جزا دی جائے گی۔

حاصل : منافقت شرکِ خفی ہے، کفر شرکِ جلی ہے، دونوں کی اصل حقائق کا انکار ہے۔ حالات کو اللہ کی قدرت کے دائرے سے باہر جاننے والے لوگ، نامراد ہوتے ہیں۔ انہی پر بُری گردش آتی ہے، ان پر غضب پڑتا ہے، ان پر لعنت پڑتی ہے۔ یہاں بھی ان کا ٹھکانا بُرا ہے، آخرت میں بھی بُرا ہو گا۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٧﴾

اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔ اور اللہ عزت والا حکمت والا ہے۔

اللہ کی قدرت کی یہ شان ہے، کہ وہ اپنے جس لشکر سے جو کام لینا چاہے، اس کے امر سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ اسباب پر ہمیشہ اللہ کی قدرت کا احاطہ ہوتا ہے۔ مومنین جب اپنے اموال وانفس سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ ان کی مدد کرتا ہے، پھر انہیں شان دار فتح نصیب کرتا ہے۔ اللہ کبھی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، کہ خطا کے بعد توبہ کے لئے مہلت دینا اس کی شان ہے، ورنہ کسی بھی قوت کو صفحہ ہستی سے نابود کر دینا، عزت والے، حکمت والے اللہ کے لئے قطعاً آسان ہے۔

حاصل : اللہ ہی کے سب لشکر ہیں آسمانوں میں اور زمین میں۔ اس کے مقابل کسی قوت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ عزت و حکمت والے قادرِ مطلق کے ساتھ میں جو کچھ ہے وہ کہیں نہیں ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٨﴾

بے شک ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اللہ نے اپنے رسول کو شاہد کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ حکمِ الٰہی شاہد کا حال ہوتا ہے۔ وہ اتباع کرنے والوں کو فلاح کی بشارت دیتا ہے، اور حق کا انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈراتا ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دینا شاہد کا کام ہے۔ اللہ کے رسول کو یہ مرتبہ عطا کیا گیا۔ حضور سے یہ مرتبہ تقسیم ہوا اور قیامت تک سلسلہ شاہدین جاری رہے گا۔ شاہد کی عظمت روشن ہو جائے، تو بندے کا قول اس کے ساتھ میل جول کی بدولت پاک ہو جاتا ہے۔ شاہد سے محبت ہو جائے تو اعمال صالح ہو جاتے ہیں۔ اس کے قرب سے دوستی ہو جائے تو تقسیم کا علم عطا ہو جاتا ہے۔ ان تینوں مقامات پر پورا رہنے والے کو مخلص ہونے کا انعام ملتا ہے۔ جو لوگ شاہد کو جھٹلاتے ہیں، یا جن کی تسلیم عملاً سچی ثابت نہیں ہوتی، وہ بے حقیقت ہوتے ہیں۔ انہیں ان کے انجام سے آگاہ کرنا اور اس طرح آگاہ کرنا کہ انہیں حق پہنچانے والا اپنا بڑا ہی خواہ نظر آئے بہت بڑا کام ہے۔

حاصل : شاہد ہی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حق کو ماننے والوں کو فلاح کی بشارت دیتا ہے اور حق کا انکار کرنے والوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتا ہے۔

لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٩﴾

تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ، اور آپ کی تعظیم کرو، اور آپ کی توقیر کرو۔ اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

جو لوگ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، آپ کی تعظیم کریں، آپ کی مدد کریں، اور اس نور کا اتباع کریں جو آپ کے ساتھ نازل فرمایا گیا ہے، وہ یقیناً فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ پر ایمان حق کو ماننا ہے، اللہ کے رسول پر

ایمان آپ کے اسوۂ حسنہ کو حال بناتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم سے بندے کا قول پاک ہو جاتا ہے۔ جس کا قول پاک ہو جائے وہ اپنی بات نہیں کرتا، اپنے صاحب کی بات کرنے لگتا ہے۔ اس طرح اس کی زبان پاک ہو جاتی ہے۔ آپ کی توقیر سے بندے کے اعمال کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ وہ جو بھی کرتا ہے اپنے صاحب کے حوالے سے کرتا ہے۔ ایسے پاک بندے کو صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہنا چاہئے۔ اس تسبیح میں اللہ کی شان بیان کر کے صبح اس سے مدد مانگی جاتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں پاکیزگی قائم رہے، اور شام کو یہ دعا مانگی جاتی ہے کہ دانستہ اور نادانستہ جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، اللہ انہیں بخش دے، کہ گناہ اللہ ہی بخشتا ہے۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، آپ کی تعظیم کرنا، آپ کی توقیر کرنا، باعثِ فلاحِ دارین ہوتا ہے۔ فلاح پانے والے صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾

بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر۔ پھر جس نے عہد توڑا تو اس کی عہد شکنی اسی پر ہے، اور جس نے اس عہد کو وفا کیا جو اللہ سے کیا تھا، تو جلد ہی اسے اجرِ عظیم عطا کرے گا۔

شاہد کے ساتھ یہ عہد کرنا کہ آپ کی اطاعت کروں گا، آپ کا اتباع کروں گا، اور اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، بیعت کہلاتا ہے۔ جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیعت کرتے تھے وہ اللہ ہی سے حق کو ماننے کا اور یکسو رہنے کا عہد کرتے تھے۔ نیچے ہاتھ ان کا ہوتا تھا، اوپر ہاتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا تھا، اس طرح یہ بیعت اللہ ہی سے ہوتی تھی۔ جو اس عہد کو توڑنے کا مرتکب ہو گا، وہ یہ عہد شکنی اللہ ہی سے کرے گا، اور اس عہد شکنی کا نقصان بھی عہد شکنی کرنے والے کو ہی ہو گا، اللہ تو کوئی احتیاج رکھتا ہی نہیں۔ عہد کو وفا کرنے والے کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی بات کو قابلِ ذکر نہیں جانتا، اپنے صاحب کی بات کو قابلِ ذکر جانتا ہے۔ شاہد کے اتباع سے اپنی صداقت کا ثبوت دیتا ہے۔ جو اپنے ساتھ بیعت جائے اسے باذن اللہ جانتا ہے، اور اپنے قول و فعل کو حق کے حوالے سے درست رکھتا ہے۔ ایسے سچے کو اللہ جلد ہی اجرِ عظیم عطا فرما دیتا ہے۔ بیعت کرنے والے کا ابتدائی مقام ایمان بالغیب کی صورت سے ہوتا ہے، جب وہ اپنے عہد کو وفا کرنے میں سچا ثابت ہو جائے تو وہ ایمان بالشہادت کے مقام پر آ جاتا ہے۔ حیاتِ دنیا میں اس سے بڑی راحت کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

حاصل : بیعت، شاہد کے ساتھ خلوت و جلوت میں پاک رہنے کا عہد ہے۔ جس کا ہاتھ پاک ہے، اسی سے بیعت ہو سکتی ہے۔ عہد شکنی کرنے والے ہی خسارے میں رہتے ہیں۔ عہد کو پورا کرنے والے

دنیا و آخرت میں خوب نوازے جاتے ہیں۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (15) میں ارشاد فرمایا ہے۔
وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾
اللہ سے کیے گئے عہد کے بارے میں پوچھ ہوگی۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾

اب پیچھے رہ جانے والے اعراب کہیں گے کہ ہمیں ہمارے اموال، اور ہمارے اہل نے مشغول رکھا، تو ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ یہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے قلوب میں نہیں ہے۔ فرما دیجئے اللہ کے سامنے کسے کچھ اختیار ہے اگر وہ تمہارے ضرر کا ارادہ کرے یا تمہارے نفع کا ارادہ کرے۔ بلکہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

شاہد سے محبت نہ ہو تو بظاہر فائدے کے مقام پر اس کا ساتھ ممکن ہوتا ہے۔ خطرات نظر آرہے ہوں تو ساتھ رکھنے کے مقابل پیچھے رہ جانے میں عافیت نظر آتی ہے۔ اعراب وہ بادیہ نشین لوگ تھے جو مدینہ شریف کے قرب وجوار میں رہتے تھے۔ ان لوگوں کو بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم سفر ہونے کو کہا گیا تھا، مگر ان لوگوں نے اس سفرِ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ جانے کو اپنے مفادات کے خلاف جانا، اس لئے پیچھے رہ گئے۔ جب مومنین فتح مبین کی بشارت کے ساتھ واپس آگئے تو ان بادیہ نشینوں نے معذرت کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ ہمیں ہمارے اموال نے اور ہمارے اہل نے مشغول رکھا، ہم سے یقیناً کوتاہی ہوئی ہے۔ زبان سے کوتاہی کا اقرار کرنا اور بات ہے، دل سے کوتاہی کو تسلیم کرنا اور بات ہے۔ دل سے کوتاہی کو تسلیم کیا جائے تو ندامت کا اظہار ہر عمل میں نظر آتا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی سے یہ فرمایا : اگر اللہ تمہیں ضرر پہنچانا چاہے تو اس سے کون تم کو بچا سکتا ہے، اور اگر اللہ تم کو نفع دینا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ جب تمہیں یہ یقین ہو کہ قادرِ مطلق ہر مقام پر تمہارا احاطہ کئے ہوئے ہے تو پھر یہ عذر کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ تمہیں تمہارے اموال واہل نے مشغول رکھا اور تم حضور کے ساتھ سفر کو نہ جا سکے۔ اللہ کو تمہاری نیت کا بھی پتہ ہے، تمہارے اعمال کا بھی پتہ ہے۔

حاصل : جو لوگ خطرات کو دیکھتے ہوئے شاہد کے ساتھ سے پیچھے رہ جاتے ہیں، وہ جب نتائج کو

مومنین کے حق میں دیکھتے ہیں تو معذرت کرتے ہوئے اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ اعتراف زبان سے ہوتا ہے، دل سے نہیں ہوتا۔ دل سے اپنی کوتاہی کا اعتراف ہو تو اسے ہر عمل میں نظر آنا چاہیے۔ نفع و ضرر کو باذن اللہ جاننے والے کبھی خلافِ حق نہیں کرتے۔ اللہ کو ہماری نیت کا بھی پتہ ہے، ہمارے کاموں کا بھی پتہ ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۖ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

بلکہ تمہیں یہ گمان تھا، کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مومنین اپنے اہل کی طرف لوٹ کر نہ آئیں گے، اور اس بُرے خیال کو تم نے اپنے قلوب میں زینت دی تھی، اور تم نے سخت بدگمانی کی اور بالآخر ہلاک ہونے والے تم ہی بنے۔

مذکورہ سفر میں اعراب کی عدم شمولیت کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ اعراب کفر و نفاق میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے اندازے لگاتے رہتے تھے۔ ان کے اندازے کے مطابق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت بڑے خطرے کی طرف جارہے تھے، ان کی تعداد کافروں کی تعداد کے مقابل بہت کم تھی، ان کے پاس کوئی بڑا سامانِ حرب نہیں تھا، جنگ کی صورت میں یہ لوگ دشمن کے نرغے میں آسکتے تھے، یہ جنگ کافروں کے علاقے میں ہونی تھی اس لئے ان کی پوزیشن ہی مضبوط ہو سکتی تھی۔ ان اندازوں کی وجہ سے بادیہ نشینوں نے یہ حساب لگایا کہ حق کا نام لینے والے اپنے خاتمے کی طرف جارہے ہیں، اب ان کا اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس خیال کو وہ لوگ بہت پسند کرتے تھے، اور حق سے جو کراہت ان کے دلوں میں تھی، اس سے یہ بدگمانی بڑھتی ہی چلی گئی۔ مگر اللہ کی شان دیکھئے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب ساتھی بخیر و عافیت اس سفر سے واپس اپنے اہل کی طرف تشریف لائے، اور ہلاکت بدگمانی کرنے والوں کے حصے میں آئی۔

حاصل : صرف ظاہری اسباب کو ملحوظ رکھ کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا مومنین کا طریقہ نہیں ہوتا۔ منافقوں کے دلوں میں پاک لوگوں کے بارے میں بُرے خیالات ہی ہوتے ہیں۔ مومنین اللہ کے ساتھ میں اپنی سلامتی جانتے ہیں، منافق اسباب کے ساتھ سلامتی کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے ہلاکت منافقوں کو ہی ہوتی رہی ہے، اور ہوتی رہے گی۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ

اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لایا، تو ہم نے

أَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬

کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا پاک لوگوں کی معیّت سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ جہاں یہ سند موجود نہ ہو وہاں دعویٰ ایمان کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ حق کو نہ مانا جائے تو باطل کو ضرور ماننا پڑے گا۔ اور باطل کو ماننے والوں کا انجام دوزخ کی آگ ہو گی۔ جو ان کے اعمال کے نتیجے میں انہیں حاصل ہو گی۔ جو ان کے ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہو گی۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے اپنے اندازے کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ حق کو نہ ماننے والے اپنے اعمال کی جزا بصورتِ دوزخ پائیں گے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ جسے چاہے مغفرت دے، اور جسے چاہے عذاب دے۔ اور اللہ مغفرت فرمانے والا رحم فرمانے والا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ کوئی اس کا شریک نہ ہوا ہے نہ ہو گا۔ ہر مقام پر اللہ کی قدرت کا احاطہ ہے۔ وہ لوگوں کی نیتوں کو بھی جانتا ہے ان کے اعمال کو بھی جانتا ہے۔ جو حق کو ماننے کے دعوے میں سچا ہو گا، اللہ اسے بخش دے گا۔ اور جو حق کو ماننے کے دعوے کو دہراتا رہے گا اور اپنی صداقت کا ثبوت نہیں دے گا، وہ جھوٹا ہو جائے گا، اسے اللہ عذاب دے گا۔ اللہ کبھی جلد بازی نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کو اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے مواقع مہیا کرتا ہے۔ اور حجت کو پورا کرتا ہے۔ مغفرت کی طلب رکھنے والے اور اللہ کے رحم کے طلب گار پہلے بھی فائدہ اٹھاتے رہے ہیں، آئندہ بھی فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

حاصل : نفع و ضرر کے باذن اللہ ہونے کا یقین ہو، تو پھر اللہ کی عطا کردہ توفیق کو حق کے مطابق استعمال ہونا چاہئے۔ جزا دینا اللہ کی شان ہے۔ طلبِ مغفرت اور طلبِ رحم بندے کی صداقت کو ثابت کرتے ہیں۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ

جب تم غنیمتیں لینے کے لئے چلو گے، تو پیچھے رہنے والے کہیں گے، کہ ہمیں بھی اپنا اتباع کرنے دو۔ ان کا ارادہ ہے کہ

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

کلام اللہ کو بدل دیں۔ فرما دیجئے تم ہمارا اتباع نہیں کرو گے، یہی تو اللہ نے اس سے پہلے تمہیں فرمایا تھا۔ تو اب کہیں گے، تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو۔ بلکہ وہ سمجھتے ہی کم ہیں۔

منافقین کا سب کچھ اپنے نفس کی خوشی کے لئے ہوتا ہے۔ جب نفس کو خطرات نظر آئیں تو ان کو ساکن رہنے میں عافیت نظر آتی ہے، جب فوائد کا یقین ہو تو متحرک ہونے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ خواہشات کی پیروی دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔ جب مومنین کے غلبے کا یقین ہو تو وہ ان کے ساتھ جانے پر اصرار کرتے ہیں، مگر اللہ نے ان کو اس سے منع فرما دیا ہے۔ ان لوگوں کے روگ کا علاج اللہ کے حکم کو ماننے میں ہے، من مانی کرنے میں قطعاً نہیں ہے۔ جب ان کو غنیمت کے حصول کے لئے ساتھ جانے سے منع فرما دیا جائے گا، تو کہیں گے: تم لوگ یہ نہیں چاہتے کہ ہمیں بھی آسانی حاصل ہو، تم ہم سے حسد کرتے ہو۔ منافقین کا گمان ان پاک لوگوں کے بارے میں بھی بُرا ہی ہوتا ہے جو صرف ان کی بھلائی کے لئے ان سے بات کرتے ہیں۔ یہ ہوتے ہی کم سمجھ ہیں۔ اپنی خواہشات کے دائرے میں رہنے والوں کو حقائق کی سمجھ کم ہی آیا کرتی ہے۔

حاصل: فوائد کا حصول یقینی ہو تو منافق، مومنین کے ساتھ جانے کو بے چین ہوتے ہیں۔ چاہتے یہی ہیں کہ اللہ کا حکم ان کی مرضی کے مطابق ہو جائے۔ اللہ کے حکم کو ماننے میں ہی بھلائی ہوتی ہے۔ اپنی خواہشات کے دائرے میں رہنے والوں کو حقائق کی سمجھ کم ہی آیا کرتی ہے۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے فرما دیجئے، عنقریب تم ایک شدید لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، کہ تم ان سے قتال کرو، یا وہ تسلیم کریں۔ پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں احسن اجر دے گا، اور اگر تم پھر گئے جیسے اس سے قبل پھر گئے تھے، تو تمہیں المناک عذاب دے گا۔

غنیمتوں کے حصول کے لئے مومنین کے ساتھ جانے کو اعراب نے بہت پسند کیا، اس وقت ان کو اس کی اجازت نہ دی

گئی۔ اس کے ساتھ یہ فرمایا گیا، کہ اگر تم اپنی صداقت کا ثبوت دینا چاہتے ہو، اور تم کو اپنے سابقہ رویئے پر ندامت ہے، تو عنقریب تم کو ایک سخت جنگ جو قوم سے لڑنے کے لئے بلایا جائے گا۔ یہ لڑائی اسی وقت ختم ہوگی جب وہ حق کو مان لیں گے۔ اگر تم نے اللہ کے حکم کو مانا تو وہ تمہیں اس کا خوب صلہ دے گا، اور اگر تم نے حق سے منہ موڑ لینے کی سابقہ روش کو اپنایا تو پھر تمہیں المناک عذاب دے گا۔

حاصل : اتمامِ حجت کے لئے من مانی کرنے والوں کو اپنی صداقت کا ثبوت دینے کے لئے، موقع دینا اللہ کی سنّت ہے۔ اللہ کی اطاعت کرنے والے فلاح پاتے ہیں۔ حق سے دوبارہ پھر جانے والوں کے لئے المناک عذاب ہوتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾

اندھے پر کوئی حرج نہیں اور لنگڑے پر کوئی حرج نہیں اور مریض پر کوئی حرج نہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے گا، اسے جنّتوں میں داخل کرے گا، جن کے تحت نہریں جاری ہیں، اور جو پھر جائے گا اسے المناک عذاب دے گا۔

اندھا اگر جہاد کے لئے نہ جائے تو اس کا عذر واضح ہے کہ وہ جنگ کرنے کی اہلیت میں پورا نہیں ہے، لنگڑا اگر جہاد کے لئے نہ جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں کہ جنگ میں حرکات کی سرعت اس کے بس میں نہیں ہوتی، مریض اگر جہاد کے لئے نہ جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں کہ مرض اور ضعف اس کی کارکردگی میں بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ مگر ان لوگوں کو بھی امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کرنا چاہئے، کہ ہمیں ہماری مجبوری کے حوالے سے جو خدمات آپ سپرد کر دیں گے، ہم بصد احترام انہیں سرانجام دیں گے۔ ایسے لوگوں کو ان کی حسنِ نیّت کا خوب صلہ دیا جائے گا۔ انہیں ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جو پر بہار ہوں گے، سرسبز و شاداب ہوں گے۔ اور یہ معذور لوگ بھی اگر اللہ کے فرمان کو ماننے کی بجائے اس سے اعراض کریں گے تو پھر انہیں بھی المناک عذاب دیا جائے گا۔

حاصل : معذور لوگوں کو اللہ نے رعایت دی ہے، انہیں بھی صاحبِ امر کے پاس حاضر ہو کر پوچھنا چاہئے، ہم کیا خدمت سرانجام دے سکتے ہیں۔ جو خدمت بھی ان کے سپرد کی جائے اسے صداقت سے سرانجام دینا چاہئے۔ اس کا صلہ بہت خوب ہو گا۔ معذور لوگ بھی اگر حق کے اعراض کے مرتکب ہوئے تو انہیں المناک عذاب ہو گا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصف (61) میں ارشاد فرمایا ہے۔
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ④
بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں صفیں باندھ کر قتال کرتے ہیں، جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَ أَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ⑱

بے شک اللہ مومنین سے راضی ہوا، جب وہ شجر کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے، تو اللہ کو علم تھا جو ان کے قلوب میں تھا، تو اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں فتحِ قریب کا انعام دیا۔

سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے قربان کرنے کا عزم فرداً فرداً مومنین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر کیا۔ حدیبیہ کے مقام پر مومنین حالتِ سفر میں تھے۔ تعداد بھی ایسی نہیں تھی، جو کافروں کو مرعوب کر سکتی تھی۔ سامان جنگ بھی ساتھ نہیں تھا۔ مومنین کے قلوب میں اللہ کی رضا کے لئے قربان ہونے کا عزم تھا۔ اللہ نے ان حضرات کے اوپر سکینت نازل فرمائی۔ ان لوگوں کو ان کی صداقت کا اور ان کی حسنِ نیّت کا انعام دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی سکینت بھی انعام تھی، اور اس کے ساتھ مستقبل قریب میں حاصل ہونے والی فتح کی بشارت بھی انعام تھی۔

حاصل : مومنین جب اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کو پورا جانیں، نصرتِ الٰہی کا یقین رکھیں، دشمن کے وسائل سے مرعوب نہ ہوں، اور اللہ کی رضا کے حصول کے لئے سب کچھ قربان کرنے کا عزم دل میں رکھتے ہوں، تو اللہ ان کی یکسوئی اور اس کے اظہار کو دیکھ کر راضی ہوتا ہے، ان پر سکینت نازل فرماتا ہے، اور انہیں انعامات کی بشارت دیتا ہے۔

وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ⑲

اور کثیر غنیمتیں جن کو وہ لیں گے، اور اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد مومنین کو فتح خیبر کے حوالے سے بہت سی غنیمتیں حاصل ہوئیں، اور یہ غنیمتیں انہی حضرات کو ملیں جو بیعتِ رضوان کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر چکے تھے۔ حالات ضرور نامساعد تھے، مومنین کے مقابل کافروں کو اپنے گھروں کے قریب ہونے کا فائدہ نظر آتا تھا، سامانِ جنگ کے حصول میں آسانی کا انہیں یقین تھا، ان کی تعداد بھی مومنین کے مقابل زیادہ تھی، مگر اللہ نے ان کافروں پر مومنین کا ایسا رعب طاری کر دیا کہ انہوں نے صلح کی درخواست پیش کی۔

کافر صلح کی درخواست صرف شکست کو دیکھ کر ہی کرتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کے سامنے، اس کی طاقت کے سامنے کسی جمیعت کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کے کاموں میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔

حاصل : غنیمتیں کبھی مومنین کا مقصود نہیں ہوتیں۔ اللہ جو چاہے عطا کر دیتا ہے۔ اللہ عزّت بڑھانا چاہے تو پھر اسے کم کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ نصرتِ الٰہی سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ ہمیشہ ایمان افروز ہوتے ہیں۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۲۰﴾

اللہ نے تم سے کثیر غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جو تم لوگے، پھر یہ تمہیں جلد عطا کر دی، اور دشمنوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ مومنین کے لئے نشانی ہو، اور تمہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائے۔

مومنین کی نصرت کا اللہ نے وعدہ فرما رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ کسی دوسری صورت میں ممکن ہی نہیں ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑی قوت والا ہے، سب سے بڑی قدرت والا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے جہاد کرنے والوں کو غنیمتیں نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد خیبر کی فتح سے مومنین کو غنیمتیں نصیب ہوئیں۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا گیا ہے : اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنا چاہی تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے، اور اللہ سے ڈرو اور مومنوں کو اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔ (5:11) جو یہ یقین رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اسے اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی رہے گی وہ یقیناً صراطِ مستقیم پر ہوتا ہے۔

حاصل : مومنین سے کثیر غنیمتوں کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ غنیمتیں اللہ عطا کرتا ہے۔ دشمنوں کے ہاتھوں کو روک کر بھی مومنین کی مدد کی جاتی ہے۔ مومنین اللہ کی نشانیوں کی قدر کرتے ہیں، متوکّل ہوتے ہیں، اللہ انہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

وَّأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۱﴾

اور ایک فتح بھی جس پر ابھی تمہیں قدرت نہیں ہے، مگر اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے، اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہ فتح مکہ کی بشارت ہے۔ مومنین کافروں کے مقابل تعداد میں کم تھے۔ جو لوگ ہجرت پر مجبور کر دیئے گئے تھے، ان کے لئے کافروں کی بڑی قوت سے ٹکرانا بڑا کام تھا اور ان کے پاس وسائل بھی ویسے نہیں تھے، جو کافروں کے پاس تھے۔ مگر اللہ نے کافروں کا احاطہ کیا ہوا ہے، اور اللہ کے احاطے سے نکل جانا ممکن ہی نہیں۔ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔ جب اللہ کا حکم ہو گا، اس فتح میں بھی زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اللہ کی نصرت سے ہی یہ فتح مومنین کو نصیب ہو سکتی تھی۔ اس فتح کی بشارت سے مومنین کے اندر بڑے جہاد کی تیاری کا مقام واضح ہو گیا، جس کا حکم مستقبل میں ملنے والا تھا۔

حاصل : لوگوں کی قدرت اسباب سے متعلق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر حال پر اور ہر شے پر محیط ہوتی ہے، اور اللہ کی قدرت کے سامنے کسی مزاحمت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢﴾

اور اگر کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر جاتے، پھر نہ کوئی دوست پاتے، اور نہ کوئی نصرت دینے والا پاتے۔

صلح حدیبیہ کافروں کی درخواست پر ہوئی، اور کافر لوگ جنگ میں اپنا مفاد دیکھتے تو کبھی صلح کی طرف نہ آتے۔ اور اگر وہ مومنین کے ساتھ جنگ کرتے، تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ اس وقت نہ کوئی ان کے ساتھ دوستی کا ثبوت دے سکتا، نہ کوئی ان کو مدد دینے والا ہوتا۔ مومنین فی سبیل اللہ لڑتے ہیں، کافر فی سبیل الطاغوت لڑتے ہیں۔ حکم الٰہی ہے کہ شیطان کے ساتھ دوستی کرنے والوں سے لڑو، شیطان کا داؤ ہمیشہ کمزور ہوتا ہے۔ (4:76) اللہ کی نصرت مومنین کو حاصل ہوتی ہے، اس لئے کافران کے مقابل زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتے، جلد ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

حاصل : مومنین اللہ کی رضا کے لئے لڑتے ہیں، ان کی لڑائی شیطان کے دوستوں سے ہوتی ہے، اور شیطان کا داؤ ہمیشہ کمزور ہوتا ہے۔ اس لئے کافر ہمیشہ مومنین کے مقابل آتے تو بڑی تیاری کے ساتھ ہیں مگر جلد ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٢٣﴾

اللہ کی سنّت ہے، جو پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنّت کو تبدیل ہوتے نہ پاؤ گے۔

بُرا داؤ انہی پر پڑتا ہے، جو اسے چلتے ہیں، یہ اللہ کی سنت ہے، جو نہ بھی بدلتی ہے اور نہ ٹلتی ہے۔ (35:43) جب بھی کافر، مومنین کے ساتھ لڑیں گے، ان کے مقابل زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکیں گے اور جلد ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ اللہ نے مومنین کی نصرت کا وعدہ فرما رکھا ہے، اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔ اور جسے اللہ کی نصرت حاصل ہو، اس کے مقابل ٹھہرنا ممکن نہیں ہوتا۔

حاصل : مومنین کی نصرت پہلے بھی ہوتی رہی ہے، آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔ کافروں کا داؤ بُرا ہوتا ہے، اور ان کا داؤ انہی پر پڑتا ہے، یہ اللہ کی سنّت ہے جو نہ کبھی بدلتی ہے نہ کبھی ٹلتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٢٤﴾

اور وہی ہے جس نے بطنِ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے، اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے، بعد اس کے کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا، اور اللہ دیکھ رہا تھا جو عمل تم کر رہے تھے۔

بطن مکہ میں حدیبیہ کے مقام پر مومنین کو کافروں نے اس طرح سے دیکھا کہ یہ لوگ بالکل ہماری زد میں ہیں، اور ان کو بچ کر جانے کا موقعہ نہیں دیا جانا چاہیے۔ مگر جب انہوں نے مومنین کی جنگ کے لئے تیاری کو دیکھا، تو کافروں کو تباہی سے بچنے کے لئے صلح کی راہ اختیار کرنی پڑی، اس طرح اللہ نے فریقین کے ہاتھ ایک دوسرے سے روک دیئے۔ اللہ کا علم سب سے بڑا ہے، اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، اور اللہ سب کچھ دیکھتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ وہ طرفین کے ہاتھ روک سکتا ہے۔ اگر ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو پھر ہمارے اعمال کا خلافِ حق ہونا ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔

هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجدِ حرام سے روکا اور قربانی کے جانور اپنی جگہ پہنچنے سے رکے رہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ کچھ مومن مرد اور مومن عورتیں جن کا تمہیں علم نہیں، کہیں تم انہیں روند ڈالو، تو لاعلمی میں تمہیں ان کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچے، اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اور اگر وہ ایک طرف ہو گئے ہوتے تو ہم ان

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾

میں سے کافروں کو ضرور المناک عذاب دیتے۔

منکرین حق نے مومنین کو بیت اللہ شریف میں داخل نہ ہونے دیا، حالانکہ یہ کبھی ہوا ہی نہ تھا کہ کسی کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے منع کیا گیا ہو۔ مومنین جنگ کے لئے آئے نہیں تھے، قربانی کے جانور ان کے ساتھ تھے، اور ان جانوروں کو قربان گاہ تک پہنچنے سے روکنا ایسی زیادتی تھی، جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مگر اللہ نے اس وقت جنگ کو ٹال دیا۔ اللہ کو یہ پسند نہیں تھا کہ مومنین کے ہاتھوں لاعلمی سے کچھ ایسے لوگ پس جائیں جو ایمان والے ہوں، یا ایمان لانے والے ہوں، ایسی صورت میں مومنین پر دکھ کا مقام آتا۔ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور اللہ ہی ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اگر یہ لوگ جو مکہ شریف میں تھے، کافروں سے الگ ہوتے، اور مومنین کا مقابلہ صرف کافروں سے ہوتا، تو کافروں کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔

حاصل : حق کی ادائیگی سے روکنا بڑا جرم ہے۔ مومنین کو یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ ان کے ہاتھ سے مخفی ایمان والوں کو تکلیف نہ ہو، کہ اللہ جن کو اپنی رحمت میں داخل کرنا چاہے، ان کی قدر کرنی چاہئے۔ اگر یہ یقین ہو کہ مقابلہ صرف کافروں سے ہے تو پھر ان کو عبرتناک سزا دینی چاہئے، کہ یہی اللہ کو پسند ہے۔ اور اگر دشمن کسی جنگی چال کے تحت مسلمانوں کے کسی گروہ کو علاقائی عصبیت میں مبتلا کر کے یا کوئی اور دھوکہ دے کر مومنین کے ساتھ لڑا دے، تو پھر مومنین کے اجتماعی مفاد کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ افراد کو جماعت کے مقابل ترجیح دینا درست نہیں ہوتا۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٢٦﴾

جب کافروں نے اپنے قلوب میں حمیّت رکھی، جاہلیّت کی حمیّت، تو اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور مومنین پر سکینت نازل فرمائی، اور کلمۂ تقویٰ ان پر لازم فرمایا، اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اہل تھے۔ اور اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔

صلح حدیبیہ میں وہ شرائط جو کافروں کی طرف سے پیش کی گئیں، وہ کافروں کی اَڑ کا ثبوت تھیں اور ان کی نخوت کو ظاہر کرتی تھیں، وہ نخوت جو جاہلیّت سے تعلق رکھتی ہے۔ کافروں کو یہ نظر آ رہا تھا کہ مومنین عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، اور بیت اللہ

شریف کی زیارت اور قربان گاہ پر قربانیاں پیش کرنے سے کسی کو روکنا ممکن نہیں، ضد یہ تھی ان کی کہ اس سال مومنین واپس چلے جائیں اور عمرے کے لئے آئندہ سال آئیں۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مومنین پر سکینت نازل فرمائی، اور وہ کافروں کی حمیتِ جاہلیت کو دیکھتے ہوئے جنگ کے لئے کھڑے نہیں ہوگئے۔ کلمۂ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں، اور اللہ کے رسول کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ یہ کلمۂ تقویٰ مومنین کے لئے اس قدر روح پرور ہے کہ ان کے اندر کسی درجے کا اختلاف باقی نہیں رہ جاتا اور ان کی اجتماعی شان بہت روشن ہو جاتی ہے۔ اس کلمۂ تقویٰ کے زیادہ حق دار وہی ہیں جو شاہد سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے فرمان کو ادب سے مانتے ہیں۔ جو بہتر جاننے والوں کے امر کو اپنی سمجھ کے حوالے سے مانتا ہو، اس کے اندر اہلیت کی کمی ہوتی ہے۔ اہلیت والے یہ یقین رکھتے ہیں کہ بہتر جاننے والوں کے حکم کو ماننا ضروری ہے، جاننا ضروری نہیں، ماننے کے بعد جاننے کا مقام آتا ہے۔ اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے، اس لئے جو کچھ اس کی طرف سے فرمایا گیا ہے، اس میں یقیناً بھلائی ہے۔

حاصل : جاہلیت کی اکڑ، نخوت ہے اور علامتِ کفر ہے۔ اپنے کلام کو جاہلیت کی حمیت سے پاک رکھنا چاہئے۔ سکینت نازل فرمانا اللہ کی شان ہے۔ کلمۂ تقویٰ سے مومنین کا سلوک بڑھتا ہے، ان کی شان روشن ہوتی ہے۔ ہر شے کا علم رکھنے والا جو کچھ کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے کے بس میں ہو ہی نہیں سکتا۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورہ روم (30) میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے مومنین کی نصرت اپنے اوپر حق فرمائی ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾

اللہ نے اپنے رسول کے رؤیا بالحق کو سچا فرمایا۔ انشاء اللہ تم امن کے ساتھ مسجدِ حرام میں داخل ہو گے، اپنے سروں کو منڈاتے یا بال ترشواتے۔ تمہیں خوف نہیں ہو گا۔ تو اللہ کو علم ہے جو تمہیں معلوم نہیں، اور اس سے پہلے اس نے تمہارے لئے فتحِ قریب ٹھہرا دی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا کہ وہ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے ہیں، اور عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ محبین سے اس کا ذکر ہوا۔ حدیبیہ سے واپس لوٹ آنے کی بات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا کی مطابقت کچھ لوگوں

کی سمجھ میں نہ آئی۔ ان پر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اسی سال کا وعدہ تو نہیں فرمایا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا وہی ہو گا۔ اور مومنین امن کے ساتھ مسجدِ حرام میں داخل ہوں گے، اور مناسک کو پورا کریں گے۔ ان پر قطعاً خوف کی کیفیت نہ ہو گی۔ اللہ نے جو چاہا اسی میں مومنین کی بھلائی ہے، اور اللہ جو دیکھتا ہے، وہ اسی کی شان کے لائق ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤیا کے مطابق زیارت بیت اللہ کا شرف پانے سے پہلے صلح حدیبیہ کی صورت میں اللہ نے ایک فتح قریب بھی مومنین کو دے دی۔

حاصل : شاہد کے فرمان کے پورا ہونے میں دیر معلوم ہو رہی ہو تو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ابھی ارکان جمع ہو رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ آسانیاں عطا فرمانے والا ہے، ہو گا وہی جو صاحب نے فرمایا ہے۔ اللہ کی نوازشات کی قدر کرنی چاہئے۔

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ﴿۲۸﴾

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے، دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس لئے آپ کا قول بھی معیارِ حق ہے اور آپ کا عمل بھی سند کا درجہ رکھتا ہے۔ اللہ نے یہی فرمایا ہے، کہ اگر تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو تم ہدایت پاؤ گے۔ یہ گمان کہ کبھی آپ کی بات ہدایت اور دینِ حق کے علاوہ بھی کچھ ہوتی تھی قطعاً خلافِ حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا منشاء یہ فرمایا گیا ہے کہ دینِ حق کو سب دینوں پر غلبہ حاصل ہو۔ اللہ نے گواہی دی ہے، کہ یہی ہو گا، اور اللہ کی گواہی ہر شے کا علم رکھنے والے کی گواہی ہے، اس لئے اس سے بڑی گواہی کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ منافقت کی جڑ کٹ جائے گی، انسانی خواہشات سے پیدا ہونے والے علوم کا اندھیرا ساری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، کہ سکھ کے وعدے پر ساری دنیا کو ایک نظام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور سکھ کا وعدہ پھر بھی پورا نہ ہو گا تو دینِ حق کی احتیاج بھی واضح ہو جائے گی۔ تب دینِ حق کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو گا۔ پھر دینِ حق کا غلبہ ایسا ہو گا، کہ ساری کائنات میں سوائے مومنین کے اور کوئی نہ ہو گا۔

حاصل : اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہدایت اور دینِ حق کے حوالے سے سند کا درجہ رکھتا ہے۔ دینِ حق کا غلبہ سب ادیان پر یقیناً ہو گا، اللہ نے اس کی شہادت دی ہے، اور اللہ کی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول

عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

ہیں۔ اور جو لوگ آپ کی معیّت میں ہیں، کافروں پر شدید اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔ تم ان کو دیکھو گے، رکوع کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجود کے اثر سے ہے۔ یہ توصیف ان کی تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کی مثل یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ سخت ہوئی اور اپنے تنا پر سیدھی کھڑی ہو گئی، زراعت کرنے والوں کو خوش کرتی ہوئی، تا کہ کفّار کو اس سے غیظ ہو۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے صالح عمل کیے، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کا اتباع باعثِ مغفرت ہے۔ آپ کی اطاعت سے ہدایت ملتی ہے۔ آپ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ جو لوگ آپ کی معیّت اختیار کرتے ہیں، انہیں آپ سے میل جول کی بدولت قول کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ آپ سے محبت کی بدولت اصلاحِ حال کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ علمِ حقیقی سے نوازے جاتے ہیں۔ ان مقامات پر پورا رہنے کا انعام بصورتِ اخلاص ملتا ہے اور مخلص کو بہکانا شیطان کے بس میں نہیں ہوتا۔ مومنین کی یہ شان ہے کہ کافروں کے ساتھ ان کا رویّہ بے لچک ہوتا ہے۔ وہ اپنے قول کو ان کے قول سے نہیں ملاتے، وقف کا دھیان رکھتے ہیں۔ اپنے اعمال کو ان کے اعمال سے الگ رکھتے ہیں، اور اپنے امتیاز کو ہمیشہ قائم رکھتے ہیں۔ مومنین کے ساتھ ان کا رویّہ بالکل نرم ہوتا ہے۔ ان کے الفاظ کو تبھی دیکھتے ہیں، جب وہ الفاظ کا علم رکھتے ہوں، ورنہ ان کی نیّت کے اچھے ہونے کا یقین ہر مقام پر نظر آتا رہتا ہے۔ اس لئے ان سے تعاون بھی ہوتا ہے، اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خدمت کا موقع دیا ہے۔ تورات شریف میں ان لوگوں کی نشانیاں یوں بیان فرمائی گئی ہیں کہ یہ رکوع و سجود میں سرگرم رہنے والے حضرات، اللہ کے فضل اور اللہ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ لوگوں کی خوشی کے مقابل ان کو اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے

ساتھ کیا کیا جارہا ہے، یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ کی رضا کے مطابق انہیں کیا کرنا چاہئے۔ ان کے مبارک چہرے پُرنور ہوتے ہیں، ان پر پاکیزگی جلوہ گر ہوتی ہے۔ انجیل شریف میں ان کی مثل ایسے بیان ہوئی ہے کہ جیسے ایک کھیتی نے اپنا پٹھا نکالا۔ زراعت کرنے والوں نے خیر کا بیج بویا، کھیتی اگی۔ شروع میں کونپلیں کمزور سی لگتی ہیں۔ کاشت کرنے والے کو تو بیج میں بھی سب کچھ نظر آتا ہے۔ کونپلیں بڑی ہوئیں، ان میں مزید قوت آئی اور درخت اپنے تنا پر کھڑے ہو گئے۔ ان درختوں کی شان دیکھ کر زراعت کرنے والوں کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کفار کو اس کھیتی کے مشاہدے سے بڑی تکلیف پہنچتی ہے، کہ ان کے باطل نظریات کے مقابل حق کے ماننے والے انہیں بہت منظم قوت نظر آنے لگتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں، اور اپنے ایمان کو صالح اعمال سے سچا ثابت کرتے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت کا وعدہ فرمار کھا ہے، ان کو اجرِ عظیم دینے کا وعدہ فرمار کھا ہے، اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ پورا ہوتا ہے۔

حاصل : حضور کی معیت صفات سے ثابت ہوتی ہے۔ کافروں کے ساتھ قول و فعل میں وقف رکھنا ضروری ہے۔ ہمیں مومنین کے کام آنا چاہئے، بڑی صداقت سے ان کی خدمت کرنی چاہئے۔ رکوع و سجود میں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مطلوب ہونی چاہئے۔ مومنین کے چہرے پُرنور ہوتے ہیں۔ دانے کی نفی ہو تو اس کی مثل کئی دانے پیدا ہوتے ہیں۔ مومنین کی تعداد اور اتحاد کا کافروں کے لئے تکلیف دہ ہونا واضح ہے۔ ایمان، صالح اعمال کی شہادت سے سچا ثابت ہو جائے، تو مغفرت اور اجرِ عظیم عطا کرنا اللہ کا وعدہ ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب (33) میں ارشاد فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَٰٓئِكَتُهُۥ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَٰتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾

وہی ہے کہ تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے کہ تمہیں ظلمات سے نور کی طرف نکالے، اور وہ مومنین پر رحم فرمانے والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تقدّم نہ کیا کرو، اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ صورت و تعیّن سے بہت بلند ہے۔ جو صورت و تعیّن کے دائرے میں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے آگے قدم بڑھانے کے مرتکب اسی صورت میں ہو سکتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے قدم بڑھائیں۔ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے۔ حکمِ الٰہی یہ ہے کہ حضور کا اتباع کیا جائے۔ تقدّم اس امرِالٰہی کی خلاف ورزی ہوگی۔ حق کے بعد تو ہے ہی گمراہی۔ جب مقتدی اپنے قول کو اپنے صاحب کے قول کے برابر جاننے لگے، تو وہ بات کرتے وقت حدِ ادب کو ملحوظ نہیں رکھ سکتا۔ جب وہ اپنے اعمال کو اپنے شاہد کے اعمال کے برابر جاننے لگے تو ناصح سے محبت کا دعویٰ بے معنی ہو جاتا ہے۔ ایسا بندہ اپنے اعمال کا نام جو چاہے رکھ لے، مگر رہتا وہ خواہشات کے دائرے میں ہی ہے۔ یہ اللہ سے نہ ڈرنے کا ثبوت ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ شاہد کے حضور بات کرتے وقت اپنے ماضی کے علم کی تصدیق کروانا چاہتا ہے، اور جس علم کی تصدیق حال پر نہ ہو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، منشاء یہ ہونا چاہئے کہ شاہد کے حکم کو مانا جائے اور ادب سے مانا جائے۔ یہ یقین بھی شاملِ حال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتوں کو سنتا ہے اور ہماری نیتوں کا علم رکھتا ہے۔

حاصل : اللہ کے رسول سے تقدم یقیناً اللہ سے تقدّم ہے، اور خلافِ حق ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے اپنے شاہد کے جاننے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنے جاننے کو اہمیت نہیں دیتے۔ یہ یقین ہو کہ اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے تو نیت بھی درست رہنی چاہئے، الفاظ بھی موزوں ہونے چاہئیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ

اے ایمان والو تم اپنی آوازوں کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے بلند نہ

كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ②

کیا کرو، اور نہ آپ کو اس طرح بلند آواز سے پکارا کرو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حق کی تبلیغ کی، تو وہ آواز حق تھی۔ سامعین پر یہ لازم تھا کہ وہ اس حق کو سنیں اور مانیں۔ آوازِ حق کے مقابل اپنی آواز کو پست رکھنا ادب ہے، اور آوازِ حق کے مقابل اپنی آواز کو بلند کرنا تقدم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے میں جن لوگوں نے حدودِ ادب کو ملحوظ نہیں رکھا، اور آپ کو اس طرح مخاطب کیا جیسے ایک دوسرے کو پکارا کرتے تھے، وہ بھی ادب سے دور رہے۔ حکم الٰہی کے معلوم ہونے سے پہلے جو کچھ ہوا ہے اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معلّم ہیں۔ کتاب وحکمت کی تعلیم آپ نے دی ہے۔ تزکیہ آپ نے عطا کیا ہے۔ آپ نے وہ علم عطا کیا ہے جو پہلے نہیں تھا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس مومن نے بھی بات کی اس یقین سے کی کہ وہ آپ سے اپنے علم کی تصدیق کروانا چاہتا تھا۔ بندوں میں سے کسی کا یہ مقام ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اللہ کے رسول کو سکھانے والا ہو۔

حاصل : اپنی آوازوں کو اپنے شاہد کے حضور، اپنے معلّم کے حضور پست رکھنا چاہئے کہ یہ ادب ہے۔ اپنے معلّم کو بلند آواز سے مخاطب کرنا بھی خلافِ ادب ہے۔ بے ادبی سے ماحول پر بُرا اثر پڑتا ہے، اس لئے بے ادب کے اعمال بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

بے شک جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لئے پسند کر لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

جو لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کلام حق جانتے ہیں، وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضور کے ارشادات کو سننا اور ماننا باعثِ فلاحِ دارین ہے۔ اس لئے وہ اپنی آوازوں کو اپنے شاہد کے حضور پست رکھتے ہیں۔ ان کے قلوب میں ادب موجود ہوتا ہے۔ جن لوگوں کے قلوب میں شاہد کا ادب موجود ہو انہی کے اندر تقویٰ افزائش پاتا ہے۔ جس علم کے بڑھنے سے خوفِ خدا بڑھے وہ علم حقیقی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے لوگوں کے دل پاک ہو جاتے ہیں۔ جب دل پاک ہو جائے تو سارا جسم پاک ہو جاتا ہے۔ جو پاک ہو جائے، اس کی خطاؤں کو بخش دیا جاتا ہے، اور اسے اجرِ عظیم عطا فرمایا جاتا ہے۔

حاصل : اپنے شاہد کے حضور اپنی آوازوں کو پست رکھنا ادب ہے۔ جن کے قلوب کے اندر ادب موجود ہو، انہی کے اندر تقویٰ کی افزائش ہوتی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بخشش بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ④

بے شک جو لوگ آپ کو حجرات کے باہر سے ندا دیتے ہیں وہ اکثر عقل نہیں کرتے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا وہ حصہ جس کا تعلق خلوت سے تھا، وہ بھی قطعاً حق تھا۔ اس لئے اس میں مداخلت یقیناً خلاف ادب تھی۔ جو لوگ آپ کے رحمت خانے کے باہر سے آپ کو پکارتے تھے، وہ اکثر عقل نہیں کرتے تھے۔ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اس کام کے لئے آواز دی جاتی، جس کو موخر کرنا ممکن نہ تھا۔ ناصح امین سے محبت ہو تو بندہ ہر مقام پر پورا رہ سکتا ہے، کہ محبت ہی ادب کا کل ہے۔

حاصل : اپنے شاہد کے بارے میں یہ یقین رکھنا ضروری ہے کہ خلوت و جلوت میں اسے حق کی احسن ادائیگی کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں۔ اپنے شاہد کو رحمت خانے کے باہر سے آواز دینا اسی صورت میں عقل کا کام ہو گا، جب کسی کام کو موخر کرنا ممکن نہ ہو گا، مگر اکثر ایسا نہیں ہوتا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤

اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ ان کے پاس تشریف لے آتے، تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رحمت خانے کے باہر سے پکارنے والے، اگر صبر کرتے اور انتظار کر لیتے، حتیٰ کہ حضور ان کے پاس تشریف لے آتے، تو ان لوگوں کی طرف سے آپ کی تعظیم و توقیر کا ثبوت مل جاتا، اور یہ ان کے لئے یقیناً بہتر ہوتا۔ اس ادب کی بدولت اللہ ان کو آسانیاں عطا فرما دیتا۔ کم علمی کی بدولت کوتاہی ہو جاتی ہے، اللہ اس کو بخش بھی دیتا ہے، اور جس کو بخش دیتا ہے اس کو اپنے رحم سے بھی نوازتا ہے۔

حاصل : شاہد کے رحمت خانے پر حاضری نصیب ہو تو ملاقات کے لئے انتظار کر لینا بہتر ہوتا ہے۔ اس سے صبر کا بھی ثبوت ملتا ہے، تعظیم و توقیر کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ بے صبری کا مظاہرہ ہو جائے تو اللہ بخشنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾

اے ایمان والو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو، کہ کہیں قوم پر بے جا نہ جا پڑو، پھر کل تمہیں اپنے فعل پر ندامت ہو۔

منافق یقیناً فاسق ہوتے ہیں۔ یہ لوگ برائی کا امر کرتے ہیں، بھلائی سے منع کرتے ہیں، بخیل ہوتے ہیں، قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمہارے ساتھی ہیں مگر وہ مومنین کے ساتھی نہیں ہوتے۔ (9:56) صدقات کی تقسیم ہو، مالِ غنیمت کی تقسیم ہو، یہ اپنی خواہشات کی پیروی میں ہی لگے رہتے ہیں۔ زبانوں سے کچھ اور کہتے ہیں، دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے۔ یہ لوگ حق میں اپنی خواہشات کو ملاتے رہتے ہیں۔ ان کی لائی ہوئی کسی خبر کو بلاتحقیق ماننا درست نہیں ہوتا۔ اگر کسی فاسق کی لائی ہوئی خبر کو بلاتحقیق ماننے کی بنا پر کسی قوم سے ٹکراؤ ہو جائے، تو حقائق سامنے آنے پر مومنین کو اپنے کیے پر ندامت ہی ہوگی، اور یہ جلد بازی مومنین کے اجتماعی رویے پر داغ لگا دے گی۔

حاصل : ایمان والے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ خبر لانے والے کو دیکھیں، اگر وہ فاسق ہو، تو قطعاً اس کی لائی ہوئی خبر کو بلاتحقیق نہ مانیں۔ فاسق اپنی ضرورت کو اجتماعی مفادات کے مقابل زیادہ اہم جانتا ہے، اس کے کہنے پر جوش میں آ کر کسی قوم سے ٹکراؤ ہو جائے تو حقائق سامنے آنے پر مومنین کو اپنے کیے پر ندامت ہوگی۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ۚ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴿٧﴾

اور تمہیں معلوم رہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں ہیں۔ اگر یہ کثیر امور میں تمہاری باتوں کو مان لیا کریں، تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ ولیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی حبّ دی ہے، اور اسے تمہارے قلوب میں زینت دی ہے، اور کفر، فسوق اور عصیان سے تمہیں کراہت ہو گئی ہے۔ یہی لوگ تو راشد ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے جس علم سے نوازا ہے، وہ علم سب سے بڑی شان رکھتا ہے۔ اس علم کی قدر کرنی چاہئے، اس سے استفادہ کرنا چاہئے، اور کبھی اپنے گمان کو یہ درجہ نہیں دینا چاہئے کہ حق کے مقابل اسے قابلِ ذکر سمجھا

جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اکثر امور میں لوگوں کی باتوں کو مان لیا کرتے تو لوگ یقیناً مشقت میں پڑتے۔ اللہ نے ایمان والوں کو مشقت سے بچا کر بڑی مہربانی کی ہے، ایمان والوں کے اندر اللہ نے طلبِ ہدایت رکھی ہے، ایمان کو ان کے قلوب میں زینت دی ہے۔ ناصح سے محبت میں ان کا حال یہ ہے کہ دل، دلبر کے حوالے رہتا ہے۔ ان کو خلافِ حق کاموں سے کراہت ہو جاتی ہے، حق میں اپنی پسند کو داخل کرنے سے کراہت ہو جاتی ہے، اور شاہد کی حکم عدولی سے کراہت ہو جاتی ہے۔ رشد و ہدایت والے لوگوں کی یہ نشانیاں ہیں۔

حاصل : شاہد، حق کا بڑا علم رکھتے ہیں۔ ان کی اطاعت میں فلاحِ دارین ہوتی ہے۔ بہتر جاننے والے کو اپنی منوائی جائے تو یقیناً مشقت میں پڑ جانے کا مقام آتا ہے۔ طلبِ ہدایت، ناصح سے محبت، ایمان والوں کی شان ہے۔ ایمان والوں کو کفر، فسق کی ہر صورت اور شاہد کی حکم عدولی سے کراہت ہونی چاہئے، یہ رشد و ہدایت کی نشانیاں ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

اللہ نے تمہیں اپنے فضل اور نعمت سے نوازا ہے، اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

رشد اللہ کا فضل ہے۔ جس کو یہ نعمت حاصل ہو، اس سے نورِ ہدایت لینا چاہئے، اس کا ادب و احترام کرنا چاہئے، علم و حکمت کی طلب رکھنی چاہئے۔ اللہ کا ہر کام اس کے علم سے ہوتا ہے، اور اس میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔ ماننے والے پر ہی جاننے کا مقام آتا ہے۔ جو محض جاننے کی فکر میں لگا رہے اور ماننے کا حق ادا نہ کرے، وہ کبھی اپنے گمان کے دائرے سے نکل نہیں سکتا۔

حاصل : رشد و ہدایت والے صاحبان کی تکریم کرنی چاہئے۔ ان کو اللہ نے اپنے علم سے نوازا ہے، اور اللہ کی نوازش میں ہمیشہ حکمت موجود ہوتی ہے۔

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْۗءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَاۗءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں، تو ان کے مابین صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک، دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔ جب وہ لوٹ آئے تو عدل کے ساتھ ان

بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ⑨

کے مابین مصالحت کرا دو۔ اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبّت رکھتا ہے۔

مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں، تو ان کے مابین مصالحت کرانے کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جو حق کو مانتے ہیں، اللہ کی رضا کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں، اور مومنین کی اجتماعی بھلائی کا علم رکھتے ہیں۔ گروہی عصبیتوں میں پھنس جانے والے لوگ اپنے زاویۂ نگاہ کو خراب کر لیتے ہیں۔ ان کو سمجھانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اگر وہ زیادتی کرنے سے باز نہ آئیں، تو پھر ان سے لڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جب ان کی سرکوبی ہو جائے تو وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آتے ہیں، گروہی عصبیت کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں، حق کے حوالے سے دیکھنے لگتے ہیں۔ جب زیادتی کرنے والے حق کی طرف لوٹ آئیں تو عدل کے ساتھ دونوں گروہوں میں مصالحت کرا دی جانی چاہئے۔ زیادتی کا تعیّن کیا جائے، نقصانات کو دیکھا جائے، تلافی کی صورت واضح کی جائے اور زیادتی کرنے والے پر ایسا بوجھ نہ ڈال دیا جائے، جو کسی حوالے سے درست تو ہو مگر اس کے لئے ہو ناقابلِ برداشت۔ انصاف کرنے کا منشاء دونوں گروہوں کو یہ احساس دلانا ہے کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے ماننا لازم ہے۔ اپنی پسند کو کبھی یہ وقعت نہ دینی چاہئے کہ وہ حق کے مقابل، قابلِ ذکر معلوم ہو۔ انصاف کرنے والے، اجتماعی بھلائی کے لئے، اللہ کی رضا کے حوالے سے اپنا وقت بھی لگاتے ہیں، قوت بھی لگاتے ہیں اور مال بھی خرچ کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے محبوب لوگوں کی صفات ہیں۔

حاصل : مومنین کے دو گروہوں کے جھگڑے میں مصالحت کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جو حق کو ماننے والے ہیں، اور گروہی عصبیت سے بلند رہتے ہیں۔ پہلا درجہ قول سے سمجھانا ہے۔ زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑنے کا منشاء اسے اللہ کے امر کی طرف لوٹانا ہوتا ہے۔ زیادتی کا تعیّن ہو جائے، نقصان کی تلافی کا طریقہ بتایا جائے، اور فریقین کو یہ احساس دلایا جائے کہ اللہ کے فرمان کو ادب سے ماننا ہی ایمان کا ثبوت ہے، تو انصاف کا کام پورا ہو جائے گا۔ انصاف کرنے والوں کو اللہ کا محبوب جاننا ضروری ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ⑩ ع ۱۳

مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں کے مابین مصالحت کرا دو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم ہو۔

(6:153) یہی صراطِ مستقیم پر رہنے کی صورت ہے۔ اسی راہ پر رہنا چاہئے۔ دوسری راہوں کو اختیار کرنا درست نہیں ہو گا، کہ وہ راہیں اللہ سے دوری کا باعث ہوں گی۔ (6:154) مومن بھائیوں کے درمیان مصالحت کرانا حکمِ الٰہی ہے۔ اس حکم کو پورا کرنے کے لئے پاک لوگوں کی، انصاف کرنے والے لوگوں کی جماعت ہونی چاہئے، جو لوگوں کی نظر میں محترم ہو، جو غرض و غایت سے پاک ہو کر بات کرتی ہو، اپنا وقت، اپنی قوت اور مال اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتی ہو، اور مومنین کی اجتماعی بھلائی کے لئے بڑے علم سے کام کرتی ہو۔ اللہ سے ڈرنے والے لوگ حق کو مانتے ہیں، اور خواہشات کی پیروی نہیں کرتے۔ اللہ کا رحم انہی لوگوں پر ہوتا ہے جو حق کو ادب سے مانتے ہیں۔

حاصل : مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں، اس لئے ایک دوسرے پر اپنی بڑائی ثابت کرنے کو خلافِ حق جاننا چاہئے۔ مومن بھائیوں کے مابین مصالحت کرانا، پاک لوگوں کی ذمّہ داری ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے لوگوں پر رحم کیا جاتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ شوریٰ (42) میں ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝٢٣

فرمادیجئے میں اس پر تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا، مگر قرب والوں سے محبت۔ اور جو اچھا کرے ہم اس کے حسن کو زیادہ کریں گے۔ بے شک اللہ بخشنے والا، قدر کرنے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝١١

اے ایمان والو کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، قریب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں، عورتوں کا مذاق اڑائیں، قریب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں طعن و تشنیع نہ کرو، اور بُرے القاب سے ایک دوسرے کو یاد نہ کرو۔ ایمان کے بعد فسق کا تو نام بھی بُرا ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

حسنِ معاشرت کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے، اس علم کی قدر کرنی چاہئے۔ جو لوگ اپنی نسبی فضیلت ثابت کرتے ہوئے دوسروں کو حقیر ثابت کرتے ہیں، اپنے اختیار و اقتدار کو بڑا ثابت کرتے ہیں، اپنی وسعتِ مال پر اتراتے ہیں، انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ مومنوں کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ حق کو ماننے کے بعد ایسی باتیں کریں، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ نسب، اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، رزق، اللہ کے حکم سے تعلق رکھتا ہے، نفع و ضرر بھی باذن

اللہ ہوتا ہے۔ اللہ کے کاموں پر زبان کھولنے کے آداب ہیں۔ کسی کی تحقیر کرنا قطعاً درست نہیں ہے۔ جن لوگوں کا مذاق اڑایا جائے وہ اگر یہ کہیں کہ اللہ کے کام اس کے علمِ مطلق سے ہوتے ہیں، ان میں ہمیشہ حکمت ہوتی ہے، اور اللہ لوگوں کے ساتھ مہربانی کرتا ہے، ان پر رحم فرماتا ہے، تو یقیناً یہ مذاق اڑانے والوں کے مقابل بہتر لوگ ہیں۔ عورتوں کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ شکل و صورت بنانے والا تو اللہ ہے، کسی صورت کو ناقص کہنے سے اس کے خالق پر اعتراض ہو گا، اور یہ بے ہودگی ایمان سے کیا تعلق رکھتی ہے۔ لباس، زیورات اور دوسری چیزیں بھی مومن عورتوں کو اللہ نے دی ہیں، اور یہ دیکھنے کے لئے دی ہیں کہ ان کا استعمال اللہ کی رضا کے مطابق ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا۔ جن عورتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، وہ اگر حق کے حوالے سے زبان کھولتی ہیں تو وہ یقیناً بہتر ہیں۔ آپس میں طعن و تشنیع سے بھی منع فرمایا گیا ہے کہ اس کا مقصد دوسروں کی نیت کو بُرا ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اس سے آپس کے تعلقات بُری طرح متاثر ہو جاتے ہیں۔ نفرتیں افراد کے مابین فاصلوں کو بڑھا دیتی ہیں۔ بُرے القاب سے ایک دوسرے کو یاد کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ اس سے بھی دوسروں کی تحقیر ہوتی ہے۔ دوسروں کی عزت افزائی مومنین کا طریق زندگی ہونا چاہئے۔ ایمان لانے کا دعویٰ تبھی درست ہو گا جب ناصح سے محبت ہو گی۔ مومن ہونے کے بعد اپنی پسند کے حوالے سے بات کرنا تو مومن کو زیب ہی نہیں دیتا۔ فسق تو ناپاکی ہے، اور قابلِ نفرت ہے۔ ایسا قصور ہو جائے تو فوراً توبہ کرنی چاہئے۔ زبان کو بڑی احتیاط سے کھولنا چاہئے۔ قول درست ہو تو پہلے درجہ میں بندہ سچا ہوتا ہے۔ پھر اعمال کے درست ہونے کا مقام آتا ہے۔ جو برائی کرنے کے بعد توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے، اور ظالم کا حق سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

حاصل : مومن مرد، مردوں کا مذاق نہ اڑائیں، مومن عورتیں، عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔ آپس میں طعن و تشنیع کرنا بھی خلافِ حق ہے، بُرے القاب سے دوسروں کو یاد کرنا بھی خلافِ حق ہے۔ قصور ہو جائے تو توبہ کرنی چاہئے، ایسا نہ کیا جائے تو یہ ظلم ہو گا، اور ظالم کو فلاح نصیب نہیں ہوتی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

اے ایمان والو، بہت سے گمانوں سے اجتناب کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور تجسّس نہ کرو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کسی کو اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند ہو گا۔ تو تمہیں اس سے کراہت ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

مومن بھائیوں کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگیں گے، اور حق کو ملحوظ نہ رکھیں گے، قطعاً درست نہیں ہوتا۔ جب کسی کی حسنِ نیت پر شک ہو تو جو گمان بھی ہو گا، وہ گناہ کے زمرے میں آئے گا۔ گمانوں سے بچنا درست رویّہ ہے، کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی سے بچنا اس طرح ممکن ہوتا ہے۔ تجسّس سے بھی منع فرمایا گیا ہے، یہ کسی کی ذاتی زندگی کے بارے میں ٹوہ لگانا اور اس کی تذلیل کے لئے زور لگانا ہے۔ کسی مومن بھائی کے حالات سے باخبر ہونا اور حق کے مطابق اس کو آسانیاں مہیا کرنے کی کوشش کرنا یقیناً اللہ کے نزدیک پسندیدہ کام ہے۔ اس کو تجسّس کہنا درست نہیں ہے۔ تجسّس سے مراد ہی دوسرے کو لوگوں کی نظروں میں گرانا ہوتا ہے۔ غیبت، کسی کی پیٹھ پیچھے بُرائی کرنے کا نام ہے۔ غیبت کرنے والا یہ جرأت نہیں رکھتا کہ وہ کسی کی خامی کو اس کے سامنے بیان کرے۔ دوسروں کے سامنے کسی کی خامی کو بیان کرنے سے اس کو حقیر ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مُردہ بھائی کو پردہ دینا چاہئے۔ اس کا گوشت نوچ کھانا تو کسی کو پسند نہیں ہو گا، اور غیبت کرنا اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ حق کے حوالے سے تحقیق کرنا، کسی کے بارے میں اپنے مشاہدے کو بیان کرنا کہ دوسروں کو اس کے ساتھ اپنا تعلق درست رکھنے میں مدد ملے، غیبت نہیں ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے یہ دھیان رکھتے ہیں کہ ظاہر و باطن میں وہ گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔ جہاں کوتاہی کا احساس ہو وہ فوراً توبہ کرتے ہیں، زبان کو حق کے مطابق کھولتے ہیں، اللہ کی شان ہے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، رحم فرمانے والا ہے۔

حاصل : بہت سے گمانوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کسی مومن کے بارے میں بُرا گمان رکھنا گناہ ہے۔ کسی مومن کی تذلیل کے لئے ٹوہ لگانا بھی گناہ ہے، اور کسی مومن کی پیٹھ پیچھے بُرائی کرنا بھی گناہ ہے۔ کوتاہی ہو جائے تو اللہ سے ڈرنے والے توبہ کرتے ہیں، اللہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے، اور ان پر رحم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

اے لوگو، ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں شعوب و قبائل میں تقسیم کیا ہے، آپس کے تعارف کے لئے۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ مکرّم وہ ہے، جو تم میں سے زیادہ متّقی ہے۔ بے شک اللہ علم والا، خبر رکھنے والا ہے۔

تمام لوگوں کے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہونے کی سند نازل فرمائی گئی ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہونے والے ایک دوسرے پر اپنی برتری ثابت کرنے کی کوشش کریں تو ان کی بات بے سند ہو گی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی زوجہ محترمہ سے پیدا ہونے والی اولاد ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ تعارف بہت بڑی ضرورت ہے، اور اللہ نے اس

ضرورت کو اپنے علم سے پورا کیا ہے۔ زمین میں لوگوں کا پھیلنا، ان کے رنگوں کا اختلاف ان کی زبانوں کا اختلاف، اللہ کی نشانیاں ہیں، اور یہ نشانیاں بھی تعارف میں مدد دیتی ہیں۔ خاندان اور قبیلے بنتے رہتے ہیں، مگر ان کو صرف تعارف کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ کسی خاندان اور قبیلے کو کسی دوسرے خاندان اور قبیلے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم وہ ہے، جو تقوے کے اعتبار سے بڑا ہے اور اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ جو اللہ کے نزدیک مکرم ہے، اس کی تکریم کرنے سے لوگوں کو سکھ ملے گا۔ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے، ہر حال کی خبر رکھتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے، کون زیادہ متقی ہے۔

حاصل : ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا ہونے والے ایک دوسرے پر نسبی فضیلت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ خاندان اور قبیلے تعارف کے حوالے سے یقیناً اہم ہیں، ان کو لوگوں کے مابین نفرت کی دیواروں کا درجہ دینا قطعاً غلط ہے۔ جو اللہ کے نزدیک مکرّم ہے، اس کی تکریم کرنے سے اللہ کا ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے، کس کا رخ درست ہے، اور کس کا نہیں ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اَعراب نے کہا ہم ایمان لائے ہیں۔ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے، ولیکن تم کہو ہم نے تسلیم کیا ہے، اور ابھی ایمان تمہارے قلوب میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

بعض بادیہ نشین لوگ اپنے ایمان لانے کا ذکر کر کے مومنین پر احسان جتاتے تھے۔ یہ لوگ کفر و نفاق میں اشد تھے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان جانتے تھے، مومنین پر گردشوں کے انتظار میں رہتے تھے، جہاد کا حکم سن کر ان پر سخت خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، خوف دور ہو جاتا تو مال غنیمت کے لالچ میں طعن و تشنیع کرنے لگتے تھے۔ ان لوگوں سے فرمایا گیا ہے کہ تم ایمان لانے کا دعویٰ نہ کرو، صرف یہ کہو کہ ہم نے حق کو تسلیم کیا ہے۔ ایمان تو ناصح سے محبت کی بدولت نصیب ہوتا ہے، طلب ہدایت ہو تو ایمان قلوب میں زینت پاتا ہے، اور ایمان قلوب میں داخل ہو جائے تو کفر، فسوق اور عصیان سے کراہت ہو جاتی ہے۔ یہ رشد والے صاحبان کی نشانیاں ہیں۔ بھلا تو اس کا ہو گا، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا۔ اللہ اس کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ ادب موجود ہو گا تو اطاعت میں کوتاہی کو بخش دیا جائے گا اور اللہ

اپنے رحم سے مزید نوازے گا۔

حاصل : دعویٰ ایمان بے شہادت نہیں ہونا چاہئے۔ کذب سے بچنے کے لئے دعوے کی تصحیح بھی ایک مقام ہے۔ ناصح سے محبت ہو تو ایمان قلوب میں داخل ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے فلاح حاصل ہوتی ہے۔ ادب کے ساتھ حق کو ماننے والے سے کوتاہی ہو جائے تو اللہ بخش بھی دیتا ہے، اپنے رحم سے مزید نوازتا بھی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے، پھر کبھی شک میں نہیں پڑے، اور اپنے اموال و انفس سے فی سبیل اللہ جہاد کیا۔ یہی سچے ہیں۔

جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر احکامِ الٰہی کو ماننے میں اپنی پسند کو شامل کرتے ہیں، جہاں فائدہ نظر آئے وہاں سرعت دکھاتے ہیں، جہاں خطرات محسوس ہوں وہاں سے جی چراتے ہیں، یہ شک میں پڑے ہوئے لوگ ہیں، ان کا دعویٰ ایمان درست نہیں ہوتا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد شک کا مقام ختم ہو جانا چاہئے۔ اللہ کے عطا کردہ اموال اور اللہ کی عطا کردہ جانیں، اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے پیش کرنا دعویٰ ایمان کو سچا ثابت کرتا ہے۔ جھوٹے اور سچے لوگوں کو برابر قرار دینا خلافِ حق ہے۔

حاصل : اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے، شک میں پڑ جائیں تو ان کا دعویٰ ایمان بے معنی ہو جاتا ہے۔ سچے لوگ اپنے دعویٰ ایمان کے ساتھ اپنے اموال و انفس سے جہاد فی سبیل اللہ کر کے اپنی صداقت کا ثبوت دیتے ہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾

فرما دیجئے کیا تم اللہ کو اپنا دین بتاتے ہو، اور اللہ کو علم ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ کو ہر شے کا علم ہے۔

اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ اللہ کو اگر اپنا دین بتایا جائے گا، تو یہ اللہ کو نہ ماننے کا ثبوت ہو گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور آپ کے بعد شاہدین کے سامنے اپنے دعویٰ ایمان کو دھرایا جائے گا، تو یہ صداقت کا ثبوت

نہیں ہو گا۔ اللہ سے تو کچھ مخفی ہو ہی نہیں سکتا۔ جو خلوت و جلوت میں حق کے مطابق نہیں رہتا، اسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے، اس کا دعوئ ایمان بے حقیقت ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ کو اپنا دین بتانے والے، ایمان والے نہیں ہوتے۔ جو خلوت و جلوت میں حق کے مطابق نہ رہتا ہو، اسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ اللہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

یہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے۔ فرما دیجئے اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے، کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

دائرۂ کفر سے دائرۂ اسلام میں داخل ہونا بہت بڑی تبدیلی ہے، اس تبدیلی کے لئے بہت سے مقامات سے گزر ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ لوگوں کے سامنے تھی۔ آپ کی صداقت اور امانت کا اعتراف ہر مقام پر تھا۔ آپ کا ارشاد سند کے ساتھ تھا۔ آپ کو لوگوں کی بھلائی عزیز تھی، اور لوگوں کا مشقت میں پڑنا آپ پر گراں ہوتا تھا۔ آپ لوگوں کو خوف و حزن سے پاک ہونے کا راستہ دکھاتے تھے۔ جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے وہ آپ سے محبت رکھتے تھے۔ محبّ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے محبوب پر احسان جتائے۔ جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان جتاتے تھے، ان سے فرمایا گیا کہ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ کا اپنے اوپر احسان مانو کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف راہ دی ہے۔ اگر تمہارے اندر صداقت ہے تو تمہارا رخ یہی ہونا چاہئے۔

حاصل : دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینے والے پر اس کی دعوت کو قبول کر کے احسان جتانا قطعاً درست نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف آنے میں سہارا دیتا ہے، جسے چاہے تزکیہ عطا کرتا ہے۔ ناصح سے محبت ہو تو پھر اس پر احسان جتانے کا مقام آ نہیں سکتا۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨﴾ ع ۸

بے شک اللہ کو آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم ہے۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو عمل تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کل ہے۔ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے ہر ظاہر اور چھپے ہوئے کو جانتا ہے۔ وہ ہمارے صدور میں مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے، اور ہمارے اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ جو حضرات اللہ تعالیٰ کی معیّت میں ہونے کا شرف رکھتے ہیں، جب ان کے سامنے ایسی بات کی جائے جو سچی نہ ہو تو ایسی بات کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے لکل شی ء علیم ہونے کا منکر ہوتا ہے۔

حاصل : اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔ وہ نیّتوں کو بھی جانتا ہے، اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو علیم و بصیر ماننے کا ثبوت خلوت و جلوت میں پاک رہ کر ہی دیا جا سکتا ہے۔

شہادت : اللہ تعالیٰ نے سورۃ شعرا (26) میں ارشاد فرمایا ہے۔
فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾
تو اگر آپ کی حکم عدولی کریں تو فرما دیجئے، میں اس سے الگ ہوں جو کچھ تم کرتے ہو۔

کیٹلاگ کارڈ نمبر ۱۲۲۹، ۲۹۷

۱۲۲۹، ۲۹۷ فضل شاہؒ حضرت

تفسیر فاضلی، (الصافات تا الحجرات)۔ مرتبہ محمد اشرف فاضلی

لاہور۔ فاضلی فاؤنڈیشن۔ پیکو روڈ کوٹ لکھپت لاہور، پوسٹ کوڈ ۵۴۷۷۰

ج۔۶ (منزل ششم)

سرٹیفکیٹ

ہر گاہ میں نے تفسیر فاضلی کی منزل ششم (الصافات تا الحجرات) کا عربی متن بغور مطالعہ کیا ہے لہذا میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کی عربی عبارت میں اب کوئی لفظی یا اعرابی غلطی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حافظ محمد طفیل

نزد مینار پاکستان راوی روڈ۔ لاہور

Tafseer-e-Fazli

Al-Säffat to AL-Hujurat
Manzil VI

COMMENTARY:
HAZRAT FAZAL SHAH

WRITTEN BY:
MUHAMMAD ASHRAF FAZLI

1418 A.H.

FAZLI FOUNDATION LAHORE